Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



Marfat.com

پہلا اڈیشن

تعداد طبع ——— ۱۰۰۰

قیمت مجلّد ——— ۵ر

129589

ملنے کے پتے

۱۔ مولوی سعید الباری صاحب

شبستانِ قدم رسُول ——— ہارڈنگ روڈ (لکھنؤ)

۲۔ مکتبۂ اشرفیہ ——— اشرف المدارس (ہردوئی) (یوپی)

۳۔ کتب خانۂ الفرقان ——— گوئن روڈ (لکھنؤ)

Marfat.com

ج ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اس "سلسلۂ تجدید دین" کی بحمداللہ چار کتابیں مکمل ہو چکی ہیں، مزید تجاویز بھی ہیں، اللہ تعالیٰ پوری فرمائیں۔

۱۔ پہلی کتاب "جامع المجددین" ہے۔ آئین دین کے مختلف شعبوں ۔ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرات اور اخلاق ۔ میں جو جو مفاسد اور امراض کوتاہیاں اور کمزوریاں ہمارے اندر گھر کر گئی ہیں اُن کا اجمالی جائزہ لیکر اصلاح کی ایسی آسان اور اختیاری تدابیر کو جمع کر دیا گیا ہے جن پر عمل کر کے مسلمان از سر نو اسلامی زندگی کی دینی و دنیوی برکات و ثمرات سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

اس اعتبار سے یہ چاروں میں سب سے اہم و اقدم ہے "تجدید دین" کی نوعیت و اہمیت پر بھی اسی میں گفتگو ہے، اور حضرت سید محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ العالی کا تجدید کی تاریخ و تحقیق، اور حضرت (جامع المجددین) علیہ الرحمہ کی تجدیدی و اصلاحی جامعیت و وسعت پر مستقل مقدمہ بھی اس میں شریک ہے ——— طباعت و اشاعت بھی اسی کی مقدم ہونا تھی، انشاء اللہ زیادہ تاخیر نہ ہوگی، کتابت ہو رہی ہے۔

۲۔ لیکن بوجوہ دوسری یعنی پیشکش کتاب "تجدید تصوف و سلوک" کی اشاعت مقدم ہو گئی، تصوف نام دراصل دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا ہے، مگر بدقسمتی سے دین کے تمام شعبوں سے زیادہ تو بر تو غلطیاں بلکہ گمراہیاں اسی میں سرایت کر گئیں، جس کی بدولت راہ سہا دین بھی معنویت سے خالی بے جان و بے کیف ہو کر رہ گیا۔

اعلیٰ حضرت حکیم الامت مجدد ملت (مرشدی و مولائی مولانا شاہ اشرف علی نور اللہ مرقدہٗ) کی تجدیدی خدمات و توجہات کا بڑا حصہ بھی دین کے اس کیف و کمال (تصوف) ہی کی تجدید و تحقیق کے متعلق میں آیا ہے، اور الحمدللہ کہ راقم احقر کے اس "سلسلۂ تجدید" میں بھی یہ پوری کی پوری ایک کتاب (تصوف) کے حصے میں آئی ۔ جو ضخامت میں چاروں کتابوں کے ایک ثلث سے بھی زیادہ ہی ہوگی۔ پھر بھی ؎

"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

Marfat.com

بلکہ حق یہ ہے کہ یہ نااہل سب سے زیادہ اسی حصہ کی تحریر کا نااہل تھا، تاہم حق تعالیٰ کی بڑی نعمت کا بڑا کفران ہوگا اگر اس بے پایاں فضل و احسان کا اقرار نہ کیا جائے کہ قلم تو بے شبہ اسی نااہل کے ہاتھ میں تھا۔ باقی سارے دورانِ تحریر میں غیبی تائیدات کا علانیہ مشاہدہ رہا وما ذالت علی اللہ بعزیز۔ ع

"داد حق را قابلیت شرط نیست"

اور الحمد للہ حمداً کثیراً کہ ان اوراق کے دامن میں اسی غیبی نصرت کی بدولت اسلامی تصوف و سلوک کے اصول و فروع اور تعلیم و تربیت سے متعلق ایسا جامع مستند و محققانہ ذخیرہ ہزاروں اوراق کی ورق گردانی اور اخذ و استنباط سے جمع ہو گیا ہے کہ بے تکلف عرض کیا جا سکتا ہے کہ کسی اسلامی و غیر اسلامی زبان میں ایسی جامعیت و احاطت تحقیق و تنقید کا کوئی مجموعہ موجود نہیں۔ کاش کوئی سعادت مند قلم اس کی تلخیص ہی کو عربی و انگریزی کا جامہ پہنا دیتا تو اپنے پرائے سب اسلامی تصوف کے جمال و کمال کو جان پہچان کر پھر نہ اس پر بدعت و رہبانیت کا دھوکا کھاتے نہ جوگ اور اشراقیت کا، اور خدا چاہتا تو مغربی محققین و مستشرقین کی بھی آنکھیں کھل جاتیں۔

بایں ہمہ راقم نااہل کا قلم چونکہ کسی نہ کسی درجہ میں شریک تو تھا ہی، اسلئے احتیاط لازم تھی بہت سے زیادہ احسان و کرم اس معاملہ میں بھی حضرت سید محترم (مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ) ہی کا ہے کہ "حیاتِ طیبہ" اور بعض دیگر ضمنی و ذیلی اجزا کے سوا باقی تصوف و سلوک کے اصل حصہ کو تمام و کمال جس طرح اور جس توجہ سے ملاحظہ فرما کر مطمئن فرمایا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ متعدد مقامات پر حرف "س" (سلیمان) کے ساتھ مختصر تشریحی افادات سے ناظرین مستفید ہونگے۔ اور آخر میں جب کتاب کے پروف آرہے ہیں کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ "اشرف الحیات" کے نام سے حضرت علیہ الرحمہ کی جو سوانح حیات مرتب فرمائے ہے تھے (جس کی تکمیل فرما نہ سکے) اس کا مقدمہ بعنوان "حقیقت تصوف کا مکتشف اعظم اور فن حصولِ احسان و تقوی کا مجدد کامل" روانہ فرما دیا ہے۔ ماشاء اللہ بالکل تجدید تصوف کا مقدمہ اور "بقامت کہتر بہ قیمت بہتر" کا پورا پورا مصداق ہے، اصل کتاب گویا اسکی شرح ہے۔

اسکے علاوہ "حیاتِ طیبہ" کا پورا جز الفرقان اور تصوف و سلوک کا معتدبہ حصہ معارف میں کتابی صورت سے پہلے شائع ہو کر مختلف طبقات خصوصاً خود حضرت علیہ الرحمہ کے سلسلہ کے اکابر حضرات کی نظر سے گذرا اور گذارا جا چکا ہے۔ ان ظاہر و باطن کے جامع حضرات نے اپنی تصویب و تحسین سے مزید اطمینان بخشا۔

پھر بھی قارئین کرام سے عام طور پر اور حضرت کے حضرات سے خاص طور پر درخواست ہے کہ جو

Marfat.com

چھوٹی بڑی غلطی وکوتاہی خصوصاً حضرت علیہ الرحمہ کے مسلک وتحقیق کی فہم وتعبیر میں معلوم ہو اس پر ضرور تنبہ فرما کر ممنون فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ دوسری اشاعت میں انشاءاللہ استفادہ ہو سکے گا۔

سب سے سخت مرحلہ بالخصوص آج کل کے حالات ومعاملات سے خوف زدہ اس ناکارہ کیلئے طباعت کا تھا۔ اتنا بڑا پہاڑ کہ اپنی تو ہمت اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی بھی نہ ہوتی تھی، نہ حضرت علیہ الرحمہ کا نازک مسلک اس کا متحمل کہ اس کام میں ـــــ جو سارا کا سارا در اصل حضرت ہی کا کام اور اپنا صرف نام ہی نام ہے ـــــ کسی اور کی ہمت کو از خود دعوت دیجائے۔

اللہ تعالیٰ بڑی جزا دے محب محترم مولنا محمد منظور صاحب نعمانی صاحب الفرقان کو کہ الفرقان ومعارف میں جو اجزاء تجدید تصوف کے شائع ہو چکے تھے انکی طلب نافعیت کا ممدوح کو کچھ ایسا اندازہ ہوا، کہ طباعت کے ہفتخوان کیلئے وہ بڑی طیب خاطر اور پورے اخلاص کے ساتھ "قرنے دست" طرح معاونت ومشورہ کے۔ ساتھ آمادہ ہو گئے۔ اور "درمے" کا الحمدللہ کہ اس خدمت کو ہاتھ لگانے سے بہت پہلے دورانِ ملازمت کی کشادگی کے وقت اتنا سرمایہ راقم احقر نے محفوظ کر لیا تھا کہ انشاءاللہ ان دو بڑی کتابوں (جامع المجددین۔ اور۔ تجدید تصوف) کیلئے کسی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

باقی تیسری اور چوتھی (تجدید تعلیم وتبلیغ اور تجدید قومیات وسیاسیات) جو ذکر رہجاتی ہیں وہ دونوں ملا کر غالباً ان میں سے ایک کے برابر بھی نہ ہوں۔ امید ہے کہ دیر سویر اُن کا سامان بھی اللہ تعالیٰ فرما ہی دینگے۔

رہیں دیگر تجاویز، جو اس سلسلہ کی ہیں ـــــ اور جن کی تفصیل جامع المجددین کے دیباچہ میں ہوگی ـــــ وہ البتہ اتنی عظیم دو سیع خدمت ہے کہ "درمے، قدرے سخن" کی اقتباء ـــــ اس کا سوچنا بھی تنہا اپنی ہمت واستطاعت کیلئے عبث ہے۔

لیکن "کن فیکونی" قدرت والے کے سامنے پربت بھی رائی ہے، وہ چاہیں گے تو انکے لئے بھی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرما دیں گے۔

طالبِ دعاء احقر العباد

"عبدالباری"

شبستانِ قدم رسولؐ۔ ہارڈنگ روڈ۔ لکھنؤ

۹ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۴۹ء

Marfat.com

و

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حقیقت تصوّف کا مکتشف اعظم

(حضرت محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

(صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۲)

تصوف کی حقیقت

صفحہ ۳ تا صفحہ ۳۵

تصوّف نام ہے تعمیر باطن کا — صفحہ ۵
تصوّف کا عرف و اصطلاح — صفحہ ۱۵
صوفی بنے بغیر دنیا بھی نہیں بنتی — صفحہ ۲۷
عجیب مجدّدانہ نکتہ — صفحہ ۳۳
ایک بڑا مغالطہ — صفحہ ۱۲
تجدید تصوّف کا اصل کارنامہ — صفحہ ۱۸
بلا تصوّف کام نہیں چل سکتا — صفحہ ۳۱
تصوّف سے توحش کی وجہ — صفحہ ۳۴

اذکار و اشغال اور مجاہدات

صفحہ ۳۶ تا صفحہ ۵۷

کثرتِ ذکر — صفحہ ۴۰
بہت بڑی غلطی — صفحہ ۴۵
فرق مراتب پر قرآن سے استشہاد — صفحہ ۴۶
محبت کا ایک رنگ — صفحہ ۴۸
ذکر اللہ کے حصول کا طریقہ — صفحہ ۵۱
ذکر کی حقیقت — صفحہ ۴۴
ذکر اللہ کے مراتب — صفحہ ۴۵
صوفیہ کا اصطلاحی ذکر قلبی — صفحہ ۴۷
ذکر ہی جڑ ہے تمام شریعت و طریقت کی — صفحہ ۵۰
ذکر قلبی افضل ہے یا لسانی — صفحہ ۵۴

Marfat.com

ذکر

ذکر کے باب میں ایک بڑی خطرناک غلطی ص۵۶ — خلاصۂ طریق طاعت وذکر ص۵۸
سالکین کے چار طبقات ص۵۹ — تجدید تصوّف کے دو اصل اصول ص۶۴
نسبتِ باطن — ص۶۶
خالق کے ساتھ نسبت درست کئے بغیر خدمتِ خلق درست نہیں ——— ص۵۸
مجاہدہ ص۷۱ — زہد کی حقیقت ص۷۵
غیر اختیاری مجاہدہ ص۷۷ — مجاہدہ سے استیصالِ رذائل نہیں ہوتا ص۷۸
ایک ضروری تنبیہ ص۷۹ — تفصیلی سلوک وریاضت ص۸۰
ایک شبہ ص۸۴ — مجاہدہ کا اصل ثمرہ کیفیات نہیں ص۸۵
تصوّف کی حقیقت دو جملوں میں ص۸۶ — کشف وکرامات کی حقیقت ص۸۸
توجہ وتصرف — ص۹۲

بیعت وارادت

ص۹۵ تا ص۱۱۹
صحبت وتعلق ——— ص۱۱۱ — وحدتِ شیخ ——— ص۱۱۴
صحبت سے دین دل میں رچ جاتا ہے ص۱۱۵

عشق ومحبت

ص۱۲۰ تا ص۱۴۱
حبِ عقلی ص۱۲۳ — عقلی محبت اختیاری ہے ص۱۲۵
محبت کا مدار مناسبت پر ص۱۲۸ — "خلق اللہ آدم علی صورتہ" کا مطلب ص۱۲۹
حمل امانت کی لطیف توجیہ ص۱۳۲
حق تعالیٰ میں اسبابِ محبوبیت بدرجۂ کمال جمع ہیں ——— ص۱۳۳
عقلی محبت کا لازمہ ص۱۳۵ — عشق وتفویض ص۱۳۵
عشق مجازی کی حقیقت ص۱۳۶

Marfat.com

ح

باطنیت ص۱۴۲ تا ص۱۵۲

اخفا کی وجہ ص۱۴۲ ایک اور وجہ ص۱۴۴ ایک بڑی تنبیہ ص۱۴۶ اشد فتنہ ص۱۴۸

وحدۃ الوجود ص۱۵۳ تا ص۱۸۳

مسئلہ کی علمی حقیقت ص۱۵۳ وحدۃ الوجود کے قول سے چارہ نہیں ص۱۵۶
وجود و شہود کا اصطلاحی فرق ص۱۵۷ ضروری وصیت ص۱۵۸
تجدیدی مسلک ص۱۶۰ مسئلہ وجود و شہود اسلامی تصوف کا کوئی لاینفک جز نہیں ص۱۶۰
ظنی مسئلہ کو منصوص قطعی قرار دینا بہت خطرناک ہے ص۱۶۲ وجودیت اور عقلیاتِ جدیدہ ص۱۶۴
قیاس غائب علی الشاہد کا مغالطہ ص۱۶۶ سلامتی و احتیاط ص۱۶۷
عینیت کے معنے ص۱۶۸ توحید ذات و صفات و افعال ص۱۷۰
علمی وحدۃ الوجود سے قرب مطلوب حاصل نہیں ہوتا ص۱۷۷
سارے مفاسد کا سدباب ص۱۷۹ قرب ذاتی و وصفی ص۱۸۱

قربِ مطلوب ص۱۸۴ تا ص۲۲۰

بالذات جنت بھی مطلوب نہیں ص۱۸۵ ایک شبہ ص۱۸۷
انکار تشبیہ غلو ہے ص۱۹۰ حصول رضا کا طریقہ ص۱۹۲
درجۂ کمال کے تین اجزا ص۱۹۳ علم و عمل اور حال ص۱۹۵
قرب نام ہے کمال دین کا ص۱۹۶ عبدیت ص۱۹۸
قرب نوافل ص۲۰۰ تفویض و دعا ص۲۰۳
دعا کی جگہ وظائف ص۲۰۴ شانِ عبدیت ص۲۰۵
وصولِ بلا رضا کی عجیب مثال ص۲۰۶ یہ حیات دراصل موت ہے ص۲۰۸
پھر یہ حیات کیوں عطا ہوئی ص۲۰۹ اس حیات سے بیزاری غلبۂ حال ہے ص۲۱۰
ایک غلط فہمی ص۲۱۵ استخفافِ عمل کی غلطی ص۲۱۷
اصل مدعا عبدیت ہے ص۲۱۸ کمالِ عبدیت کمالِ تسلیم و رضا کو مستلزم ہے ص۲۱۹

Marfat.com

سلوک وتربیت ص۲۲۱ تا ص۲۵۶

مشرکانہ عمل وحرکت ص۲۲۲
تعلیم وتربیت ص۲۲۶
اعمال کے بغیر خدارسی ناممکن ہے ص۲۲۹
شیخ کامل کی پہچان ص۲۳۲
امراض روح کا تعدیہ ص۲۳۶
ماضی ومستقبل کی حسرت فکر ص۲۳۹
اختیاری وغیراختیاری کا گر ص۲۴۳
ریاضت سے رذائل کا استیصال نہیں ہوتا ص۲۵۱
بڑوں کی ایک بڑی غلطی ص۲۵۵
عمل سے مراد عمل صالح ص۲۲۷
حقوق عباد کی اہمیت ص۲۲۷
احکام باطن پر عمل فرض ہے ص۲۳۰
شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت ص۲۳۳
امراض روحانی کا شفاخانہ ص۲۳۷
تفاوت تربیت کے اعتبار سے چار طبقات ص۲۴۰
احضار قلب ص۲۴۵
عمل صالح کی تکمیل ہی تصوف ہے ص۲۲۵
نسبت باطنی ص۲۲۸
سالک کے دو کام ص۲۳۱
ولایت عامہ وخاصہ ص۲۳۵
کلیدی اصول ص۲۳۸
سالک مسنون ص۲۴۲
طریق سلوک کے دو خاص موانع ص۲۴۶
طبعی وعقلی کا فرق ص۲۵۲
اہل مقام کا غلبۂ حال ص۲۵۶

تربیۃ السالک ص۲۵۷ تا ص۳۲۱

وہبی علوم کی مثال ص۲۵۹
ایک تنبیہ ص۲۶۲
"تربیۃ السالک" کی مزید زیادہ پیر کو ضرورت ص۲۶۵
عجیب مثال ص۲۷۳
ضعف اختیار ص۲۷۶
طالب کی شیخ سے مناسبت کا نفع ص۲۸۲
عام تدابیر ص۲۸۵
امراض باطنہ کی طب، اسکی تدوین وتجدید ص۲۶۰
سب سے جامع وکامل تجدیدی خدمت ص۲۶۳
"تربیۃ السالک" کی مزید زیادہ پیر کو ضرورت ص۲۶۵
شیطان یورپین ہے ص۲۷۵
خشوع کی تحقیق ص۲۷۸
خالی کتابت کام نہیں چلتا ص۲۸۳
نماز میں کسی دوسری طاعت پر توجہ ص۲۸۵
حضرت کا خاص کمال ص۲۶۱
شیخ کی حیثیت معالج کی ص۲۶۴
ایمان کی سلامتی ص۲۶۶
آپ بیتی ص۲۷۰
شیطان کے مقابلہ میں عقل کی منطق نہیں چلتی ص۲۷۶
شیخ واصل کی طرف توجہ کا خاص طریقہ ص۲۸۱
نماز میں حضور قلب کی ایک تدبیر ص۲۸۳
ایک طاعت میں دوسری طاعت ص۲۸۶

زیادہ زور باطنی رذائل وفضائل پر۔ اکبر الرذائل ص۲۸۹
دیگر رذائل تکبر ہی کے انڈے بچے ہیں ص۲۹۱
فرعونیت ص۲۹۵
اس اکبر الرذائل کا ایک ہی علاج ص۲۹۸
قبول حق سے سب سے بڑا مانع تکبر ہے ص۲۹۰
تصوف تو گویا نام ہی ہے کبر یا خودی کو مٹانے کا ص۲۹۲
جمہوری فرعونیت ص۲۹۶
علو فی الارض کا لازمی نتیجہ فساد فی الارض ص۲۹۷
حضور کی شان تواضع ص۳۰۱
ظاہری تواضع بھی علاج کبر ہے ص۳۰۱

Marfat.com

عرفی تذلیل سے علاجِ کبر ص۳۰۲ یہ علاج صوفیہ کی ایجاد نہیں ص۳۰۳ لادینی جمہوریت و مساوات کے مدعیوں کا کبر ص۳۰۳ دینی مساوات و جمہوریت کا نقشہ گھر باہر ص۳۰۴ حقیقی عزت اسلام سے ہے ص۳۰۵ لادینی جمہوریت کی فرعونیت ص۳۰۶ خود نمائی کی بنیاد خدا فراموشی ص۳۰۶ تواضع کی افراط ص۳۰۸

حیاتِ طیبہ ص۳۲۴ تا ص۴۰۶

اصل راحت قلب کی راحت ہے ص۳۲۴ صوفیا کا اصل زور قلب ہی کی اصلاح پر ہے قلب کی بیماریاں ص۳۲۵ صحت قلب کی ٹھنڈک ص۳۲۶ بلند نظری کے ساتھ پست چیزوں سے بے پروائی ص۳۲۷ عافیت و اطمینان کے دشمن ص۳۲۸ مصیبت کا انجام راحت ص۳۳۰ صرف اسباب پر نظر ص۳۳۲ قلب کا پریشان نہ ہونا ص۳۳۴ انجام پر نظر ص۳۳۵ خوشی و غم کا تعلق مستقبل سے ص۳۳۶ دنیا کی راحت و مصیبت آخرت کے مقابلہ میں ص۳۳۷ دنیا کی راحت و عزت کی مثال ص۳۳۸ طلبِ حکومت ص۳۳۹ آخرت فراموشی ص۳۴۰ آخرت کی خوشی و غم ص۳۴۱ آخرت کی بڑی سے بڑی خوشی اختیاری ہے ص۳۴۲ آخرت کی سعی میں ناکامی نہیں ص۳۴۳ نامرادی میں بھی مزہ ص۳۴۵ بڑی بھاری غلطی ص۳۴۹ دنیا کو گھر بنانے کی حماقت ص۳۵۱ الدنیا سجن المومن کے معنی ص۳۵۲ آخرت کو گھر سمجھنے کا اثر ص۳۵۳ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے ص۳۵۵ چار قسم کے حالات۔ امور غیر اختیاریہ پر اجر کی وجہ ص۳۵۶ عجیب تجارت سرمایہ بھی خریدار کا ص۳۵۹ جاہل صوفیوں کی حقیقت کی حقیقت ص۳۶۰ ایک بدوی کی عجیب تعزیت ص۳۶۲ صوفیوں کی بڑی ہوشیاری ص۳۶۴ مصیبت کی تجارت کا نفع دنیا میں ص۳۶۵ تکوینی معاملات کی حقیقت بھی تجارت ہے ص۳۶۷ طبعی غم اجر کے علاوہ عبدیت کیلئے ضروری ہے ص۳۶۸ اسلام کے تمام عقائد میں غم دور کرنے کی خاصیت ص۳۶۹ مثلاً تقدیر ص۳۷۰ شریعت کے متبع کو حقیقی غم نہیں ہوتا ص۳۷۲ صورتِ مصیبت ص۳۷۴ ایک بڑے اشکال کا حل ص۳۷۵ دینی نقطۂ نظر سے غم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے ص۳۷۶ پریشانی کا اصل سبب ص۳۷۸ راحت اور سامانِ راحت ص۳۷۹ جتنا دین کامل اتنا ہی لطف زندگی حاصل ص۳۸۰ خود غمِ آخرت کا کیا علاج ص۳۸۱ انتہائی تسلی ص۳۸۵ محبت کی پڑیا ص۳۸۷ از محبت تلخہا شیریں شود ص۳۸۹ اہلِ محبت کی دنیا ہی الگ ہے ص۳۹۵ حاکم و حکیم کا مراقبہ ص۳۹۸ اس کا زمہ تفویض ص۳۹۹

Marfat.com

بعض اکابر تصوف کی بدنامی کی حقیقت

صـ۴۰۷ تا صـ۴۹۶

حضرت "شیخ اکبر" صـ۴۰۷ شیخ کا تبریہ خود شیخ کے کلام سے صـ۴۰۸ شیخ پر سب سے بڑا اعتراض صـ۴۱۱ شریعت کی تعظیم و تحفظ صـ۴۱۳ ایک بڑا مغالطہ صـ۴۱۵ شیخ کے فضل و کمال کی شہادتیں صـ۴۱۶ حضرت مجدد الف ثانی کی شہادت صـ۴۱۷ علوم کی تین قسمیں صـ۴۱۹ ایک اور احتمال صـ۴۲۰ حضرت کا مسلک احتیاط و اعتدال صـ۴۲۳ حضرت کا مسلک خاص حضرت شیخ کی نسبت صـ۴۲۴۔

حضرت "منصور" صـ۴۲۵ انکی مقبولیت کے گواہ صـ۴۲۶ شیخ اکبر کا قول صـ۴۲۷ مولانا رومؒ کی توجیہ انا الحق صـ۴۲۹ عارف الہ آبادی کا نکتہ صـ۴۳۱ قرب نوافل کی حدیث سے توجیہ۔ حق و خلق کی غیریت پر خود حضرت منصور کا قطعی قول صـ۴۳۴ فنائے عشق کا کمال صـ۴۳۵ مغلوبیت کمال نہیں صـ۴۳۴

خانوادۂ چشتیہ کی بدنامی

صـ۴۳۷ تا صـ۴۸۱

تصوف یا صوفیہ کی کتابوں یا کلام میں خلافِ شریعت اشکالات کا حل و ازالہ صـ۴۸۲ عارف شیرازیؒ صـ۴۸۶ مولانا رومؒ صـ۴۸۸ کلید مثنوی صـ۴۸۹ مسائل مثنوی صـ۴۹۰ ایک لفظ سے اشکال دور۔ قصۂ حضرت موسیٰؑ و حضرت خضرؑ سے غلط استدلال صـ۴۹۱ اتباع شیخ کا درجہ صـ۴۹۲ باطن پیر ہر جگہ ہے صـ۴۹۴

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقتِ تصوّف کا مکتشفِ اعظم

اور

فنِ حصولِ احسان و تقویٰ کا مجدّدِ کامل

پیشِ نظر اوراق میں ایک ایسی ہستی کا مرقع پیش کیا جا رہا ہے جو اپنے وقت میں مجموعۂ کمالات اور جامع انواعِ فضائل تھی۔ حافظ، قاری، مدرس، مفسر، محدّث، فقیہ، واعظ، صوفی، متکلم، مناظر، ناظم، ناثر، ادیب اور خانقاہ نشین شیخ یہ سب کچھ تھی، لیکن اس نے سب سے بڑھ کر اپنے تمام فضائل و کمالات کو فنِ تصوّف کی اصلاح و تکمیل میں صرف فرما دیا، اور ان علوم و فنون میں سے ہر ایک پر عالمانہ اطلاع اور محققانہ عبور کے باوجود ان میں سے کسی کو اپنا تنہا اور مخصوص شغل نہیں بنایا، بلکہ اپنے تمام علوم و فنون و کمالات کو صرف اسی ایک فنِ شریف کی خدمت میں لگا دیا، اس لئے یہ کہنا گو یا صحیح ہے کہ اُس کو تمام دوسرے علمی و عملی کمالات دیئے ہی اسلئے گئے تھے کہ اُس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس مپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالتِ غربت تھا، جس کی حقیقت پر تو بر تو پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آ گئی تھی، اور جو دُکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیا داری اور کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آ گیا تھا، اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے ایک نصاب کا سلفِ صالح نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل ہی فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی، اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا

Marfat.com

وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر، اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی، بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی، طریقت اور شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ایک سے ایک کو بڑھانے کی کوشش کی جا رہی تھی، عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند بتدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بخشا گیا تھا۔

صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور موروثی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجتباء اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا، خانقاہوں کا کام صرف اعراس و فاتحہ کا اہتمام اور سماع و رقص و قوالی کا انصرام رہ گیا تھا، مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی کر لیں، مٹھائی کھا لیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی ساز و زندہ کے ترانے پر ہو حق کر لیں، اور زیادہ بڑھیں تو وحدۃ الوجود کی آڑ پکڑ کر شوخی و بیباکی اور رندی کے اشعار و مضامین پڑھ لیں اور سر دھن لیں۔ چند سینہ بسینہ راز تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جا رہا تھا۔ تصحیح عقائد، تحسین عبادت، اتباع سنت، اصلاح اعمال اور ادائے حقوق عباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا۔ علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے ناآشنا تھے، اس لئے ان کے پند و نصائح کی حیثیت صوفیوں میں تقبیح ناشناس سے زیادہ نہ تھی، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں اس لئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا ناآشنا تھے وہ ان دکاندار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اسکے اصول و مسائل کو خلاف شریعت اور مخالف کتاب و سنت سمجھتے تھے۔

یہ نہیں کہا جاتا کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا، بے شبہ جا بجا صحیح و صالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے، کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری اور انکی تعلیم و تربیت کی برکت بھی عیاں تھی۔ لیکن یہ جو کچھ تھا خواص کے لئے تھا، اور محدود حلقوں میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین و ہدایت تو ہو رہی تھی، مگر تدوین فن، ترتیب اصول تحقیق مسائل، تالیف رسائل، اصل سلوک کے مضامین کو کتاب و سنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام کہیں نہیں ہو رہے تھے، ادھر خطب و مواعظ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی تھی، ادھر رد شبہات

Marfat.com

دفع شکوک، رفع اوہام کیلئے کوئی سلسلہ تھا، اور نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درسگاہ تھی جس میں راہ کی مشکلات کو علمی و فنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو، اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بچھی تھی جہاں شریعت و طریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں، جہاں تفسیر و فقہ و حدیث کے ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں، جو کتاب و سنت میں موجود ہیں، جہاں ایک طرف قال اللہ و قال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت و بندگی کے اسرار اور اتباعِ سنت کے رموز بھی سکھائے جاتے ہوں جہاں جس قلم سے احکامِ فقہی کے فتاوے نکل رہے ہوں، اُسی قلم سے سلوک و طریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے ہوں، جس منبر سے نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے فقہی مسائل و اشکال بیان کئے جا رہے ہوں اُسی منبر سے اُن کی رُوحانی حقیقت اور اُن کی قلبی ادا کاری کے طریق بتائے جا رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجدّدِ ملت (مرشدی و مولائی مولٰنا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا، اور وہ کام اُن سے لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کا تقاضا تھا کہ اُس کے مقتضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا کر رکھی ہیں دین کی حفاظت کیلئے ان کا بندوبست بھی کر دیا جائے، چنانچہ ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہوئیں، دوسری طرف احادیث نبویہ کے نئے مجموعے ترتیب پائے، تیسری طرف فقہ و فتاویٰ کا سرمایہ جمع ہوا، چوتھی طرف علم اسرار و حقائق کی تدوین ہوئی، پانچویں گوشہ میں تصوّف کے اصول جمع کئے گئے جو ابتک جمع نہیں ہوئے تھے، اُن میں اُن کے اُن احوال و کیفیات پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسیوں قسم کی گمراہیاں راہ پاتی ہیں، ایک اور سمت میں مولانا روم کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے جن کے سپرد صدیوں سے حقائق و دقائق کے خزانے ہیں، عوام کی طرف توجہ کی گئی تو زندگی کی رُوح کا سراغ لگایا گیا اُن کی شادی اور بیاہ کے مراسم کی اصلاح کی گئی، نیک و صالح بیبیوں کے لئے بہشتی زیور کا سامان کیا گیا، بچّوں کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کے آداب و اصول مرتب فرمائے، مدرسین کے قواعد و ضوابط کے نقشے بنائے، داد و ستد اور خرید و فروخت اور معاملات کے دینی اصول سمجھائے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی وسعت دکھائی گئی جس میں مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سما گئی، عوام مسلمان رہبروں کے لئے مواعظ کی سیکڑوں مشعلیں جا بجا روشن کی گئیں اور بیسیوں شہروں میں

Marfat.com

پھر پھر کر اُن کو غفلت کی نیند سے چونکایا گیا، علماء اور فقہاء اور محققین کیلئے نوادر و نوادر اور بدائع کے سلسلے قائم کئے گئے۔ مدت کی بند شدہ راہ جو ائمۂ مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کے لئے رجوع عن الخطاء کے اعلان کی تھی وہ ترجیح الراجح کے نام سے کھولی گئی اور اپنی ہر غلطی و خطاء کا علی رؤس الاشہاد اعلان کیا گیا، تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے۔ نو تعلیم مسلمانوں کے شکوک و شبہات کا جواب دیا گیا، باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے، اخلاق و اعمال اور حقوقِ عباد کی وہ اہمیت ظاہر کی گئی، اور ہزاروں مسلمانوں کو اُن کی وہ تعلیم دی گئی جن کو مسلمان عوام کیا خواص بھی بھلا بیٹھے تھے۔ اصول و ضوابط اور آداب کی وہ تربیت فرمائی گئی جو دین سے تقریباً صدیوں سے خارج کیا جا چکا تھا۔

اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم و تربیت کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا، جو اُن کے بعد بھی ان کاموں میں مصروف ہیں۔ اس حلقۂ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی، غرباء بھی، امراء بھی، بڑے بڑے عہدہ دار بھی، زمیندار بھی، تاجر اور سوداگر بھی، اور مفلس و قلاش بھی، اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جا سکتا ہے۔ مدارس پر غور کیجئے، دار العلوم دیوبند بھی، مظاہر العلوم سہارنپور بھی، دار العلوم ندوہ بھی، یہاں تک کہ پہلا علی گڈھ کالج اور موجودہ مسلم یونیورسٹی بھی، اور وہ سیکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں۔ جغرافی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لیکر بنگال، مدراس اور گجرات، بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ہیں، اُنکے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں۔ راقم کو ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا، مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہونچی ہوئی ہے، اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے بحمد اللہ ضرور منور ہے۔

اس تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ کی بدولت عقائدِ حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائلِ صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سننِ نبویؐ کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا، رسولؐ کی محبت سے سینے گرمائے،

Marfat.com

اور اللہ کی یاد سے دل روشن ہوئے۔ اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا، پھر سے شبلیؒ، جنیدؒ اور بسطامیؒ و جیلانیؒ اور سہروردیؒ و سرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔

رحمہم اللہ تعالےٰ

اور یہ وہ شانِ تجدید تھی، جو اس صدی میں مجددِ وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

Marfat.com

سلسلۂ تجدیدِ دین نمبر ۲

تجدید تصوّف و سلوک

جس میں

تصوّف کو نئی پرانی علمی و عملی تمام غلطیوں اور غلط فہمیوں سے پاک و صاف کرکے اس حقیقت کو آئینہ کر دیا گیا ہے کہ تصوّف نام ہے عین اسلام بلکہ کمالِ اسلام کا، اور بے صوفی بنے اسلام کی دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی، قومی و سیاسی برکات و ثمرات سے کما حقہا ہمکنار ہونا عملاً ناممکن ہے۔

از

احق العباد "عبدالباری" (سابق استاد فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی)

Marfat.com

Marfat.com



تصوّف کی حقیقت

بظاہر کتنی عجیب بات ہے کہ تصوف ایک طرف تو کمالِ دین یا درجۂ احسان ہے جو اسلام و ایمان کا بلند ترین مقام ہے، اور حضرات صوفیہ یا اولیاء اللہ کی نسبت تصور یہ ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب و اقربیت حضور و معیّت کا جو مقام حاصل ہوتا ہے، وہ خالی علوم ظاہری کے حاملین بڑے بڑے فقہاء و محدثین کو بھی نہیں ہوتا۔ ان کو اپنی زندگی کے سارے اعمال و افعال، حرکات و سکنات میں ایک ایسی نسبت میسّر ہوتی ہے کہ گویا وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ و حضوری میں ہیں اور کسی نہ کسی نہج کے مکالمہ و مناجات سے بھی مشرف ہیں، اس طرح صوفیہ سے بلند درجہ صرف انبیاء علیہم السّلام کا ہے۔ یہ اولیاء اللہ یا بزرگان دین کے بارے میں عوام ہی کا عقیدہ نہیں، بلکہ خواص و محققین کے ہاں بھی کسی نہ کسی صورت میں مسلم ہے۔

Marfat.com

لیکن دوسری طرف تصوّف کے متعلق اور تصوّف کی راہ سے جتنی غلطیاں، غلط فہمیاں، بلکہ طرح طرح کی گمراہیاں امت میں پھیلی ہیں، فرق اسلامیہ اور علوم اسلامیہ میں شاید ہی کسی فرقہ یا کسی علم وفن کی راہ سے یا اس کے متعلق پھیلی ہوں۔ بدعات وخرافات، اباحت والحاد، کفر وشرک تک کی کوئی شکل شکل ہی سے بچی ہوگی، جس کو کوئی نہ کوئی داخل تصوف بلکہ عین تصوف نہ جانتا ہو۔ اسی بنا پر بہت سے اکابر اسلام تصوف کے سرے سے منکر ہو گئے، یا اس کو سراپا ضلالت قرار دیدیا۔

بات یہ ہے کہ کسی شے کے کمال کا تعلق ہمیشہ اس کے ظاہر سے زیادہ باطن، کم سے زیادہ کیف، قشر سے زیادہ مغز یا جسم سے زیادہ جان اور صورت سے زیادہ معنی سے ہوتا ہے۔ ساتھ ہی جس شے میں جتنا زیادہ کیف وبطون ہوتا ہے اتنی ہی اس کی نسبت غلطیاں اور گمراہیاں زیادہ راہ پاجاتی ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ جس غلطی وگمراہی کو دین ہی نہیں کمال دین سمجھ لیا جائے، اس کی جڑ کتنی گہری ہوگی، اور اس کا استیصال کتنا دشوار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی راہ سے شرک والحاد تک کی جو گمراہیاں مسلمانوں میں جڑ پکڑ گئیں، اُن کو چونکہ عین دین یقین کیا جانے لگا، اس لئے اُن کا ازالہ آسان نہیں ہوتا۔

عوام اور بہت سے خواص سب کو کیسے کیسے مغالطے ہیں۔ کوئی کشف و کرامات اور تصرفات کو تصوف جانتا ہے، کوئی اشغال ومراقبات اور احوال وکیفیات کو تصوف یقین کرتا ہے، کوئی خاص خاص رسوم وعادات کو تصوف سمجھتا ہے، کسی کے نزدیک تصوف نام ہے ریاضیات ومجاہدات اور ترک تعلقات کا،

Marfat.com

کوئی فلسفی یا فلسفی مزاج تصوف سے مراد وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے نظریات لیتا ہے، اور کوئی اس کو اسرار و مغیبات کا مجموعہ قرار دیتا ہے حتیٰ کہ اہل مغرب نے اس کا نام ہی سرّیت (مسٹزم) رکھ دیا۔ خود مسلمانوں میں بھی بہتوں نے اس کو ایک سینہ بسینہ سرّ یا راز ہی بنا رکھا ہے، اور سب گمراہیوں سے بڑی گمراہی میں مبتلا وہ ہیں، جنھوں نے تصوف اور طریقت و حقیقت و معرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کر لیا ہے۔

اس طرح کی تمام گوناگون اغلاط کو ایک ایک کر کے دور فرمایا گیا ہے۔ لیکن یہ تجدید تصوّف کا صرف سلبی پہلو ہے۔ اصل تجدیدی کارنامہ اس باب میں طریقت کے اس ایجابی پہلو کو واضح فرمانا ہے کہ وہ شریعت ہی کا دوسرا رُخ بلکہ عین شریعت ہے۔ پھر اس رُخ کو صرف نظری صورت سے پیش نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ عملی طور سے اس کی تعلیم و تربیت کا غایت تحقیق و اجتہاد کی شان سے از سرِ نو احیا فرمایا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح "انسان کامل" کے دو رُخ ہیں، ظاہر و باطن یا قلب و قالب، اسی طرح "دین کامل" کے بھی دو رخ ہیں، شریعت و طریقت۔ اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہر یا قالب کے اعمال و احکام کا، اسی طرح طریقت یا تصوف نام ہے باطن یا قلب کے اعمال و احکام کا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ تصوف نام ہے باطن کی فقہ کا جس طرح نماز و روزہ وغیرہ کے ارکان و اعمال کی ایک ظاہری صورت ہے، جس کے احکام فقہ میں بیان ہوتے ہیں، اسی طرح خشوع و خضوع، حضورِ قلب

Marfat.com

یا دل سے حق تعالیٰ کی یاد و ذکر (اقم الصلوۃ لذکری) قلب و باطن کے اعمال ہیں۔ جس طرح ترک اکل و شرب روزہ کا ظاہر ہے، اسی طرح اس کا باطن تقوی (لعلکم تتقون) ہے۔ پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں، اسی طرح ان سب کی صحت و سقم، قبول و عدم قبول کا مدار قلبی نیتون (الاعمال بالنیات) اور درجات اخلاص پر ہے۔ سب سے بڑھ کر ایمان اور عقائد جن پر نجات اور ظاہر و جوارح کے سارے اعمال کی صحت و قبولیت کا مدار ہے، اور جن کے بغیر نہ نماز نماز ہے نہ روزہ روزہ، وہ بالکلیہ یقین و اذعان کے قلبی و باطنی فعل ہی کا نام ہین۔

سارے عقائد و ایمانیات کی جڑ، توحید الٰہ یا "لا الہ الا اللہ" ہے، یعنی الوہیت و معبودیت یا نفع و ضر یعنی فعل و اثر کی ساری مخلوقات یا غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا اثبات، ظاہر ہے کہ الٰہ و معبود وہی ہوتا یا بنایا جاتا ہے، پوجا اور پرستش اسی کی ہوتی اور کیجاتی ہے، جس کے ہاتھ میں ہم اپنا نفع و ضر[1] دیکھتے اور یقین کرتے ہیں۔ غرض لا الہ الا اللہ پر ایمان و یقین کے معنی ہی یہ ہین، کہ ہم کو موت و زندگی، بیماری و تندرستی، ناداری و تونگری، ذلت و عزت وغیرہ کی ظاہری

---

[1] کما قال اللہ تعالیٰ افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئا ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ کیا اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزون کی پوجا کرتے ہو جو نہ ذرہ برابر تم کو نفع پہونچا سکین نہ ذرہ برابر نقصان۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو ۱۲

Marfat.com

راہون اور اسباب سے جو جو کچھ بھی نفع و ضرر پہونچتا ہے، سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو جاننا اور ماننا، اور کسی فعل و اثر کا خالق غیر اللہ کو نہ سمجھنا ہمارا مسلمہ عقیدہ ہے۔ یہ جاننا اور ماننا قلب و باطن کے فعل کے سوا کیا ہے، لیکن علوم و احکام ظاہر کے عالم و عامل کتنے ہیں جو نفع و ضرر یا فعل و اثر کا دن رات غیر اللہ کی طرف سے یقین و مشاہدہ نہیں کرتے رہتے، کیا اس یقین و مشاہدہ کی تغلیط اور اس کو مضمحل و فنا کر کے ہر فعل و اثر میں اللہ تعالیٰ ہی کو بالذات فاعل و مؤثر مشاہدہ کرنے لگنا، جس کو حدیث میں عبادت و بندگی کے مقام احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور جس کو اصطلاح صوفیہ میں توحید افعالی سے موسوم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے تعلق کو اس طرح قائم کرنا کہ ساری زندگی اور اس کے سارے افعال و اعمال میں اسی کے مشاہدہ و رویت و حضور و معیت کا علم و اذعان حاصل ہو، کیا یہ عین دین اور کمال دین کے سوا کچھ اور ہے؟ بلکہ کیا یہ قلبی و باطنی علم و اذعان یقین و ایمان سارے ظاہری عبادات و معاملات کی روح و جان نہیں، اور کیا اس روح و جان یا ایمان و عقیدہ کی صحت و حفاظت سارے اعمال و افعال جوارح سے بڑھ کر فرض و واجب نہیں؟

تصوف نام ہے فقہ باطن کا غرض تصوف یا علم باطن کی حقیقت جس کو خدا جانے لوگوں نے کیا کیا، دور از کار خیال و مضمل ملعنی پنہار رکھے ہیں، صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر جسم یا جوارح کے اعمال و احکام اور امر و نواہی اور انکے صلاح و فساد کی فقہ کے بجائے نام ہے قلب و باطن کے امر و نواہی اور اس کی صلاح و فسا

Marfat.com

کی فقہ کا، جس کے احکام کتاب وسنت دونوں میں اسی طرح منصوص ہیں جس طرح فقہ ظاہر کے، اور جس کی اہمیت واقدمیت قرآن وحدیث ہی کے اشارات وتصریحات سے ثابت ہے، کما قال اللہ تعالیٰ یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم[1] اور حدیث میں اسی کی شرح وتفسیر یوں فرمائی گئی ہے کہ خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ سنورا اور بنا تو سارا بدن بن سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑا تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے، اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب[2] ہے، یعنی ظاہر جسم کے اعمال وافعال کا بناؤ بگاڑ تمامتر اسی باطن قلب کے بناؤ بگاڑ پر موقوف ہے، اور تصوف یا فقہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بناؤ سنوار اسی کی سلامتی وصحت کی حفاظت، اور اسی کے بگاڑ یا فساد وبیماری کا علاج ہے۔

تصوّف وطریقت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کا دین وشریعت کے منافی ومغائر ہونا تو الگ رہا، بغیر صوفی ہوئے مسلمان مسلمان ہی کب ہو سکتا ہے۔ باقی اگر کسی خشک دماغ کو صوفی وتصوّف کے نام واصطلاح یا اس کے علیحدہ ومستقل علم وفن ہونے سے بھوک ہے، تو پھر اس کو تفسیر ومفسّر، تجوید ومجوّد، حدیث ومحدّث، فقہ وفقیہ، کلام ومتکلم، وغیرہ سب ہی جداگانہ دینی علوم وفنون، اور ان کے عرفی واصطلاحی ناموں سے بھڑکنا چاہیئے اور

---

[1] جس دن مال اور اولاد کام نہ آویں گے مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا ۱۲

[2] الاوان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب ۱۲

Marfat.com

اور اگر یہ نام قرآن وحدیث کے الفاظ و اشارات سے ماخوذ ہیں تو راقم الحروف کے نزدیک صوفی کی اصل بھی صوف پوش کے بجائے اصحاب صفہ کیوں نہ ہو، اس پر بھی اگر نام ہی سے چڑ ہے، تو علم تصوف کے بجائے اس کا نام علم احسان یا علم قرب رکھ لو، جیسا کہ خود بہت سے اکابر صوفیہ نے رکھا بھی ہے۔

تصوف کی حقیقت کی یہ تجدید یا اس کی از سر نو تعلیم وتفہیم جیسی کچھ ضرورت تھی، اس کے دیکھتے حضرت مجدد نے مستقل و غیر مستقل رسائل و تصنیفات مواعظ و ملفوظات میں بہ کثرت و جابجا اجمال وتفصیل کے ساتھ مختلف عنوانات و تعبیرات سے سمجھایا اور واضح فرمایا ہے۔ حقیقت تصوف کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی تمہید میں ارشاد ہے۔

"شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے، وہ دو قسم کے ہیں، بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے، جیسے کلمہ پڑھنا، نماز روزہ حج زکوٰۃ، ماں باپ کی خدمت، ان کو مامورات کہتے ہیں، اور کلمات کفر کہنا، شرک کے افعال کرنا، زنا چوری، سود خواری، رشوت وغیرہ، ان کو مناہی کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں، جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان وتصدیق، وعقائد حقہ، صبر وشکر، توکل، رضا، بقضا تفویض واخلاص محبت خدا و رسول وغیرہ، ان کو مامورات وفضائل کہتے ہیں، اور عقائد باطلہ، بے صبری، ناشکری ریا وتکبر، عجب وغیرہ یہ مناہی ورذائل ہیں، جن سے شریعت نے منع

Marfat.com

کیا ہے۔

"جس طرح قرآن شریف میں اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ موجود ہے، اسی طرح یا ایھا الذین اٰمنوا اصبروا (ایمان دار صبر کرو) اور واشکروا للہ (اللہ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے، اگر ایک مقام پر کتب علیکم الصیام اور للہ علی الناس حج البیت پاؤ گے تو دوسرے مقام میں یحبھم ویحبونہ اور والذین اٰمنوا اشد حبًا للہ بھی دیکھو گے، جہاں اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالیٰ ہے، اس کے ساتھ ہی یراؤن الناس بھی موجود ہے، اگر ایک مقام میں تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے، تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی بھی برائی موجود ہے، اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح اُن میں ابواب نماز، روزہ، بیع و شرا، نکاح و طلاق پاؤ گے، ابواب ریا و سمعہ، کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔

"اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمالِ باطنہ بھی حکم الٰہی ہیں، کیا اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ امر کا صیغہ ہے، اور اصبروا واشکروا امر کا صیغہ نہیں کیا کتب علیکم الصیام سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہے، اور والذین اٰمنوا اشد حبا للہ سے محبت کا مامور بہ ہونا ثابت نہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لیئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود

Marfat.com

و موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا	بے شک جس نے نفس کو صاف کیا
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔	کامیاب رہا، اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ	جس دن مال و اولاد کام نہ
وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔	آئیں گے مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیہ باطن کو موجب فلاح، اور دوسری میں سلامتی قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع بتلایا گیا۔

"ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے، قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لیئے ہیں، پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے، دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کے لشکر یا غلام ہیں، اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت، فسد الجسد کله الا وهی القلب کے معنی یہی ہیں کہ بدن کے اندر جو قلب ہے، اگر یہ بنا تو سب بنا، یہ بگڑا تو سب بگڑا، اور یہ امور رات دن آنکھوں کے سامنے ہیں، کہ جس چیز کا دھیان دل میں سما جاتا ہے، سارے اعضاء اس کی دھن میں لگ جاتے

Marfat.com

ہیں، آنکھ اُس کو دیکھنے، کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے، اور پاؤن اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے، خواہ وہ شے بُری ہو یا بھلی، مگر دل کا خیال ان اعضا، کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے

دنیا داروں کو دیکھو کہ کس طرح دنیا کے کاموں میں سر سے پاؤں تک مشغول رہتے ہیں، کہ ان کے کان میں اذان کی آواز تک نہیں آتی، ایسا ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھن میں ہیں، ہر طرف سے اُن کو اللہ ہی کا خیال آتا ہے ؎

بس کہ در جان فگار و چشم بیمارم توئی ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

ایک بڑا مغالطہ بڑے بڑے لوگوں کو یہ ہے کہ قلب و باطن کی جس صفائی و تزکیہ پر تصوّف میں اس قدر زور ہے کہ گویا سارا تصوف یہی ہے، وہ چونکہ غیر مسلم اشراقیہ اور خصوصاً خود ہمارے ہندوستان کے جوگیوں میں بکثرت اور بڑے بڑے خوارق کے ساتھ پایا جاتا ہے، اس لیئے ان کو بھی بہتوں نے صوفی ہی سمجھ رکھا ہے اور "الصُّوفی لَا مَذْهَبَ لَه" کا مشرب و مقام کسی خاص شریعت و مذہب سے اتنا وسیع اور بلند قرار دے دیا جاتا ہے کہ کفر و اسلام کی قید سے بھی آزاد ہو جاتا ہے، اس لیئے متنبہ فرمایا کہ

"تزکیہ و صفائی باطن اور تصوّف کا اطلاق اس صفائی پر کیا جاتا ہے، جو شریعت کے احکام کی پابندی سے حاصل ہو، کیونکہ تزکیہ سے مراد وہ تزکیہ ہے، جو موجب فلاح ہے، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا، اور ظاہر ہے کہ فلاح منحصر ہے اتباع شریعت پر، پس ہندو جوگی وغیرہ

Marfat.com

جو ریاضت کرتے ہیں، وہ سرے سے صفائی ہی نہیں، یا لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو صفائی کہو تو ساتھ ہی غیر مقبول کہنا ہوگا، اس صورت میں صفائی کی دو قسمیں ہوں گی، ایک مقبول دوسری مردود[1]۔"

اس کی مثال کیسی عجیب دی ہے کہ

"آئینہ پر اگر گرد و غبار بیٹھا ہو تو ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو پانی سے دھو کر صاف کر دیا جائے دوسرا یہ کہ پیشاب سے دھو کر گرد و غبار دور کیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ بادشاہی دربار میں جس طرح پہلے آئینہ کو پیش کرنے سے انعام و خوشنودی کا استحقاق ہوگا، دوسرے کے پیش کرنے سے عتاب و خفگی ہوگی۔

"اسی طرح خلاف شریعت سے عقبیٰ میں کچھ فائدہ نصیب نہیں ہو سکتا اور اصطلاح و عرف میں تصوف اس علم کا نام ہے، جس پر عمل کرنے سے باطن کی وہ صفائی نصیب ہوتی ہے جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحبِ مدارج و مقام ہوتا ہے۔"

عشق و محبت جو تصوف کی جان ہے اور جس سے تصوف کا سارا دفتر بھرا پڑا ہے، اور جو قلب و باطن ہی ایک اعلیٰ صفت و کمال ہے، اس کی راہ بھی خود نفس کتاب کی رو سے تمام تر اتباع سنت و شریعت ہے۔

"محبت خدا و رسول جو منجملہ صفات حمیدہ قلبیہ اور اعلیٰ درجہ کی

---

[1] خاکسار نے حضرت کے اسی قسم کے ملفوظات کی تعبیر اس شعر میں کی ہے ؎

شعلے اٹھیں ہزار، تجلی مگر کہاں — یہ آگ ہے ضرور مگر طور کی نہیں "س"

Marfat.com

چیز ہے، اس کا تعلق بھی اتباع شریعت ہی سے ہے، بدون اتباع شریعت محبت کہان، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، دیکھو اس آیت میں اتباع رسول ہی کو ذریعہ محبت بتایا گیا ہے"۔

الصوفی لامذھب لہ کا مقام بعض جاہل اورنام کے صوفیہ کے ہان نام نہاد تزکیۂ قلب کے بعد اتنا اونچا ہو جاتا ہے، کہ نماز روزہ تک نیچے پڑ جاتا ہے، بلکہ سرے سے سارے احکام شریعت ہی مرتفع ہو جاتے ہین، حالانکہ اسلام اور تصوفِ اسلام میں وہی صفاتِ قلب معتبر و مقبول ہیں، جو نماز روزہ وغیرہ کے مشروع و مامور عبادات و احکام سے نصیب ہوتے ہیں، مثلاً

"قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون۔

میں خشوع جو صفت قلب ہے اُس کو اسی صورت میں وسیلۂ نجات و فلاح فرمایا گیا ہے، جو نماز کے اندر پایا جائے، پس اگر سرے سے نماز ہی نہ پڑھی جائے تو یہ نماز والا خشوع کس طرح میسر ہو سکتا ہے، اور فلاح کا اثر کس طرح مرتب ہو سکتا ہے، ایسے ہی زکوٰۃ و صدقہ تسبیح و روزہ وغیرہ اعمالِ صالحہ سے جو اثر قلب پر پڑتا ہے، اور اس سے جو صفائی میسر ہوتی ہے، وہی مفید آخرت ہے۔

"خلاصہ یہ کہ جب تک انسان احکام شرع کی پابندی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرے گا، جنت و رضائے مولیٰ کہ مقصود اصلی ہے، میسر نہین آسکتا، تو بلا پابندی شرع کے

Marfat.com

تصوف کہاں! جس طرح کرامت کی تعریف میں خرق عادت کے ساتھ یہ قید ہے کہ عبد صالح متبع شریعت سے صادر ہو، اسی طرح تصوف میں صفائی و تزکیۂ باطن کے ساتھ یہ قید ہے کہ اتباعِ شریعت سے حاصل ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم باتفاق امت سارے اولیا سے افضل ہیں، مگر اُن کا طریقہ بھی پابندی شریعت، نماز روزہ حج زکوٰۃ، جہاد، تلاوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ تھا، اسی سے ان کے قلوب ایسے متجلّی و محلّی تھے کہ اُن کے لیے خطاب رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کیا گیا .... بہرکیف تصوّف نام ہے صفائی باطن مع پابندی شرع کا"

فلسفہ کے ایک ولایتی ڈاکٹر اور پروفیسر ہمارے دوست جو بڑے "تصوف دوست" بھی ہیں، مگر ساتھ ہی تصوّف کا وہی تصور رکھتے ہیں جو شریعت کا متبع و پابند بنانے کے بجائے سرے سے ہر مذہب کی قید و بند سے آزاد کر دیتا ہے، ان کو ایک دفعہ راقم نے حضرت کے ملفوظات پڑھنے کو دیئے۔ ہیں بڑے ذہین کہنے لگے "بھائی ملائیت و صوفیت کو خوب ہی ملایا ہے"۔ اصطلاح میں کیا جھگڑا اپنی اپنی جگہ تصوف و صوفی کو جس معنی و مراد کے لیے چاہے، اصطلاح بنالے، البتہ اس کو تصوف اسلام کہنا اور سمجھنا بڑی جسارت و جہالت ہے، تصوف اسلام تو بہرحال تمام اکابر و محققین صوفیائے کرام کے نزدیک وہی ہے جو شریعت کے ساتھ جمع ہی نہیں، بلکہ عین شریعت ہے۔

تصوّف کا عرف و اصطلاح اب رہ گیا اس زمانہ کا عرف، اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم تفسیر، علم حدیث

Marfat.com

علم فقہ و اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیز نہ تھے پچھلے علما نے دین کی تائید و تبلیغ کے لیئے ایک ایک علم الگ کر کے اس کے قواعد مقرر کیئے اسی طرح علم تصوف کو بھی مشائخ کرام نے قرآن و حدیث سے نکالکر باطن کی صفائی کے بعض اذکار و اشغال و مراقبات خاص طریقہ سے بتلائے ہیں، کہ ان پر عمل کر کے انسان کو تزکیۂ باطن جلد نصیب ہو جاتا ہے۔

"جس طرح پچھلے زمانہ میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا نام جداگانہ تجویز ہوا، اور اُن کے واضعین کو سب نے امام مانا حتیٰ کہ امام شافعی ایسے لوگوں کو امام ابو حنیفہ اور اُن کی فقہ فی الدین کو دیکھ کر الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفہ کہنا پڑا، امام بخاری حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کی محدثیت کا ڈنکا پٹ رہا ہے، اسی طرح تزکیۂ باطن کے بتلانے والے ایسے بزرگان دین گذرے ہیں، کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے، جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور خواجہ بہاؤالدین و خواجہ معین الدین چشتی و شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ تعالےٰ اور اُن کے قبل جنید بغدادی حضرت شبلی وغیرہ اور جس طرح اور علوم میں پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقۂ بزرگان چارہ نہیں، گو ادنیٰ درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے، بدون اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے،

Marfat.com

مگر وہ امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے، اس کا حصول بدون صحبت کاملین متبعین مشائخ کے ممکن نہیں۔

"اور جس طرح دیگر علوم مستخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہوگیا جیسے علم فقہ و علم حدیث، اسی طرح مشائخ کے اس خاص مستخرجہ طریقہ کا نام تصوف ہوگیا، اگر کوئی شرح وقایہ و ہدایہ پڑھتا ہے، تو کہا جاتا ہے، کہ فقہ پڑھتا ہے، اور اگر تفسیر یا حدیث پڑھتا ہو تو یوں نہیں کہتے کہ فقہ پڑھتا ہے، حالانکہ فقہ بالمعنی الاعم یعنی معرفۃ النفس مالہا و ماعلیہا میں بہت سے علوم حدیث و تفسیر حتی کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں، اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے، یا صوفی ہے، اور نماز روزہ کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے، حالانکہ تصوف تزکیۂ باطن بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے۔

"اور یہاں اصطلاحی تصوف کی حقیقت بیان کرنا منظور ہے، جو نام ہے باطن کو رذائل سے خالی کرنے اور فضائل سے آراستہ کرنے کا جس میں توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے، عام اس سے کہ وہ کسی عمل شرعی سے ہو"

ماحصل یہ کہ پورا دین نام ہے فلاح آخرت اور رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کا اور جیسا کہ الظاہر والباطن کی مخلوق و مظہر ساری کائنات کا ہر ہر ذرہ ظاہر و باطن دونوں کا مظہر ہے، اور انسان اسی کا مظہر اتم

Marfat.com

اسی طرح اس کو اپنے کمال مقصد تک پہونچنے کے لیے جو صراط مستقیم دکھلائی گئی ہے، اس کے بھی دو رخ ہیں، ظاہر اور باطن یا قلب و قالب۔ ظاہری علوم دین کا تعلق ظاہری اعمال و احکام یا ظاہر کی درستی و آراستگی سے ہے، اور علم باطن یا تصوف کا تعلق باطن کی درستی و آراستگی سے ہے، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا کمال و حقیقت کا تعلق کم کے مقابلہ میں کیف یا ظاہر کے مقابلہ میں باطن سے زیادہ ہوتا ہے، اس لیئے دین میں بھی کمال رسمی اور حقیقت یابی بلا تصوف یا صوفی بنے بغیر ممکن نہیں، خواہ اس دعوی سے اہل قشر کتنا ہی ناخوش ہوں لیکن مغز مغز ہی ہے، البتہ بے مغز مدعیان تصوف بھی آگاہ رہیں کہ مغز قشر کے اندر ہی ملتا ہے، اور قشر یا ظاہر ہی مغز یا باطن کا محافظ ہوتا ہے۔

تجدید تصوّف کا اصل کارنامہ حضرت جامع المجددین رحمہ اللہ کی تصوف میں تجدید و اصلاح کا اصل کارنامہ ظاہر و باطن یا شریعت و طریقت کی علمی و تعلیمی جامعیت ہے، یا وہی "ملائیت و صوفیت" کو ملا کر فقیر و فقہ کر دینا، اور جس طرح تجدید کے ہر باب میں حضرت نے محض علم و اصول کی رہنمائی پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ اپنی حد و استطاعت تک اس کو عمل میں لا کر دکھا دیا، اسی طرح شریعت و طریقت کی تعلیم و تدریس تالیف و تصنیف کے حدیوں سے الگ الگ علماء و مشائخ نے جو دو کیمپ قائم فرما دیئے تھے، ان کو خود اپنی ساری عملی زندگی اور ساری تقریری و تحریری خدمات میں از سر نو جسم و جان کی طرح ایسا ہم وجود بنا دیا کہ دونوں میں امتیاز و جدائی داستان ماضی بن کر رہ گئی،

Marfat.com

مواعظ و ملفوظات تالیفات و تصنیفات سب مین دونون رنگ سموکر بالکل یک جان و ہم رنگ ہو گئے ہیں، بہشتی زیور سے لیکر حیات المسلمین اور سب سے آخری تالیفی مجموعہ نوادر النوادر سب اسی مجمع البحرین کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔

بہشتی زیور جو راقم الحروف کے نزدیک حضرت کی تجدید کا باعتبار تعمیم بنیادی پتھر ہے، اس میں صوم و صلوٰۃ، نکاح و طلاق، بیع و شرا کے فقہی یا ظاہری احکام کے پہلو بہ پہلو باطنی اخلاق، قلب کی صفائی، باطن کی درستی بلکہ پیری و مریدی تک کے مضامین کا پورا ایک حصہ (ساتوان) اس تمہید کے ساتھ شریک ہے کہ "اس حصے مین زیادہ مضامین اصلاح قلب کے متعلق ہین جس کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں، اور یہ سب شرع کے اوحکمون کی طرح ضروری ہیں، جن سے بے پروائی نہ برتنا چاہیئے"۔

دوسری کتاب حضرت کے اس تجدیدی سلسلہ کی تعلیم الدین ہے۔ اس مین تو عقائد عبادات، معاملات و معاشرات کی دینی تعلیمات کے ساتھ نصف سے زائد حصہ میں سلوک و ولایت، مجاہدہ و ریاضت، بیعت، اذکار و اشغال حقائق و معارف اور تصوف کے سارے فرعی مسائل و اصطلاحات وغیرہ پورے تصوف کا نچوڑ موجود ہے، ظاہر و باطن شریعت و طریقت کے جمع جامعیت کے اس تجدیدی اہتمام کی انتہا یہ ہے، کہ جمعہ کے لیئے سال بھر کے خطبات کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا گیا ہے، اس میں اصلاح باطن فقر و زہد "مراقبہ و محاسبہ" شوق و انس" وغیرہ صوفیانہ مضامین پر مستقل خطبات موجود ہیں۔

Marfat.com

تجدید تعلیم[1] و تبلیغ کے حصہ میں دینی و عربی مدارس کی تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں جن اصلاحات و تجدیدات کا ذکر آیا ہے اُن مین بھی مدارس کو اس اصلاح کی طرف بتاکید متوجہ فرمایا گیا ہے کہ نصاب درسیات میں باقاعدہ اخلاق و تصوف کی تدریس کو بھی شریک کیا جائے۔ خود تلخیصات عشر کے نام سے سہ سالہ مختصر نصاب جو مرتب فرمایا ہے، اس میں دیگر علوم درسیہ کے ساتھ اخلاق و تصوف کے مضامین کا ملخص بھی جزو لاینفک ہے۔ تفسیر بیان القرآن پر صوفیانہ تفسیری اعتبارات کا پورا حاشیہ چڑھایا گیا ہے۔

باقی مواعظ و ملفوظات مین تو متن و حاشیہ تصنیفی ابواب و فصول کا فصل و امتیاز بھی ظاہر و باطن شریعت و طریقت کے علوم و تعلیمات مین حاجب نہین۔ کوئی عام و خاص خلوت و جلوت کی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس مین شریعت و طریقت ظاہر و باطن کے اس سنگم کے دونون پانی ایک ساتھ نہ بہتے ہون، یہی حال مواعظ کا ہے، کہ ہر وعظ بوقت واحد شریعت کے مسائل اور حقیقت کے معارف کا گنجینہ ہے۔ عجیب لطف توافق کی بات ہے، کہ جس طرح حضرت کی خانقاہ مسجد و مدرسہ سب ہم صحن اور ایک ہی گھر کے دیوار و در معلوم ہوتے ہین، اسی طرح حضرت کی تجدید و اصلاح نے خانقاہ کے باطنی معارف و حقائق اور مسجد و مدرسہ کے ظاہری احکام و مسائل کو ایک ہی گھر کے در و دیوار بنا کر اُنکی دوئی کو بالکل دور فرما دیا تھا۔ ایک وعظ مین تصوف کی مشہور حدیث احسان عبادت

---

[1] یہ حصہ حضرت علیہ الرحمۃ کی تعلیمی و تبلیغی تجدیدات پر مستقل کتاب کی صورت مین انشاء اللہ الگ شایع ہوگا۔ معارف و الفرقان مین بصورت مضامین شایع بھی ہو چکا ہے ۱۲

Marfat.com

یعنی عبادت وبندگی کو سنوارنے یا اچھا کرنے کے سلسلہ میں اس دوئی کا حجاب اس طرح دور فرماتے ہیں، کہ

''اس حدیث میں عبادت کو اچھا کرنے کی حقیقت بتائی ہے، اور ظاہر ہے کسی چیز کے اچھا ہونے کے کیا معنی ہوا کرتے ہیں کہ اس میں کوئی نقصان و کسر نہ رہے جیسی چاہیئے ویسی ہو، مثلاً اچھی روٹی وہ ہوگی جس کا مادہ بھی اچھا ہو صورت بھی اچھی ہو ثمرہ بھی اچھا ہو، اسی طرح عبادت کے اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس مین کسی چیز کی کسر نہ رہے، لوگ عموماً غلطی کرتے ہیں، اور صرف صورت ونقل عبادت ہی کو عبادت سمجھتے ہین، مثلاً نماز مین قیام رکوع سجدہ قعدہ قومہ وغیرہ جو فقہا نے ضبط کر دیا ہے۔ اس میں شک نہین کہ جو کچھ انھون نے لکھا ہے ٹھیک ہے، اور جو فقہ کا موضوع تھا، اس کے موافق لکھا ہے، لیکن یہ تو کہین نہین لکھا کہ عبادت سے متعلق تمام امور اسی مین منحصر ہین۔

شریعت مین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی شرع کے معنی کا بھی اعتبار ہے، اسی معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہین، تصوف کو علیحدہ کتابون مین لکھنے سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہوجائے، یہ علیحدگی ایسی ہی ہے، جیسے مشہور فقہ مین کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہین، اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے، اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج

Marfat.com

ہو جائین گی؟ اسی طرح توحید و اخلاص یا کبر و تواضع عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے احکام بھی فقہ مین داخل ہین[1]۔

اور صوری فقہ کو جانے دیجئے کیا خود قرآن و حدیث مین صوری فقہ کے احکام کے ساتھ ساتھ اور اس سے بھی بڑھ کر تاکید معنوی فقہ کے اوامر و نواہی کی قدم قدم پر نہین ملتی، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ "علم براے علم" خود اتنا مقصود بن گیا ہے کہ علمائے دین و مدارس دین مین بھی سارا زور معلومات اور کتابون ہی پر ہے۔ امتحان ہے تو اُن کا انعام ہے، تو اُن پر سند ہے، تو اُن کی تحقیقات ہے تو اُن کی اور اب تو ماشاء اللہ رسرچ اور ڈاکٹری کا میدان بھی علوم دین اور علماے دین کے لئے کھل کر دنیا طلبی کا دروازہ اور وسیع ہو گیا ہے! اس کے بعد عمل کا کیا ذکر، پھر جب صورت ہی کی پرواہ نہین تو معنی کی کیا ہو۔ ارشاد ہے کہ

"لوگون کو علم کی تو فکر ہے لیکن عمل کی نہین، بڑا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ ساری کتابین پوری کر لین، ہدایہ بھی قدوری بھی، شمس بازغہ بھی لیکن عمل کی ذرا پرواہ نہین، حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہین، شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے، بڑے بڑون کو بہکاتا ہے، "تفسیر مین وہ ماہر، حدیث سے وہ واقف، فقہ مین وہ کامل، اور اگر یہ سب علما سے زیادہ نہ جانتا ہو تو اُن کو بہکا کیسے سکتا ہے، شیطان مین اگر کمی ہے تو صرف اس بات کی اپنے علم پر عمل نہین کرتا حدیث شریف

---

[1] مواعظ اشرفیہ ص۸ ملخصاً ۱۲

129599

Marfat.com

مین ہے کہ ایسا علم جو عمل کے لیئے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے[1]۔

غرض ایک تو عمل ہی سرے سے مفقود ہے، اور جو کچھ ہے بھی وہ صورت بے معنی یا جسد بے روح، یعنی عمل کو بجائے اچھی طرح اور سنوار کر کرنے کے بیگار کی طرح بگاڑ کر کیا جاتا ہے۔

"مثلاً بظاہر اُٹھ بیٹھ لیئے، اور نماز ادا ہو گئی، خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہین کرتے، کہ سوائے ظاہری قیام اور قعود کے اور بھی کچھ ہے، اور وہ ضروری بھی ہے، حالانکہ قرآن مین جہان قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوٰتھم ہے، اسی کے ساتھ ہی خاشعون بھی لگا ہے، جب صلوٰتھم سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ خَاشِعُوْنَ" سے خشوع کو مطلوب نہین سمجھتے، حالانکہ دونون حکم ضروری ہیں اور یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے اس سے احسان حاصل ہوتا ہے، احسان کے متعلق تین چیزین ہین، اوّل اس کا ضروری ہونا، دوسرے اس کی حقیقت، تیسرے اس کے حاصل کرنے کا طریقہ۔

اوپر اجمالاً معلوم ہو چکا کہ احسان حاصل تو خشوع سے ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا قد افلح المومنون الخ سے معلوم ہو چکا اب اس کا ضروری ہونا سنیئے ارشاد ہے۔ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا

---

[1] مواعظ اشرفیہ ص۸ ملخصاً۔ ۱۲

Marfat.com

کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم[1]، یہان ذکراللہ مین خشوع کی ضرورت کا بیان ہے، اور ذکراللہ مین ساری عبادتین آگئین، دیکھو اس خشوع کے نہ ہونے پر کیسی وعید ہے، یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دے کر ذکر کیا ہے، کہ ایسے نہ بنو، جس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بری چیز ہے، جس کے باعث آدمی کافرون سے مشابہ ہوجاتا ہے، اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے، کہ فقست قلوبھم یہ قساوت قلبی ایسی بُری چیز ہے، کہ قرآن شریف میں ہے کہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلال مبین - یعنی تباہی و ہلاکت ہے اُن لوگون کے لیئے، جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہین، وہ لوگ کھلی کھلی گمراہی مین ہین - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ قلب قاسی خدا سے بہت دور ہے[2]۔

طرح طرح سے اس تفہیم و تفصیل کا مدعا فقط یہ ہے کہ جس طرح فقہاے ظاہر نے قرآن و حدیث ہی کے ظاہر و قالب کے شرعی احکام و اعمال ضبط و مرتب فرمائے ہین، اسی طرح فقہاے باطن یا صوفیا نے قلب و باطن کے

---

[1] کیا ایمان والون کیلئے وقت نہین آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور جو حق نازل ہوا ہے، اس کے سامنے جھک جائین اور ان لوگون کی طرح نہ ہو جائین جن کو پہلے کتاب ملی تھی پھر جن پر دراز زمانہ گذر گیا پس ان کے دل سخت ہوگئے اور بہت سے ان مین نافرمان ہوگئے۔ ۱۲

[2] مواعظ اشرفیہ صفحہ ملخصًا ۱۲

Marfat.com

احکام و اعمال مدوّن فرما دیئے ہین، دونون شریعت ہی کے دو رخ اور عین شریعت ہین۔ اس لیئے تصوف یا فقر معنوی سے نابلد رہنا یا بھڑکنا جہل و محرومی ہی نہین، بلکہ اس کے بغیر دین کی حقیقت و معنویت یا دین کا کمال و احسان نصیب ہی نہین ہو سکتا۔

"لہذا جس طرح کنز و ہدایہ ضروری ہے، ویسے ہی ابو طالب کی قوت القلوب اور امام غزالی کی اربعین اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف کا پڑھنا بھی ضروری ہے، لیکن صرف پڑھ لینا کافی نہین یہ تو گویا طب کا صرف پڑھ لینا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ

قال را بگذار و مردِ حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

کیسی ناانصافی ہے کہ جب دس بیس برس علم ظاہر کی تحصیل مین صرف کیئے، تو کم سے کم دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو اور اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت مین رہو، اس کے اخلاق و عادات و عبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے، شہوت کے وقت کی حالت مین کیسا رہتا ہے، خوشامد کا اس پہ کہان تک اثر پڑتا ہے، اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے، کیونکہ پھر جب کبھی اس کو غصہ آئے گا تو سوچے گا کہ اس کامل کی غصہ کے وقت کیا حالت تھی، اسی طرح اس کے دیگر اخلاق و عادات پیش نظر رہین گے"

احقر اکثر مثالاً عرض کیا کرتا ہے کہ اس کے والد طبیب تھے، گھر میں عربی فارسی اردو کی طب کی کتابون سے الماری کی الماری بھری ہین اور

Marfat.com

تینون زبانون مین اُن کو پڑھ اور بڑی حد تک سمجھ بھی سکتا ہون یہی نہین بلکہ کسی استاد سے سبقاً سبقاً پڑھ اور سمجھ بھی لون، لیکن باقاعدہ کسی ماہر طبیب کے مطب مین اس کی عملی مشق و تجربہ حاصل نہ کرون اور مطب کھول کر بیٹھ جاؤن تو لوگون کے لیئے ہلاکت کا دروازہ کھول دینے کے سوا کیا ہوگا۔

یہی حال آج کل کے اکثر مسلمان قومی و سیاسی اطبا یا قائدین کا ہے، کہ بہتون نے تو سرے سے دین کا کوئی معتدبہ علم ہی نہین حاصل کیا، اور جنھون نے کچھ کیا ہے، ان مین سے مطب شاذ ہی کسی نے کسی طبیب حاذق کی صحبت میں کیا ہوگا۔ اس کی بدولت کتابی علم دین کے اچھے اچھے واقفین و ماہرین نے ہلاکت فروشی کی دوکان لگا رکھی ہے، جہان دین کے نام سے بھی عین دینا کی دانستہ یا نادانستہ سوداگری ہو رہی ہے۔ اگر فرا کتابی علم دین ہی اصلاح و اصلاح اور کمال دین کے لیئے کافی ہوتا، تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے مابعد کے قرون اور سارے طبقات امت کے مقابلہ مین ناقص و غیر صالح ہوتے، وشتان بینھما! ان کا فضل و کمال مابعد کے بڑے بڑے فقہا و محدثین، اولیا و اقطاب کے مقابلہ مین اسی لیئے تو مسلم ہے، کہ ان کو سب سے بڑے مرد کامل کے سامنے پامال ہونے کی سعادت یا صحبت نصیب تھی، جو خود لفظ صحابہ و صحابیات کے عرف و اصطلاح کی حقیقت سے ظاہر ہے۔ پھر ہمارے یہ قائدین و مصلحین رنگ رنگ کے جھنڈے لے کر اور طرح طرح کی جماعتین اور مجالس آگے پیچھے اسلام اور اسلامی کا لفظ لگا کر مسلمانون کو اپنے حال کی جس اصلاح و انقلاب کی دعوت دے رہے ہین، خوب یاد رکھین کہ وہ اس را ۰

Marfat.com

سے پہلے کی طرح آیندہ بھی صدا بصحرا یا جسد بے روح ہی رہے گی جب تک انقلابِ قلب یعنی تصوف کی راہ نہ اختیار کی جائے۔ قرآن مجید کی جو آیت ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ہر قائد و ہر مصلح کی مسلمانوں کی تغیر حال کے لیے زبان پر رہتی ہے، اس کا مطلب بھی صوفی بنانا ہے یعنی اگر تم دنیاوی و سیاسی یا ظاہری ترقی بھی چاہتے ہو تو وہ بھی قانون تبدیل یا سنت اللہ کی رو سے بلا باطنی یا انفسی اصلاح و تغیر کے ناممکن ہے، یہ "ما بانفس" کا تغیر باطن یا قلب کے تغیر و انقلاب کے سوا کیا ہے۔

مادہ پرست دنیا دار بھی کسی نہ کسی عنوان سے اسی اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ جنگ سے آراستہ جرار لشکر کا اگر اخلاقی باطن (مورال) بگڑ جائے، تو ظاہری ساز و سامان سب دھرا رہ جاتا ہے۔

صوفی بنے بغیر دنیا بھی نہیں بن سکتی | اور مسلمان تو خوب کان اور دل کھولکر سُن اور سمجھ لیں کہ ان کو صوفی بنے بغیر جس کا ترجمہ ہے "پکا مسلمان" دین تو دین دنیا بھی کسی اور جتن سے حاصل نہیں ہو سکتی، جس کے وجوہ و اسباب کی تفصیل حضرت مجدد ہی کی زبانی "قومیات و سیاسیات"[1] میں مفصلاً مذکور ہے، جب مسلمان "مسلمان" تھے اور اُن کو دنیاوی اعتبار سے بھی غلبہ و تفوق حاصل تھا، تو اس کا سبب بھی ظاہری ساز و سامان و جمعیت کا غلبہ و تفوق نہ تھا، بلکہ قلوب کی سلامتی و جمعیت تھی، کہ دشمنوں کے قلوب اُن کے مقابلہ میں باہم پھٹے

---

[1] جو مضامین کی صورت میں معارف (۱۹۳۴ء) میں ملاحظہ ہو سکتے ہیں۔ اور کتاب کی صورت میں بھی انشاء اللہ اشاعت پیش نظر ہے۔ ۱۲

Marfat.com

ہوئے اور ان کے ملے ہوئے تھے۔ خود قرآن پاک شہادت دیتا ہے، کہ تحسبھم جمیعًا و قلوبھم شتّٰی ذلک بانھم قوم لا یعقلون یعنی اُن کی لڑائی آپس ہی مین سخت ہے تم سمجھتے ہو کہ وہ اکٹھے ہین حالانکہ ان کے قلوب پھٹے ہوئے ہین، یہ اس لیئے کہ سمجھ اور عقل سے کام نہین لیتے، یعنی عقل کی بات بھی یہی ہے، کہ کام قلب و باطن کی قوت و جمعیت سے چلتا ہے، نہ کہ محض ظاہری و نمایشی اتحاد و اتفاق سے، مولانا شبیر احمد عثمانی ان آیات کے تفسیری حاشیہ مین فرماتے ہین۔ کہ

"مسلمانون کے مقابلہ مین اُن کے ظاہری اتحاد و اتفاق سے دھوکا مت کھاؤ، اُن کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہین، ہر ایک اپنی غرض و خواہش کا بندہ اور خیالات مین ایک دوسرے سے جدا ہے، پھر حقیقی یک جہتی کہان میسّر آسکتی ہے، اگر عقل ہو تو سمجھین کہ یہ نمایشی اتحاد کس کام کا۔ اتحاد اسے کہتے ہین، جو مومنین مین پایا جاتا ہے، کہ تمام اغراض و خواہشات سے یک سو ہو کر سب نے اللہ کی رسّی تھام رکھی ہے اور سب کا مرنا جینا خدائے واحد کے لیئے ہے[1]"

کیا دلون کی پھوٹ کا یہ نقشہ جو کبھی ہمارے دشمنون کا تھا، آج خود ہمارے دلون کا آئینہ نہین؟ غرض یہ کہ بلا اندر کے اتفاق و اتحاد یعنی قلب و باطن کی اصلاح و انقلاب کے یا صاف لفظون مین بلا صوفی بنے، نہ خدا مل سکتا ہے، نہ صنم، نہ دین کے حقیقی ثمرات نصیب ہو سکتے ہین نہ دنیا کے

---

[1] حاشیہ بر ترجمہ کلام مجید از حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔۱۲

Marfat.com

ظاہری منافع حاصل ہو سکتے ہین۔

مسلمانون کی اس سراسر غیر اسلامی قومیات و سیاسیات سے جس طرح دل کڑھتا رہتا ہے، احقر نے زیادہ تر اسی کے تقاضے سے تصوّف کی بحث مین بھی بظاہر یہ بے جوڑ جملہ معترضہ داخل کر دیا تھا، لیکن ابھی یہ جملہ معترضہ بمشکل ختم ہی ہوا تھا، کہ خود حضرت کا تصوّف ہی پر گفتگو کے سلسلہ مین بعینہ اسی مضمون کا ایک ملفوظ تائید غیبی کی طرح سامنے آگیا، جس کا ماحصل وہی ہے، کہ صوفی بنے بغیر حکومت و سلطنت بھی ہاتھ نہین آسکتی، فرماتے ہین کہ

"اس گئی گذری حالت مین بھی مسلمانون کے اندر اور رون سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہین، مثلاً عدل و انصاف، ترحم وغیرہ، بس یہ کمی ہے کہ ان مین نظم نہین، اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اتفاق و اتحاد نہین، اور اتفاق و اتحاد کی جڑ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب نے عجیب فرمائی، جس کی تمام عقلا کو بھی خبر نہین، فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے، (جو تصوف کی تعلیم و تربیت کا لازمہ ہے) تو پھر نا اتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ نا اتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے، کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا، اور اس سے بڑھنا چاہتا ہے، سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی ... اب تو یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا تسلیم کر لینے مین عار آتی ہے اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کیا جائے مرکزیت جو نظم کے لیے ضروری ہے، قائم نہین ہو سکتی۔"

ابھی کچھ دن پہلے ایک مشہور خالص دینی مدرسہ مین اسی عار کا بڑا

Marfat.com

عبرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ ایک نہایت متقی جوان صالح، خود حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ و مجاز، جو ایک غیر مشہور دینی مدرسہ کو حقیقی معنی مین دینی تربیت کے ساتھ کئی سال سے چلا رہے ہین، اور جن کی دینی تربیت کی مہارت کا خود اس مشہور مدرسہ کے سب سے بڑے ذمہ دار بزرگ کو جب چشم دید تجربہ و مشاہدہ ہوا تو اپنے صاحب زادہ کو مشہور مدرسہ سے نکال کر اسی غیر مشہور مدرسہ کے حوالہ فرما دینا چاہا تھا، مگر مشہور مدرسہ کے مہتمم صاحب اس کو اپنے مدرسہ کے لیے عار جان کر مانع ہوے۔ انا للہ!

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہمارے دینی مدارس پر بھی آج کل دنیوی مدارس کے رنگ و اثر کا غلبہ اتنا ہو گیا ہے کہ سارا زور کتابون کی تعلیم اور امتحانات پر دیا جاتا ہے، عملی تربیت کی طرف دوسرے درجہ کی توجہ بھی مشکل سے فرمائی جاتی ہے، خصوصًا اخلاقی و باطنی تربیت کا اہتمام تو کہنا چاہیئے کہ اُن کے اساتذہ و اکابر ہی مین مفقود ہے تو طلبہ و اصاغر کا کیا ذکر۔ مذکورۂ بالا مشہور مدرسہ مین بھی سب سے بڑی کمی دین کی ظاہری اور اس سے بڑھکر باطنی تربیت کی، اساتذہ و طلبہ سب ہی مین ہے، اس کے ایک بے جاہ و مرتبت خیر خواہ نے عملی تربیت کے ان نقائص کی اصلاح کے لیے موصوف الصدر جوان صالح کے مشورہ و تجربہ سے فائدہ اٹھانے کی ایک تجویز پیش کر دی، جس کو سب سے بڑے ذمہ دار بزرگ نے پہلی گفتگو مین قبول بھی فرما لیا، لیکن جب مہتمم صاحب کو (جو ماشاء اللہ اپنے بڑون کے بڑے مطیع ہین) اس پر آمادہ فرمانا چاہا، تو وہی احساس عار کا جواب ملا کہ آخر مجھ پر کتنون کو نگران

Marfat.com

بنایا جائے گا، حالانکہ اگر انکے اوپر اُن کے بقول کئی نگران تھے (گو واقعہ مین کوئی نہین) تو ایک اور کا اضافہ سہی۔ بلکہ خود اپنی جماعت کے اس مجوزہ ہی کے مشورہ و نگرانی کو قبول فرمانے پہ راضی تھے، مگر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انکے ان صالح سے استفادہ مین ان کی جوانی، عدم شہرت، غیر مشہور مدرسہ یا غیر جماعت سے تعلق کی کون سی عار اتنی سنگین دیوار بن کر ان کے سامنے کھڑی ہوگئی کہ آخر اصل ذمہ دار بزرگ کو بھی باوجود اپنی ذمہ داری کے کما حقہ ادا نہ فرما سکنے کی معذوری کے اس سنگین دیوار سے ٹکرا کر پسپا ہونا پڑا۔

یہ صرف ایک مثال برائے مثال ہے، ورنہ کیا عرض کیا جائے کہ اس راقم احقر نے تو جب سے تھانہ بھون کے تجدید یافتہ اسلامی تصوف کو کچھ دیکھا اور سنا ہے، تب سے خود اپنے اندر اور باہر انفرادی و اجتماعی، قومی و سیاسی، کسی معاملہ مین جہان اور جو فساد نظر آتا ہے، اس کا بڑا سبب بداہۃً اسی اسلامی تصوف یا اخلاقی و باطنی تربیت کی صلاح و اصلاح کی کمی و خامی دکھائی دیتی ہے، جس کی نسبت اسی ملفوظ مین آگے ارشاد ہے کہ

بلا تصوف کام نہین چل سکتا خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہین چل سکتا کیونکہ سب سے اوّل چیز تصوف مین تواضع ہی کی تعلیم ہے جس کو اصطلاح مین فنا کہتے ہین، عموماً تو تصوف مین یہ سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت سب سے اوّل مقام بھی فنا ہی ہے، اور سب سے آخر مقام بھی فنا ہی ہے، کیونکہ فنا کے درجات ہین، باقی بدون فنا

Marfat.com

کے تو اس طریق مین کو ئی ایک قدم بھی نہین چل سکتا، خواہ لاکھ ورد وظیفے پڑھے، لاکھ تسبیحین پھیرے،

لوگ کہتے ہین کہ حجرون مین بیٹھنے سے کچھ نہین ہوتا، میدان مین آنا چاہیئے، مین کہتا ہون کہ حجرون ہی مین بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے، جیسے ریڈیو، حجرہ ہی مین رکھا جاتا ہے، اور پھر اسی سے تقریرین نشر ہو کر تمام عالم مین ہل چل پڑ جاتی ہے، اس پر یاد آیا کہ سعد بن وقاص ایک معرکہ مین امیر لشکر تھے، اور بوجہ دنبل نکل آنے کے نقل و حرکت سے معذور تھے، پھر بھی اپنے خیمے میں بیٹھے بیٹھے ہی فوج کی کمان کر رہے تھے[1]

جب حضرات انبیاء علیہم السلام بلکہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے بھی بدر سے پہلے حرا تھا، تو بدیگران چہ رسد، عارف الہ آبادی نے خوب ہی فرمایا کہ ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

آگے اسی مقام فنا کا ایک میدانی کارنامہ نقل فرمایا ہے، کہ

"حضرت ابو محجن ثقفی اس جرم مین کہ انھون نے شراب کی تعریف مین اشعار لکھے تھے، عین کارزار مین زنجیر سے باندھ دیئے گئے تھے،

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۲۷۳ ۱۲

[2] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۲۷۳ ۱۲

Marfat.com

کفار مین ایک شخص رستم نامی تھا، جس نے کئی مسلمانون کو شہید کر دیا تھا حضرت ابو محجن کو یہ دیکھ کر جوش اٹھا کہ مین جا کر اس کا مقابلہ کرون، مگر مجبور تھے، زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے۔ بالآخر رہا نہ گیا، اور امیر لشکر کی بیوی سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، کہ مجھ کو اس وقت چھوڑ دیا جائے وعدہ کرتا ہون کہ اگر سلامت واپس آگیا، تو پھر اپنے کو اسی زنجیر سے بندھوا دون گا، اور اگر شہید ہو گیا تب بھی امیر لشکر کا کچھ حرج نہ ہوگا، کیونکہ مجھ سے ناراض ہین ہی، چھٹکارا مل جائے گا، (غرض کسی طرح) رستم کے مقابلہ کے لیئے جا پہونچے، لیکن اس ڈر سے کہ امیر لشکر کا سامنا نہ ہو جائے، منہ چھپا لیا تھا، رستم کے پاس پہونچتے ہی اس کو قتل کر دیا، اور خود واپس آکر حسب وعدہ پھر اپنے کو مقید کر دیا، اور امیر لشکر نے بھی حکم شریعت کے جاری کرنے مین عین موقع کارزار مین پس وپیش نہ کیا، اور ایسے کار آمد شخص کو بھی قید کر دیا بات یہ ہے کہ وہان اصل مقصود اتباع احکام اور تحصیل رضائے الٰہی تھا (اسی مین امیر لشکر اور لشکری سب فنا تھے) اس کے مقابلہ مین اور کسی مصلحت کی پروا نہ تھی ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند[1]

عجیب مجددانہ نکتہ | اسی سلسلہ مین ایک عام غلط فہمی کے متعلق عجیب مجددانہ

[1] الاضافات الیومیہ حصہ ہفتم صفحہ ۲۷ ۱۲

Marfat.com

نکتہ بیان فرمایا کہ

"شہادت کے متعلق عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جہاد مین مقتول ہو کر شہید ہو جانا ہی اصل مقصود ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، مقتول ہونا اصل مقصود نہین، بلکہ قاتل ہونا اصل مقصود ہے، اور مقتول ہونا قاتل ہونے کی حد تک ہے، یعنی حکم یہ ہے کہ مقتول ہونے کی حد تک بھی قاتل بنے رہو، اور قاتل ہونے مین مقتول ہونے کی بھی نوبت آجائے تب بھی پروا نہ کرو"[1]

جملہ معترضہ ذرا طویل ہو گیا، لیکن "حجرہ کے تصوّف" کی تحقیر جس جہل و نادانی پر مبنی ہے، اس کے دور کرنے اور نام کے سیاسی میدانون پر پوری طرح واضح کرنے کے لیے کہ کام میدان مین بھی "تصوف کے بغیر چل نہین سکتا" دراصل اسلامی تصوف ہی کے بارے مین یہ ایک بڑے تجدیدی نکتہ کی ضروری تفصیل تھی۔

تصوّف سے توحش کی وجہ اسلامی تصوف کی اس حقیقت و اہمیت کے باوصف کہ وہ عینِ دین اور کمالِ اسلام کے سوا کچھ نہین، جس سے دور ہو کر مسلمان بحیثیت مسلمان حسنۂ دنیا سے بھی دور سے دور تر ہوتے جا رہے ہین، پھر بھی اہل دنیا ہی نہین، بلکہ اُن سے بڑھ کر بعض اکابر دین تک کو تصوّف کے غیر دین یا طریقت کے خلاف شریعت ہونے، اور اس کی بدولت اس سے انکار و توحش کا بہت بڑا منشا یہ ہوتا ہے، کہ حضرات صوفیہ کے بہت سے حقائق

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم صفحہ ۳۵ ۱۲

Marfat.com

ومعارف، افکار واشغال، مجاہدات ومراقبات، احوال وکیفیات، توجہ و تصرفات، کشف وکرامات، ترکِ لذت وتعلقات، بیعت ونسبت اور رسوم وعادات وغیرہ کی خاص خاص صورتون کا ان حضرات کو کتاب وسنت کی عام ومنصوص تعلیمات مین بظاہر نام ونشان نہین ملتا۔ اور مغالطہ یہ ہوگیا ہے کہ تصوّف وطریقت کی اصل وحقیقت یہی "بدعات ہیں۔

سو تصوف کی اصل حقیقت کی نسبت حضرت مجدّد کی تجدید کامل نے تمام وکمال واضح فرمادیا کہ وہ انسان کے ظاہر وقالب کی طرح قلب وباطن کی صلاح واصلاح کے انہی احکام کا عرفی واصطلاحی نام ہے، جو ظاہر کے فقہی احکام کی طرح خود قرآن وحدیث مین منصوص ہین، اور اس طرح تصوف مُلّاناپن کے سوا کچھ نہین۔ کسی موقع پر اس عرف واصطلاح کے جھگڑے سے بیزار ہوکر فرمادیا کہ

"ہم نہین جانتے درویشی کیا چیز ہے، یہان تو مُلّاناپن ہے۔ طالبعلم ہین، صاحب علم بھی نہین، بس قرآن وحدیث پڑھ لیتے ہین، پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے، اور ایسا ملتا ہے کہ ملاعین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر من امثالنا یعنی جو ہم جلیسون مین نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی قلب مین اس کا خطرہ تک گذرا، مگر ظاہر مین کچھ نہین، نہ بوجھ، نہ حال وقال، نہ وجد وکیف، نہ کشف وکرامت، پھیکا پھیکا طرز ہے، جیسے سمندر کی مچھلی کہ نمک خود اس کے اندر رہتا ہے، اوپر سے ڈالنے کی ضرورت نہین،

Marfat.com

لیکن کھلتا پکنے کے بعد ہے، بس یہان بھی اوپر کا نمک نہین اندر کا پنے جو پکنے کے بعد کھلتا ہے[1]۔

اذکار واشغال ومجاہدات

رہے اذکار واشغال، مجاہدات ومراقبات وغیرہ کے ایسے صوفیانہ طریقے جو بظاہر قرآن وحدیث مین مذکور یا اُن سے ماخوذ نہین معلوم ہوتے تو اس بارے مین حضرت مجدّد کی تجدید وتحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کے دوست ودشمن، معتقد ومنکر دونون ایک مشترک غلطی مین پڑ گئے، کہ ان چیزون کو تصوّف کے مقاصد وغایات سمجھ لیا۔ حالانکہ اُن کی اصل حیثیت تدابیر ومقدمات یا آثار وثمرات کی ہے، مقاصد تصوف یہ چیزین قطعاً نہین اس لیئے ان کو بدعات کہنا سرے سے بے معنی ہے۔ بدعت نام ہے "احداث فی الدین" کا، یعنی دین مین دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ احداث للدین یعنی مقاصد دین کے حصول کیلئے تجربہ کی بنا پر کسی نئی تدبیر کا اختیار کرنا، جیسے طب مین صحت کے حصول وحفاظت کے لیئے نئی نئی تدابیر وادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یا خود دین مین علوم دین کی حفاظت واشاعت کے لیئے مدرسے کھولنا، کتب خانے قائم کرنا، اور دینی کتابین چھاپنا، درس وتدریس کے لیئے نصاب تعلیم کی نئی نئی صورتین تجویز کرنا، امتحانی سند دینا ظاہر ہے، کہ یہ سب باتین نئی یا احداث ہین، لیکن چونکہ

[1] اشرف السوانح حصہ دوم صـ۳۳۷ ۱۲

Marfat.com

احداث للدّین ہین، اس لیئے نہ بدعات ہین، نہ ان کو کتاب وسنت مین ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً نماز مین خشوع (وھم فی صلوتھم خاشعون اور حضور قلب (لاصلوٰۃ الّا بحضور القلب) مقصود ومامور ہے، اور تجربہ سے ذکر وشغل یا مراقبہ وغیرہ کی کوئی خاص صورت وہیئت اس مقصود کے حصول مین معین معلوم ہوئی، جس مین کوئی شرعی ممانعت یا قباحت بھی نہین تو اس کا خود ایجاد واختیار کرلینا، یا غیر مسلمون اور دین کے دشمنون تک سے اخذ و قبول کرلینا ایسا ہی ہے، جیسے جہاد کے لیئے تیر وتفنگ کے بجائے بندوق اور مشین گن کا ان سے سیکھ بلکہ چھین لینا۔

صوفیہ مین ایک خاص شغل پاس انفاس کا ہے، جو بہت عام ہے، اس کی نسبت کسی طالب کے سوال کے جواب مین فرمایا، کہ

"یہ اشغال مین سے ہے، اس سے یکسوئی ہوتی ہے، اور خطرات دفع ہوتے ہین، اسی طرح ذکر کے مختلف طریق ہین، جس مین جس کو جمعیت ہو اختیار کرنا چاہیئے، کیونکہ جمعیت گو خود مقصود نہین، لیکن مقدمہ ہے حصول مقصود کا، اور مقدمات کا مقصود مین بہت دخل ہوتا ہے، اس لیئے مشائخ نے مقاصد کے لیئے کچھ مقدمات تجویز کیئے ہین، اور ان کو عملاً ایسی ہی اہمیت دی ہے جیسی مقاصد کو[1]"

لیکن ان مقاصد کے اصل ہونے کے بجائے مقدمات ہونے کی سب سے

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم صفحہ ۲۴۶ ۱۲

Marfat.com

بڑی دلیل یہ ہے، کہ مقاصد کی طرح ان مقدمات مین سے کسی خاص مقدمہ کو اختیار کرنا ہی لازم و واجب نہین، اس لیئے ارشاد ہے کہ

رہا یہ سوال کہ مختلف مقدمات مین سے کس کو اختیار کیا جائے، اس کا خود ہی فیصلہ کرلے، یعنی جس مین جمعیت و دلچسپی زیادہ ہو وہی زیادہ نافع ہوگا اور یہ مسئلہ کہ جمعیت مطلوب و نافع ہے، قواعدِ فن نیز تجربہ سے تو معلوم تھا ہی، لیکن جی چاہتا تھا، کہ اس باب مین کوئی نص بھی مل جائے اللہ کا شکر ہے کہ آج ہی کل مین اس کی دلیل شرعی بھی ذہن مین آگئی، حدیث مین ہے کہ اگر کھانا تیار ہو، اور نماز بھی تیار ہو، یعنی جب بھوک کا تقاضا ہو تو پہلے کھانا کھالے، پھر نماز پڑھے، سو اس کی علت صرف یہ ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مشوش رہے گی، نماز مین جمعیت حاصل نہ ہوگی، اور اس کے عکس مین نماز تو جمعیت کے ساتھ ہوگی، اور کھانا تشویش کی حالت مین (کیونکہ نماز مین جی لگا رہے گا) حضرت امام ابو حنیفہ نے یہی وجہ عجیب عنوان سے بیان فرمائی ہے، لا یکون اکلی کلہ صلوٰۃ خیر من ان یکون صلوٰتی کلھا اکلاً،[1] یعنی میرا کھانا اگر نماز بن جائے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ میری نماز کھانا بن جائے، ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اصل پر ایک تفریع فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی ہجرت کرکے مکہ معظمہ مین قیام کرنا چاہتا، اور حضرت کو فراست سے اس کا یہ مذاق معلوم ہو جاتا، کہ اس کو مکہ معظمہ مین دیسی جمعیت نہ ہوگی،

---

[1] میرا کھانا سارا کا سارا نماز بن جائے یا اس سے بہتر ہے کہ میری نماز ساری کی ساری کھانا بن جائے ۱۲

Marfat.com

جیسی ہندوستان مین ہے، تو اس کو ہجرت کی اجازت نہین دیتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ اگر ہندوستان مین جسم ہو اور مکہ مین قلب تو یہ اس سے اچھا ہے کہ مکہ مین جسم ہو اور ہندوستان مین قلب[1]۔

سبحان اللہ! واقعی جو محقق صوفی ہین، اُن کی نگاہ قرآن وحدیث کے مغز و تہہ تک جاتی ہے۔

"غرض جتنے اشغال ہین، وہ جمع خواطر ہی کے لیئے ہین، مقصود بالذات نہین، اور اس مین مشائخ نے یہان تک وسعت کی ہے، کہ بعض اشغال جوگیون تک سے لیئے ہین۔ مثلاً حبس دم جو جوگیون کے ہان کا شغل ہے، مگر چون کہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار نہین، اور خطرات کے دفع کے لیئے نافع ہے، اس لیئے اس کو بھی اپنے ہان لے لیا ہے، اور اس مین کچھ حرج نہین نہ اس مین تشبہ ممنوع ہے، کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقہ کا نہ قومی شعار ہو نہ مذہبی، محض تدبیر کے درجہ مین اس کو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کیلیئے اختیار کرنے مین کوئی محذور شرعی نہین ہے، چونکہ حبس دم بھی دفع خواطر کی محض ایک طبّی تدبیر ہے اس لیئے اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ یہ اخذ محض تدبیر مین ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار مین۔

"اور اس کے جواز کی دلیل خندق کا واقعہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو چارون طرف سے محدود و محفوظ فرمانا چاہتے تھے جنانچہ

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۳۴۳ ۱۲

Marfat.com

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کہ ہمارے ہان فارس مین شہر کے گرد خندق کھودتے ہین، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیدیا کہ خندق کھودی جائے اور خود بھی بنفس نفیس کھودنے مین شریک ہوئے، تو یہ انتظام وتدبیر فارسیون کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا محض ایک تدبیر تھی، اس لیے حضورؐ نے اس کی اجازت دیدی[1]۔"

کثرت ذکر باقی نفس ذکر جس کی کثرت ودوام پر تصوف مین اتنا زور ہے، کہ خود حضرت علیہ الرحمہ قصد السبیل مین تصوف کے دو مرتبے ٹھہراکر دوسرے یا اعلیٰ مرتبہ کا (ظاہر کی مندوب ومستحب طاعات کے ساتھ) دوسرا جز، یا معین کو دوام ذکر مین مشغول رکھنا ہی قرار دیا ہے۔ ذکر کی یہ کثرت ودوام خود قرآن وحدیث مین منصوص ومتواتر ہے، اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وغیرہ کے علاوہ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم کی مشہور آیت ہی سے نہ صرف کثرت بلکہ دوام بھی ثابت ہے، اس لیے کہ آدمی کی کل تین حالتین ہو سکتی ہین، یا کھڑا رہے گا، یا بیٹھا یا لیٹا، اور ان تینون حالتون مین ذاکر رہنے کے معنی سوتے جاگتے ہر وقت اور ہر حال مین ذاکر رہنے ہی کے ہو سکتے ہین۔ محاورہ مین بھی کسی بات کا دھیان اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے، رہنے کے معنی کثرت ودوام ہی کے ہوتے ہین۔

نیز اسی آیت سے ذکر قلب کا بھی استنباط فرمایا ہے، اس لیے کہ کھڑے بیٹھے لیٹے آدمی بہت سے دوسرے کامون یا باتون مین لگا رہتا ہے جن کے ساتھ

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم صفحہ ۳۴ ۱۲

Marfat.com

لسانی کے بجائے قلبی ہی ذکر ممکن ہے، خصوصًا لیٹنے مین جب کہ اس مین سونے کی حالت بھی داخل ہو۔ پھر لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ نے ذکر قلب کی مخصوصیت کو اور بھی واضح فرما دیا ہے، اس لیئے کہ تجارت اور کاروبار کی مصروفیت کے اوقات مین بھی ذکر سے غافل نہ ہونا، قلبی ذکر ہی کی صورت مین ہو سکتا ہے۔

راقم احقر کی فہم احقر مین تو جو ذکر قرآن و حدیث مین مامور و منصوص ہے، وہ دراصل ذکر قلب ہی ہے، جس کے بغیر ذکر کی لغوی و معنوی حقیقت متحقق ہی نہین ہو سکتی۔ ذکر کے لفظی و لغوی معنی یاد یا یاد داشت کے ہین، اور کسی شے کو جب یاد کیا جاتا ہے، یا خود یاد آجاتی ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ ذہن کو اس کی جانب متوجہ کیا گیا یا از خود متوجہ ہو گیا، جب آدمی کسی بھولی ہوئی بات کو یاد کرنا چاہتا ہے تو اس کی حقیقت اس کے سوا کیا ہوتی یا ہو سکتی ہے کہ اس کی جانب ذہنی یا قلبی توجہ و التفات سے کام لے رہا ہے، بلکہ زبان سے اس کا نام لینا سرے سے ضروری نہین ہوتا۔ لہٰذا یاد یا ذکر دراصل نام ہے، مذکور کو دل سے یاد کرنے یا اس کی طرف قلبی توجہ کا نہ کہ محض لسانی تلفظ۔ البتہ زبان سے نام لینا یا لسانی تلفظ قلبی توجہ کا عام و آسان ذریعہ ہے، اسی لیئے کسی بھولے بسرے یا مرے ہوئے دوست و عزیز کا نام ہمارے سامنے لیا جائے تو اس کی اور اس کے تعلقات کی یاد دل مین تازہ ہو جاتی ہے، یعنی قلب ان بھولی ہوئی باتون کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ احادیث مین اٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، رنج و راحت، بیماری

Marfat.com

وصحت، عیادت وتعزیت دعوت ورخصت وسواری وسفر وغیرہ غرض زندگی کے تمام چھوٹے بڑے احوال وسوانح پر اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت نعمت ومشیت وغیرہ کی یاددہانی کے لیے جو اذکار ماموروماثور ہین، اُن کا منشا یہی ہے، کہ دن رات ہر حال اور ہر موقع کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے خاص تعلق کی یاد دل مین تازہ ہوتی رہے۔ مثلاً کھانے کے بعد یہ دعا کہ الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین اور سونے وقت یہ دعا کہ الحمد للہ الذی کسانی ما اوراری بہ سوءتی وانجمل بہ فی حیاتی کا مدعا اس کے سوا اور کیا ہے، کہ ہم دل سے یہ سمجھین کہ کھلانے پلانے پہنانے اوڑھانے والا روزی ورزق عطا فرمانے والا حقیقۃً اللہ ہی ہے اور ظاہری اسباب ووسائل محض ظاہری ہین۔

ایک طالب نے متعارف ذکر وشغل سے اپنی نامناسبت کے ساتھ عرض کیا، کہ "البتہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل واحسان ہے کہ زندگی کے تمام چھوٹے بڑے کامون مین اس کے فعل وقدرت، حکمت ومشیت وغیرہ کا کسی نہ کسی طرح ادراک واستحضار رہتا ہے، اور اگر اس کی رویت کا بھی کچھ استحضار رہتا ہے، تو اس سے قلب وجوارح سب کے اعمال مین بہت نفع محسوس ہوتا ہے" جواب مین تحریر فرمایا۔

"کیا یہ تھوڑا انعام ہے، یہی تو مقصود اعظم ہے، اذکار واشغال متعارفہ اسی کا تو مقدمہ ہین، اس کے ہوتے ہوئے مقدمات کی کاوش کی مثال بعینہ ایسی ہے، کہ کسی کو پکی پکائی روٹی مل گئی، اور وہ پھر بھی تمنا کرتا ہے

Marfat.com

کہ خود پکاؤن"۔ (تربیت السالک النور صفر ۶۴ھ)

نیز قصد السبیل مین باطن کو دوام ذکر مین مشغول رکھنا تصوف کے اعلیٰ مرتبہ کا لازم جزء ٹھہرایا ہے اس سے مراد بھی دل ہی کی یاد داشت اور توجہ ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی یاد دل میں اس طرح بس جائے کہ زندگی کی ہر حرکت وسکون مین اس کی رضا و ناراضی، اس کی محبت و عظمت، اس کی سزا و جزا، عذاب و ثواب پیش نظر ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بجز بشری سہو و خطایا غفلت کے دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا چھوٹے بڑے معاصی کے قریب جانا اس کے لیے عملاً ناممکن ہوگا۔ اکبر الاعمال نام ایک وعظ مین ذکر کو سب سے بڑا عمل قرار دے کر ذکر کی اسی حقیقت و علامت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ ذکر حقیقی سارے معاصی سے بچنے اور تمام اوامر کے بجا لانے کو مستلزم ہے۔

"لوگ سوا لاکھ مرتبہ اللہ اللہ کہنے کو ذکر اللہ سمجھتے ہین، مگر یہ بھی حقیقت ذکر نہین، صورت ذکر ہے، اور ذکر کے آثار سے ہے، ورنہ اگر اس کو حقیقت ذکر حاصل ہوتی، تو یہ شخص دوسرے اعمال کا تارک نہ ہو سکتا، حالان کہ یہ سوا لاکھ دفعہ اللہ اللہ کرنے والے کبھی دوسرے اعمال سے معرا ہین۔

تصوف کی نسبت یہ علمی و عملی ایسی عام غلطی ہے کہ دوسرون کا تو ذکر ہی کیا، خود عام و غیر محقق صوفیہ تک اس مین مبتلا ہین، کہ کثرت و دوام ذکر محض اسی لفظی و لسانی یا زیادہ سے زیادہ اصطلاحی قلبی ذکر کو سمجھ لیا ہے جس کو قلب کا جاری ہونا کہتے ہین۔ اس لیے ذکر کی اصل حقیقت ذرا در توجہ و تفصیل سے سن لینا ضروری ہے، اسی وعظ مین فرماتے ہین کہ

Marfat.com

ذکر کی حقیقت | تبلاتا ہون، اس کو ایک مقدمہ سے سمجھیے وہ یہ کہ آپنے دیکھا ہو گا کہ بعض مرتبہ شریف آدمی کے دل مین بعض جرائم کا تقاضا ہوتا ہے، جیسے چوری وغیرہ، چنانچہ بعضے شریف آدمی بھی چوری کرنے لگتے ہین، محض اسی وجہ سے کہ طبیعت کا تقاضا ہے اور یہ تقاضا اس وجہ سے نہین کہ ان کا پیشہ چوری کرنا ہے، بلکہ محض احتیاج کی وجہ سے کیونکہ احتیاج بُری بلا ہے، یہ انسان کو بُری سے بُری جگہ لے جاتی ہے، ایک تو یہ منظر ہے اس کو سامنے رکھیے۔

اب اس کے مقابل دوسری جماعت کو دیکھیے، کہ باوجود تقاضا و افلاس کے چوری نہین کرتے، چوری تو کیا کرتے، سرکاری مالگذاری کو بھی نہین ٹالتے، بلکہ اپنی زمین اور جانور بیچ کر مالگذاری ادا کرتے ہین، گو گھر مین فاقہ ہو جائے، اس مین غور کیجیے کہ پہلی جماعت چوری پر کیون اقدام کرتی ہے، اور دوسری جماعت مالگذاری تک کیون ادا کرتی ہے، حالانکہ احتیاج و افلاس مین دونون برابر ہین۔

وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ان کو ایک چیز یاد آئی جو پہلی جماعت کو یاد نہین آئی، یعنی سزا و قید وغیرہ کی رسوائی، اور بس، اب سمجھو کہ ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے، اور یاد بھی اسی کو کہتے ہین، محض علم کا نام یاد نہین، کیونکہ چوری پر سزائے قید و سزائے تازیانہ ہونا پہلی جماعت کو بھی معلوم تھا، مگر یہ سزا و قید اس کے پیش نظر و مستحضر نہ تھی اس لیئے وہ جرائم سے نہ رک سکی، اور دوسری جماعت کے پیش نظر

Marfat.com

اور پوری طرح مستحضر تھی، اس لیئے وہ اقدام نہ کر سکی۔"

بہت بڑی غلطی ایک اور بہت بڑی غلطی کا ازالہ فرمایا گیا ہے، کہ جنت و جہنم کی یاد کو حقیقی ذکر سمجھنا تو الگ رہا حقیقی تصوّف کے درجہ سے اس کو فروتر خیال کیا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جنت و جہنم پر نظر ہو حالانکہ یہ عین عبدیت ہے، اور انبیاء علیہم السلام تک اس کی یاد اور رغبت و رہبت سے بے نیاز نہ تھے، البتہ غایۂ حال سے معذوری ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیئے ارشاد ہوا کہ

"اس پر شاید یہ سوال ہو کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ جنت و دوزخ کی یاد ذکر اللہ ہے، حالانکہ یہ تو ذکر جنت و نار کا ہوا، اللہ کی یاد نہ ہوئی جواب یہ ہے کہ ثواب کی یاد اللہ ہی کی یاد ہے، جیسے کہا جاتا ہے، کہ قانون کو یاد کرو، اس کا یہی مطلب ہے، کہ قانون کا یاد کرنا ہی ہتکڑی اور جیل کا یاد کرنا ہے۔"

ذکر اللہ کے مراتب ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ذکر اللہ کے مراتب ہیں بعض کو محض ذات حاکم کی یاد کافی ہوتی ہے، اور جرائم سے بچنے کے لیئے سزا، جیل وغیرہ کی یاد کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ بعض کو یہ بھی کہدینا کہ تم جو چاہے کرو تم کو سزا نہ ہوگی، پھر بھی اس کو حاکم سے ایسا خاص تعلق ہوتا ہے کہ مخالفت نہیں کر سکتا، پھر بعض تو ایسے وقت میں ناراضی کے اندیشے سے مخالفت نہیں کرتے، اور بعض کو یہ اندیشہ بھی نہیں ہوتا بلکہ حیا و شرم مانع ہوتی ہے، اور بعض کو یہ مانع بھی نہیں ہوتا، یعنی

Marfat.com

حیا و شرم پر بھی التفات نہین ہوتا اس تعلق کا نام کچھ نہین ؎

خوبی ہمین کرشمہ و ناز و خرام نیست　　بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

یا اس کا نام اگر کچھ ہے، تو تعلق ذات، بہرحال مراتب ذکر مین تدریج ضرور ہے، اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ ہم کو کس قسم کا تعلق ہے، جیسا تعلق ہو اسی کے مناسب ذکر مین مشغول ہونا چاہیئے۔"

فرق مراتب پر قرآن سے استشہاد آگے ذکر کے اس فرقِ مراتب پر قرآن سے استشہاد ہے جس سے ایک تفسیری مشکل بھی کیسی حل ہو جاتی ہے، فرماتے ہین کہ

"اور یہ فرق مراتب ہی تو ہے جس کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ذکر کی تاکید فرماتے ہوئے کہین تو ذکر اپنی ذات سے متعلق کیا ہے، جیسے واذکر اللہ اکبرا اور کہین اسمائے حسنیٰ سے متعلق فرمایا ہے واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا، یہان مفسرین نے لفظ اسم کو مقسم کہا ہے مگر مین کہتا ہون کہ زائد کہنے کی ضرورت نہین، بلکہ یہ تغیر عنوان مراتب ذاکرین کے اعتبار سے ہے۔"

مولانا ذکر کے اس فرق مراتب پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہین ؎

مست و لایعقل نہ از جام ہو　　اے زہو قانع شدہ بر نام ہو

"اس مین تنبیہ ہے کہ ذکر کا ایک درجہ وہ ہے جو ذکر اسمی سے ارفع و اعلیٰ ہے، مگر دوسری جگہ بتلاتے ہین کہ ذکر اسمی بھی بے کار نہین، بلکہ نافع و مفید ہے، جس کو پہلا درجہ حاصل نہ ہو اسی کو غنیمت سمجھیے۔[1]

---

[1] اور کمال جامعیت یہ ہے کہ اپنے موقع اور محل کے اعتبار سے تمام مراتب حاصل ہون، جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا ان کے اقرب و اکمل غیر مغلوب الحال متبعین کو ۱۲

از صفت و ز نام چہ زاید خیال و آن خیالش مہت دلّال وصال

"یہان سے سمجھ مین آجاے گا کہ ذکر لسانی بھی بیکار نہین. گو دل متوجہ نہو، اور یہ جو کسی نے کہا کہ.

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر این چنین تسبیح کے دارد اثر

یہ غلط ہے مین نے اس کے رد مین کہا کہ

این چنین تسبیح ہم دارد اثر

صاحبو! غضب یہ ہے کہ مٹھائی کا نام لینے سے تو اثر ہو کہ نام لینے سے منہ مین پانی بھر آئے اور خدا کے نام مین اثر نہ ہو"! (صفحہ ۲۳ و ۲۴)

صوفیہ کا اصطلاحی ذکر قلبی | پھر آگے صوفیہ کے اصطلاحی ذکر قلبی کا ذکر ہے کہ

"ایک بات اور کہتا ہون وہ یہ کہ متاخرین صوفیہ نے محض ذکر قلبی جو تجویز کیا ہے وہ بہت اچھی چیز ہے، مگر زیادہ دیر تک باقی نہین رہتا دل ادھر اودھر چلا جاتا ہے، اور ذاکر سمجھتا ہے کہ مین ذکر مین مشغول ہون اس لیئے مین تجویز کرتا ہون کہ ذکر لسانی کرنا چاہیئے، اور اس مین توجہ قلبی رکھنا چاہیئے، اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا، تو لسانی تو باقی رہے گا، اور وقت ضایع نہ ہوگا،

"خصوصًا میری اس تحقیق کے بعد کہ جو عمل خاص نیت سے شروع ہو اس کی برکت و انوار مستمر رہتے ہین، گو وہ نیت مستحضر نہ رہے، اور گو توجہ باقی نہ رہے، اب جو ہم لوگون کے ذکر مین انوار نہین اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو توجہ اور حصول نور کا قصد بھی نہین، اگر قصد ہو تو انوار ضرور

Marfat.com

حاصل ہون، پس اب یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ این چنین تسبیح ہم دارد اثر
یعنی جب حصول اثر کا قصد ہو (ص۲۶)

ذکر کے درجات خلاصہ یہ کہ ذکر کا ایک درجہ یہ ہے کہ اللہ کے نام کو یاد کرو، دوسرا درجہ یہ ہے کہ بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرو، تیسرا درجہ یہ ہے کہ نام کا واسطہ بھی نہ رہے، محض ذات کے ذکر پر قادر ہو جائے، اسی طرح تعلق کا ایک درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے یون بھی کہدیا جائے کہ تم کو کسی گناہ پر سزا نہ ہوگی، جو چاہے کرو جب بھی احکام کی مخالفت نہ کرے، نیز اگر یون کہدیا کہ تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا، جب بھی اعمال مین کوتاہی نہ کرے، ایک بزرگ کو ذکر مین آواز آئی کہ جو چاہے کر تو کافر ہو کر مرے گا، وہ پریشان ہو گئے، مگر ذکر اور نماز وغیرہ نہین چھوڑی، بلکہ شیخ سے جا کر عرض کیا، شیخ نے کہا کام مین لگے رہو، اس آواز سے پریشان نہ ہو، یہ دشنام محبت ہے ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

محبت کا ایک رنگ یہ بھی محبت کا ایک رنگ ہے۔ کہ ؎

ما پر وریم دشمن و دامی کشیم دوست
کس را ندیدہ چون چرا در قفائے ما

میرے والد صاحب بچون کو کم لیتے تھے جب زیادہ محبت کا جوش اٹھتا، بچون کے کلے پکڑ کر دبا دیتے، جس سے بچے رو پڑتے مستولات

Marfat.com

کہتین یہ تمھاری محبّت عجیب محبّت ہے کہ بچون کو گود مین لینا، کھلانا تو نہین آتا، بس رولانا آتا ہے، مگر ان کو اسی مین لطف آتا تھا، مجھ کو بھی بچون سے مزاح کا شوق ہے، جس مین بعض دفعہ اُن کو غصہ بھی آتا ہے اُن کی یہ ادا ئین پسند آتی ہین، ایسے ہی بلا تشبیہ یون سمجھیے کہ بعض لوگون کو اللہ تعالیٰ محبت کی وجہ سے طرح طرح سے پریشان کرتے ہین، ان کا رونا چلانا ان کو پسند ہے، کسی کا ہنسنا پسند ہے، اس کو ہنساتے ہین کسی کا رونا پسند ہے اس کو رُلاتے ہین۔

ذوقہا دارم بہ یاریہائے تو　　خوش نماید گریۂ شبہائے تو

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است　　بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا، کہ جنت و دوزخ، عذاب وثواب کو یاد کرنا بھی اللہ ہی کی یاد ہے، کیونکہ ذکر کے مراتب مختلف ہین، پس ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ جیسے بعض لوگ باوجود تقاضا کے چوری نہین کرتے، مالگذاری ادا کرنے مین سستی نہین کرتے، کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے، یعنی سزا، قید وغیرہ، اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی (اللہ کی نافرمانی) سے روکدے اور طاعات (فرمانبرداری) پر کمر ہمت چست کردے، ذکر اللہ (یا اللہ کی یاد) ہے اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لیے یہی ذکر اللہ ہے اور کسی کو اللہ اللہ کرنا معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور

Marfat.com

جس کو مراقبۂ ذات معاصی سے روکے، اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو یہ چیزین معاصی سے نہ روکین، اس کے لیے یہ حقیقی ذکر اللہ نہ ہون گی، بلکہ ذکر کی صورت ہون گی، اس کو اپنے مناسب حال حقیقی ذکر کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیے، مثلاً بعضون کے لیے نفس پہ مالی جرمانہ معاصی سے مانع ہوتا ہے، ان کے واسطے یہی ذکر ہے یہ حقیقت ہے ذکر کی اور یہی جزء ہے تمام طریق کی، بلکہ تمام شریعت کی۔

ذکر ہی جزء ہے تمام شریعت وطریقت کی | اس کے ثبوت مین مثالاً چند آیات مذکور ہین۔

"چنانچہ حق تعالےٰ فرماتے ہین، اقم الصلوٰۃ لذکری اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ سے مقصود ذکر ہے، حج کے بارے مین ارشاد ہے فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروا اللہ فی ایام معدودات اور فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف اور اگر غور کیا جائے تو تمام اعمال مین ذکر موجود ملے گا، یہ تو اعمال ظاہرہ کی چند مثالین تھین اب اعمال باطنہ مین غور کیجیے، تو وہان بھی ذکر موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خوف وخشیت وہی معتبر ہے جس کا منشا ذکر اللہ ہو، یہ مقامات کا بیان تھا، کیونکہ اعمال ہی کو مقامات کہا جاتا ہے، اب احوال مین غور کیا جائے، تو ان مین بھی ذکر کو دخل ہے، چنانچہ ارشاد ہے، الا بذکر اللہ

Marfat.com

تطمئن القلوب[1] کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلب کو اطمینان ہوتا ہے اطمینان کے دو درجے ہین ایک تو مقام ہے، جو تصدیق و اذعان کا درجہ ہے اور ایک حال ہے، جس کو سکون و انس سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق اطمینان کے لیئے ذکر اللہ کو سبب بتلایا ہے، اس لیئے اس کے عموم مین مقام و حال دونون داخل ہین، اگر عموم سے استدلال نہ ہو تو مشاہدہ خود اس کی دلیل ہے، کیونکہ واقعی دل کو راحت اور چین ذکر اللہ ہی سے نصیب ہوتا ہے۔

گر گریزی بہ امیدے راحتے — ہم ازان جا پیشت آید آفتے
ہیچ گنجے بے درد بے دام نیست — جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

خلوت گاہ حق سے مراد اللہ کے ساتھ تعلق ہے، جو ذکر کی اعلیٰ فرد ہے

ذکر کی حقیقت و صورت مین فرق و تمیز کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تجدید و تحقیق کی یہ تفصیل باوجود کسی قدر تطویل کے ضروری و اہم تھی اس لیئے کہ غیر محقق درویشون نے اسمی اذکار یا محض صورت ذکر پر اتنا زور دیدیا ہے، کہ ذکر کی حقیقت گم ہو کر رہ گئی۔ ماحصل حضرت کی اس مجددانہ تحقیق کا یہ نکلا کہ حقیقی ذکر وہ ہے جس مین بلا واسطہ (یا بواسطہ عذاب و ثواب جنت و دوزخ وغیرہ) مذکور کا استحضار ہو۔ احقر نے اسی کو ابتدا مین یون عرض کیا تھا، کہ ذکر و یاد کے معنی یہ ہین، کہ مذکور یعنی جس کی یاد آئے، یا جس کو یاد کیا جائے، قلب یا ذہن اس کی طرف متوجہ ہو۔

---

[1] اس وعظ کے جملون مین ذکر سے متعلق اور بھی بہت سی آیات نقل فرما دی گئی ہین ۱۲

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کی اس حقیقی یاد و ذکر یا مذکور کی طرف توجہ اور اس کے استحضار کی علامت بلکہ لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ دیدہ و دانستہ نافرمانی یا معصیت کا ارتکاب یا فرمانبرداری و طاعت مین کوتاہی عملاً ناممکن ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، رضا و ناراضی یا عذاب و ثواب ہمارے پیش نظر ہو، اور پھر ہم اس کی پرواہ کریں۔ اس حقیقی یاد یا ذکر ہی کا نام حدیث مین احسان ہے جو محققین کے اسلامی تصوف کا منصوص نام ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح بجالاؤ، کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم کو اس کو نہین دیکھ رہے ہو تو وہ تو دیکھ ہی رہا ہے ظاہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد نصیب ہو جائے کہ گویا یہ ہمہ وقت اس کے سامنے اور حضوری مین ہے، یا کم از کم اس کی رضا و ناراضی، عذاب و ثواب ہی کا استحضار رہے، تو بشری بھول چوک کے علاوہ کسی چھوٹی بڑی نافرمانی کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے۔

ذکر اللہ کے حصول کا طریقہ اسی آیت مین جس پر اکبر الاعمال کا یہ وعظ ہے ولذکر اللہ اکبر کے بعد ہی دوسرا ٹکڑا واللہ یعلم ما تصنعون ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے، اس کا مطلب یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد حقیقی معنی مین ہو، تو کم از کم اتنا تو پیش نظر رہنا ہی چاہیے کہ ہمارا ہر فعل و عمل اللہ کے علم مین ہے، اور وہ جان اور دیکھ رہا ہے، (فانہ یراک) نیز ذکر اللہ کی حقیقت کو حاصل کرنے کا سہل طریقہ یہی ہے کہ اس کے حاضر و ناظر یا عالم و رائی ہونے کا مراقبہ رہے۔ اسی وعظ کے آخری

Marfat.com

ضمیمہ مین ہے کہ

"اس جملہ مین ذکراللہ کی تحصیل کا طریقہ بتلایا گیا ہے، کہ اس مضمون کو پیش نظر رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے ہر عمل کا علم ہے، اس مراقبہ سے ذکراللہ بسہولت حاصل ہو جائے گا، اور تمام اعمال کی تکمیل ہو جائے گی، کیونکہ ہمارے تمام اعمال کی کوتاہی کا سبب یہی ہے، کہ ہم اعمال کو بدون سوچے سمجھے ادا کرتے ہین۔ اگر یہ سوچ کر عمل کرین کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہو رہا ہے، کہ ہم کیسے ادا کر رہے ہین، تو عمل اچھی طرح ہو، اور اگر یہ مراقبہ راسخ ہو جائے، تو معاصی سے اجتناب آسان ہو جائے یہان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکراللہ کی حقیقت محض زبانی ذکر نہین، بلکہ وہ دوسری چیز ہے، جو مراقبۂ علم سے مثلاً حاصل ہوتی ہے، پھر خواہ مراقبۂ علم اس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو جانتے ہین، اگر کوتاہی ہوگی، تو عذاب ہوگا، یا اس طرح ہو کہ محبوب کو میری عبادت کا علم ہے، وہ مجھ سے اس حالت مین ناراض ہوگا، وغیرہ وغیرہ" (صـ۳۶)

غرض اگر حقیقی تصوف کا حقیقی ذکر میسر ہو تو مومن و مسلم کی زندگی کی ہر حرکت، ہر سکون اور ساری زندگی ذکر ہی ذکر اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی یاد ہے خواہ یہ یاد کسی درجہ اور کسی پیرایہ مین ہو، خواہ اس کے ثواب و عقاب کی یاد ہو خواہ اس کی رضا و ناراضی کی یاد ہو، خواہ اس کی ذات کی یاد ہو۔

باقی حضرات صوفیہ کے ہان ذکر لسانی کا جو اتنا اہتمام ہے، اس کا بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب مین مذکور کی یاد رچ اور بس جائے۔ یہ نہ بھی

Marfat.com

ہو تو اِدھر اُدھر کی لغو و فضول باتون اور گپ زنیون کے بجاے نفس زبان ہی کا ذاکر رہنا کیا کم ہے۔ اس کے علاوہ اگر لسانی ذکر کے ساتھ قلب مسلسل نہ بھی متوجہ رہے تو بھی اگر صوفیانہ طریقون سے قلبی توجہ کے ساتھ ذکر لسانی کی مشق کی گئی ہے، تو دنیا کے دھندون مین انہماک کے باوجود زبان کی یاد کے ساتھ وقتاً فوقتاً قلب بھی ضرور کچھ نہ کچھ متوجہ ہوتا رہتا ہے۔ یون بھی اگر کسی کا نام زبان ہی سے ہر وقت اٹھتے بیٹھتے لیتے رہو تو دوسری مصروفیتون کے باوجود درمیان درمیان دل مین اس کا خیال آتا ہی رہے گا۔ اسی بنا پر حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ صوفیا کے متعارف ذکر قلبی کے مقابلہ مین (جس مین قلب کے ذہول یا عدم توجہ کا اندیشہ رہتا ہے) ذکر لسانی کی ترجیح و فضیلت کے قائل تھے۔

ذکر قلبی افضل ہے یا لسانی ایک مولوی صاحب نے بعینہٖ یہی سوال پیش کیا، کہ ذکر قلبی افضل ہے یا لسانی؟

"فرمایا کہ ذکر کے متعلق مختلف احکام ہین، بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہین، انمین ذکر لسانی افضل ہے، باقی جو ذکر زبان سے نہ کیا جائے اجر اس پر بھی ہے، یہ ذکر قلبی ہے جس سے ہر وقت قلب مین یاد رہے، مگر اس مین قوی اندیشہ رہتا ہے، قلب سے ذہول کا، اور ذکر لسانی مین یہ اندیشہ نہین، اس اعتبار سے قلبی سے لسانی افضل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا، تو زبان خالی رہے گی، اور اگر زبان سے ذکر کرے گا تو اس کے ساتھ قلب بھی ادنیٰ توجہ کے

Marfat.com

ساتھ متوجہ رہے گا۔"[1]

یہان ذکر قلبی سے مراد صوفیہ کا وہی متعارف واصطلاحی ذکر ہے، جس کو قلب کا جاری ہونا کہا جاتا ہے، اور جو اس طرح مشق سے ہو جاتا ہے کہ قلب کی طرف متوجہ ہو کر مثلاً یہ تصور کیا جائے کہ اسکی حرکات کے ساتھ اللہ اللہ یا لا الہ الا اللہ نکل رہا ہے، تو کچھ عرصہ کی مشق کے بعد قلب کی طرف توجہ سے ایسا ہی سنائی دینے لگتا ہے۔ لیکن یہ اکثر خصوصًا دماغی مصروفیت کی حالت مین نہین رہ سکتا، چنانچہ کسی طالب نے لکھا تھا کہ

"ذکر قلبی اکثر اوقات بآسانی جاری رہتا ہے، مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے، لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے کوشش کرتا ہون کہ ایسے وقت بھی بے تکلف جاری رہ سکے۔"

جواب مین تحریر فرمایا کہ

"نہین رہ سکتا، کیونکہ ایک آن مین دو طرف توجہ نہین ہو سکتی، لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہین، باقی ذکر قلبی سو اگر اس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اس پر اکتفا کا مضائقہ نہین، ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے، لسانی بھی اس کے ساتھ ضرور ہے، خواہ قلبی مین اس سے کچھ کمی ہو جائے۔"[2]

یہ وہی اصطلاحی ذکر قلبی ہے، کہ چونکہ اس کا دارومدار تصور پر ہے،

---

[1] الافاضات الیومیہ ملک حصہ ہفتم ۱۲

[2] الشرف السوانح حصہ سوم ص۱۵۴ ۱۲

Marfat.com

کہ قلب کی حرکت یا دھڑکن سے فلان آواز نکل رہی ہے، اس لیئے جب دماغ دوسرے تصورات مین مصروف رہتا ہے، تو یہ جاری نہین رہ سکتا بخلاف لسانی کے کہ وہ اس صورت مین بھی جاری رہ سکتا ہے۔

"ایک شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہوگیا، آپ نے فرمایا کہ دل دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہین کہتے، قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خداوند تعالیٰ کی یاد دل پر حاضر رہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہین کہ فلان بزرگ کی بوٹیان تھرکتی ہین، یہ بہت کامل ہین، اور جن لوگون مین یہ باتین نہین ہوتین، ان کی نسبت کہتے ہین کہ نیک بخت ہین، ان مین کمالات باطنی نہین، حالانکہ کمالات باطنی بالکل مخفی ہین، ان کو بوٹیون کے تھرکنے سے کچھ تعلق نہین[1]"

ذکر کے باب مین ایک بڑی خطرناک غلطی جس مین بعضون کو ابتلا یہ ہے کہ نفس ذکر ہی تمام اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیئے کافی جانتے ہین، اور استدلال اس ابتلا سے بھی عجیب تر ہے، کہ "انا جلیس من ذکرنی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اللہ سے قریب رہ کر اللہ کی نافرمانی یا معاصی مین کیسے مبتلا ہوگا، لہٰذا اور تدابیر کی ضرورت نہین۔

"حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ ذکر نی مین خود تدابیر اصلاح بھی داخل ہین، تو بدونِ معالجۂ امراض کے ذکر ہی متحقق نہ ہوگا، دیکھو

---

[1] الرئیس فی سواء الطریق ص۲۳

Marfat.com

حصن حصین مین ہے۔ بل کل مطیع اللہ فھو ذاکرٌ[1]۔ سنئے ذکر کے معنی ہین یاد تو یاد تو سب طریقہ سے ہوتی ہے، نہ کہ محض زبان ہی سے نام لے لے، کیا یہ یاد ہے کہ جس کی یاد کا دعوےٰ ہو، نہ اس سے بات کرے نہ اس کے خط کا جواب دے، نہ اس سے ملے، نہ اس کا کہنا مانے، یہ ہرگز یاد نہین تو جو ذکر بدون اصلاح کے ہو، وہ ایسی ہی یاد ہے[2]۔

یہ غلطی اچھے اچھے مشائخ مین اتنی عام ہے کہ مرید کر کے بس کچھ اذکار کی تعلیم فرما کر فارغ ہو جاتے ہین، اعمال و اخلاق کی کوتاہیون یا امراض پر نہ کوئی روک ٹوک، نہ علاج و تدبیر، بلکہ طالب اگر کسی مرض کو بیان کرے تو اس کے لیئے بھی اکثر کوئی ذکر یا وظیفہ ہی اور تجویز فرما دیا جاتا ہے، حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کی رائج الوقت عامیانہ تصوف مین درحقیقت یہ بڑی اہم تجدید و اصلاح تھی، کہ اعمال و اخلاق کے مواخذہ و معالجہ کے مقابلہ مین مروجہ اذکار و اشغال اور اوراد و وظائف کی حیثیت بالکل دوسرے اور تیسرے درجہ کی تھی، ان کا ذکر مجلس مین شاذ و نادر ہی آتا، لیکن اعمال و اخلاق پر روک ٹوک دن رات رہتی۔

"ایک طالب نے اپنے خط مین کوئی آسان وظیفہ یا طریقہ پوچھا جس سے طاعات مین ترقی اور معاصی سے اجتناب میسّر ہو، جواب مین

---

[1] بلکہ اللہ کا ہر فرمان بردار (اپنی فرمان برداری و اطاعت کے تمام حرکات و سکنات مین) دراصل اللہ تعالیٰ کی یاد ہی مین ہوتا ہے (خواہ زبان سے ذاکر نہ ہو) ۱۲

[2] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۱۹۵ ۱۳

Marfat.com

تحریر فرمایا کہ طاعات و معاصی دونون امور اختیاریہ ہین جن مین تکلیف کو کچھ دخل نہین رہا۔ طریقہ سوا امور اختیاریہ کا طریقہ استعمال اختیار کے سوا اور کچھ نہین "

کسی اور موقع پر فرمایا کہ

" نرا وظیفہ اصلاح کے لیئے ہرگز کافی نہین، نرے وظیفے والے پیرون سے واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو، اصلاح تو ہوتی ہے، اصلاح کے طریقہ سے "

غرض ذکر کی جو اصل حقیقت ہے، یعنی مذکور کی دل سے یاد اور اس سے غافل نہ ہونا، یہ تو شریعت کا عین مقصود، بلکہ عبادت و اطاعت کا اعلیٰ ترین مقام احسان ہے، کہ وہ مذکور کے اس طرح استحضار کے ساتھ ادا ہو، کہ گویا ہم اس کے سامنے حاضر ہین، اس کو دیکھ رہے ہین، یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ مسلمان کی ساری زندگی بندگی ہے، اسلام کے معنی ہی بالکلیہ اطاعت یا سرافگندگی و سپردگی کے ہین، اور حضرت مجددؒ کی تجدید تصوف کا خلاصہ بھی یہی دو باتین ہین، طاعت کا اہتمام، اور دوام ذکر یا معصیت و غفلت سے اجتناب تام، اور تصوف یعنی خدا کی اس کمالِ بندگی یا عبدیت خالصہ کی راہ کے قصد یا قصد السبیل الی المولی الجلیل کے نام سے جو دستور العمل مرتب فرمایا گیا ہے، اس مین تفصیلی تفہیم کے بعد ارشاد ہے کہ

خلاصۂ طریق طاعت و ذکر | میزانِ کل اور خلاصہ طریق الی اللہ کا کل دو چیزین ہین طاعت اور ذکر، معصیت سے طاعت فوت ہو جاتی

Marfat.com

ہے، اور غفلت سے ذکر مختل ہو جاتا ہے، اس لیئے اپنا اصلی کام طاعت و ذکر پر دوام رکھنے اور معصیت و غفلت سے بچنے کو سمجھے[1]"

سالکین کے چار طبقات باقی اشغال و مراقبات، احوال و کیفیات، کشف و کرامات، بیعت و نسبت وغیرہ کی جو حیثیت و حقیقت تصوّف کے اس متن متین دستور العمل (قصد السبیل) مین واضح فرمائی گئی ہے، اس کا اندازہ صرف اس سے فرمایا جا سکتا ہے، کہ اس راہ کے قصد کرنے والون کو چار طبقات عامی مشغول، عامی فارغ، عالم مشغول، عالم فارغ مین تقسیم فرما کر عامی مشغول و فارغ دونون کے لیئے اشغال کی سرے سے ممانعت فرمائی ہے۔ کہ:

"اس مین طرح طرح کے خطرات ہین جن کا تحمّل عامی سے نہین ہو سکتا عالم مشغول تک کے دستور العمل مین یہ قید ہے کہ

"شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کرین، البتہ چندے شیخ کے حضور مین اگر یہ کام کیا ہو اور وہ اب بھی اس کو تجویز کرے۔ تو مضائقہ نہین[2]۔

ورنہ تصوف کے اس تجدیدی دستور العمل کی رو سے متعارف صوفی بننے کی اجازت صرف "عالم فارغ" یعنی ایسے علماء ہی کو ہے، جو ایک طرف دین و شریعت کا پورا علم رکھتے ہین، اور دوسری طرف فکر معاش سے فارغ ہین "تاکہ نہ جاہل صوفیون کے خلاف شرع رسوم و بدعات کا شکار ہو سکین"

---

[1] قصد السبیل الی مولی الجلیل ص۱۰ ۱۲

[2] قصد السبیل الی مولی الجلیل ص۱۰ ۱۲

Marfat.com

اور نہ اشغال و مراقبات یا اُن کے ثمرات و کیفیات وغیرہ کے عدم تحمل کی وجہ سے حدود سے تجاوز کر سکیں۔ چنانچہ عالم فارغ کے دستور العمل میں ان چیزوں کی حسب ضرورت اجازت کے باوجود ان کی حدود حیثیت پر پوری طرح متنبہ فرما دیا گیا ہے مثلاً ذکر میں جہر و ضرب کی نسبت ارشاد ہے کہ

"جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے اور حدیث میں جو وارد ہے کہ اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا یہ ہمارے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے، اور بعض نے اس کو جہر مفرط پر محمول کیا ہے، جس سے دوسرے متاذی ہوں مثلاً سونے والوں کو تشویش ہو، اور امام ابو حنیفہ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہات ہیں، ورنہ جہر فی نفسہ جائز ہے، جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے رفع الصوت بالتکبیر کا علامت انصراف عن الصلوٰۃ ہونا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور سنن میں وتر کے بعد سبحان الملک القدوس مروی ہے"

"اور حکمت جہر میں یہ سمجھی گئی ہے، کہ اس میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں، کیونکہ اپنی آواز جو کان میں آتی رہتی ہے، قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے، سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔

"اسی طرح ضرب میں بھی قربت نہیں، ہمیں بھی ایسی ہی طبی حکمت ہے، وہ یہ کہ حرکت عنیفہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے، اور حرارت سے رقت اور رقت سے تاثر اور تاثر معین ہوتا ہے اطاعت اور محبت

Marfat.com

یمین، جو مقاصد ہین، بس ضرب ذریعۂ مقصود ہونے کی بنا پر مقصود بالغیر ہے، لیکن زیادہ ضرب سے قلب مین خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے لہٰذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

"یہ تو اس کے متعلق تحقیق علمی تھی، ایک اور عمل اس مین قابلِ تنبیہ ہے، کہ اکثر کتبِ فن مین اس ذکر کے ساتھ گردن کو داہنے یا بائین لے جانے کو لکھا ہے، سو جان لینا چاہیئے کہ پہلے لوگون کے مزاج دماغ قوی تھے، اس کے متحمل ہوتے تھے، بلکہ بوجہ قوتِ مزاج بدون اس کے متاثر نہ ہوتے تھے، اس لیئے اُن کو اس کی ضرورت تھی، اب خود ہی ضعف غالب ہے، تھوڑے شاغل سے قلب متاثر ہو سکتا ہے، اس لیئے ایسا نہ کیا جائے، ورنہ دماغ کے ماؤف ہونے کا اندیشہ ہے[1]۔

عالم فارغ کے لیئے اس دستور العمل مین جو مراقبہ تجویز فرمایا گیا ہے، وہ مراقبۂ موت ہے، یعنی موت کے بعد سے حساب و کتاب وغیرہ کے واقعات کا اس طرح تصور کرنا کہ گویا وہ ہم کو پیش آ رہے ہین۔ اس کی بھی حکمت و غایت یہ ہے کہ کثرت ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہو گی، یہی حب و بغض اس کا کام بنا دینے کے لیئے انشاء اللہ کافی ہون گے۔

"بس تقوی کا التزام اور یہ ذکر اور یہ مراقبہ کافی ہے، عمر بھر اس پر مداومت رکھیئے، تو آخرت مین تو ثمر یقینی ہے، اور اصل وعدہ

---

[1] قصد السبیل الی مولی الجلیل صفحہ ۱۲

Marfat.com

عطائے ثمرات کا آخرت ہی مین ہے لیکن دنیا مین بھی اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہو گا تو اس کے قلب پر علوم عجیبہ و معارف جن کے باب مین مولانا کا ارشاد ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق، محبت و انس و ہیبت و انکشاف اسرار احکام و حسن و معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائض ہون گے، جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے، اور یہ امور حالات کہلاتے ہین، یہی علوم کشف الٰہی کہلاتے ہین کشف کوئی نہ لذت مین اس کی گرد کو پہونچتا ہے، نہ قرب مین اس کو اس کا سا دخل ہے "

اصل مین تو تقوی و طاعت کے اہتمام کے ساتھ منصوص و مامور کثرت و دوام ذکر ہی کو کافی قرار دیا گیا ہے، لیکن بعضون کو مدت تک ذکر کرنے کے باوجود حضور قلب و یکسوئی میسر نہین ہوتی، ان کے لیئے کسی مناسب شغل مین مضائقہ نہین، مثلاً ایک سہل شغل الخد ہے، جس مین کچھ لذیذ آوازین سنائی دیتی ہے -

"بلکہ بعض اوقات نہایت دلربا و دلفریب آوازین پیدا ہوتی ہیں، جو شاغل کو محو کر دیتی ہین، اور محسوس و لذیذ چیز کی طرف متوجہ ہونے سے طبعًا دوسرے خطرات کم ہو جاتے ہین، تو اس سے ذہن کو ایک طرف پوری توجہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے"

Marfat.com

لیکن چونکہ شغل خود مقصود نہین ہوتا، اس لیئے جب یہ عادت ہوجاتی ہے، تو اس کو چھڑا کر توجہ کی عادت کو حقیقی مقصود کی طرف پھیر دیتے ہین، جس کی طرف اوّلاً بوجہ اس کے غائب عن الحواس ہونے کے متوجہ ہونا مشکل ہوتا تھا، ساتھ ہی اس سلسلہ مین اور ایک بڑے خطرناک دھوکے پر متنبہ فرمایا گیا ہے، کہ اس شغل مین جو آواز سنائی دیتی ہے، وہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی کوئی صفت نہین ہے، جیسا کہ بعضون کو دھوکا ہوگیا ہے، بلکہ عالم غیب مین سے کسی مخلوق کی بھی کوئی صفت نہین، صرف اس کے دماغ مین ہوا بند ہو کر متموج ہونے لگتی ہے۔ اشغال وغیرہ کے اس قسم کے آثار کو جو محض اپنے دماغ ہی کے آفریدہ تخیلات ہوتے ہین، جاہل صوفیہ یا اشراقیہ خدا جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہین، کہ عالم غیب کے اسرار اُن پر کھل گئے ہین، اور انھین کو مقصود بلکہ معبود بنا لیتے ہین۔

حالانکہ جس طرح اس آواز کا محل دماغ ہے، اسی طرح کبھی دوسرے اشغال یا اذکار مین بھی مختلف الوان کے انوار جو نظر آنے لگتے ہین، وہ اکثر اپنے ہی دماغ کی صورتین ہوتی ہین۔ چنانچہ غیر شاغل بھی اگر اسی طرح آنکھین بند کرکے دیکھے تو بعض اوقات اس کو بھی مختلف رنگ نظر آیا کرتے ہین اس سے کبھی دھوکا نہ کھائے نہ ان چیزون کی طرف التفات کرے بلکہ اگر واقعی عالم غیب کی چیزون کا کشف ہونے لگے جیسا کہ کبھی کبھی یکسوئی مین ہو بھی جاتا ہے، تب بھی ہرگز ادھر متوجہ نہ ہو نہ اس سے لذت حاصل کرے، خواہ وہ مکشوفات ناسوت کے

Marfat.com

ہمن یا ملکوت کے، لیکن ہین سب غیر مطلوب حتیٰ کہ حسب ارشاد حضرت مرشد (حاجی امداد اللہ) علیہ الرحمۃ حجابِ ظلمانی سے حجاب نورانی اشد ہے، طالب کو اس کی نفی کرنا اور اس مضمون پر نظر رکھنا چاہیئے ؎

عشق آن شعلہ است چون برفروخت ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت
تیغ لا در قتلِ غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ سوخت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت (ص۱۴)

یہی نہین کہ اشغال و مراقبات تصوّف کے مقاصد نہین، بلکہ چونکہ محض تدابیر ہین، اس لیئے جن اشغال و مراقبات مین مضرت کا احتمال ہے، ان کو سرے سے عوام کیا خواص کے لیئے ممنوع و متروک قرار دیا ہے، مثلاً اشغال مین شغل رابطہ و تصور شیخ اور مراقبات مین مراقبۂ وحدت الوجود بوجہ اس کے کہ اکثر خواص کو بھی مضر ہوتا ہے، متروک ہے، کما قال اللہ تعالیٰ فی الخمر والمیسر اذ کانا حلالین "اثمھما اکبر من نفعھما" (ص۱۵)

تجدید تصوف کے دو اصل اصول باقی حضرت کے تجدیدی و اصلاحی تصوف کی اصل الاصول دو ہی باتین ہین، جن سے بچنے کا ہر وقت اہتمام ضروری ہے، ایک غفلت جس کا علاج ذکر ہے، جس کا اوپر بیان ہوا، دوسرے معصیت، البتہ معاصی مین چونکہ عام دیندار اور علمائے ظاہر زیادہ تر کبائر اور وہ بھی جو ارح کے معاصی ہی کو معاصی خیال کرتے ہین، صغائر اور قلب یا باطن کے معاصی کی بالکل یا چندان پرواہ نہین کرتے اور صوفی کا خاص مقام احسان و حضور ہے، وہ صغائر و کبائر ظاہر و باطن ہر حال

Marfat.com

مین اور ہر جگہ حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر رائی و مرئی مشاہدہ کرتا ہے، اس لیئے معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ، قلب سے ہو یا زبان سے یا ہاتھ پاؤن آنکھ کان سے سب سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ

"غفلت سے قلب کی نورانیت برباد ہو جاتی ہے، اور معصیت سے علاوہ نور قلب فوت ہونے کے مقبولیت عند اللہ بھی زائل ہو جاتی ہے اور یہ بڑا خسارہ ہے"

لہٰذا اس کے اہتمام کی بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ

"اگر احیاناً غفلت سے یا نفس کی شرارت سے کوئی قولی یا فعلی معصیت سرزد ہو جائے، فوراً نہایت ندامت و عاجزی سے استغفار و توبہ کرے، بالخصوص بعض معاصی خصوصیت سے زیادہ مضر ہین، ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام رکھے، ایک ریا دوسرے کبر، اور اسی سے گاہے تفاخر پیدا ہوتا ہے، خواہ کمال دنیوی پر ہو یا کمال دینی پر، تیسرے زبان سے کسی کی غیبت و شکایت یا کسی پر طعن و اعتراض، بلکہ اکثر فضول کلام بھی نورانیت قلب کو مضر ہوتا ہے، اس لیئے طالب حق کو لوگون سے زیادہ میل جول نہ کرنا چاہیئے، مگر بضرورت چوتھے محل نامشروع مین رغبت و شہوت سے کسی کی طرف توجہ کرنا خواہ آنکھ سے یا دل کے خیال سے، پانچوین بے جا یا اعتدال سے زیادہ غصہ کرنا یا بدخلقی و سختی کے ساتھ پیش آنا" (قصد السبیل ص۲۵)

خالی اشغال و مراقبات کو تصوف اور مقصود تصوف سمجھنے والے

Marfat.com

صوفیہ اور محض ظاہری بڑے بڑے گناہوں کو گناہ سمجھنے والے دیندار علماء دونون کا حال پیش نظر رکھ کر پھر ایک مرتبہ اوپر کی سطرین پڑھو تو معلوم ہوگا، کہ تصوف کے مقلد و منکر دونون نے نہ طریقت کو سمجھا نہ شریعت کو۔

نسبت باطن جس کو اس کے دعویدارون نے ایسا چھپایا کہ خود ان سے بھی چھپ گئی، اس کی حقیقت و علامت بھی سن لیجیے، کہ یہ ذکر و طاعت کے کمال کے سوا کچھ نہین۔

"نسبت باطن کے حصول کی علامت دو امر ہین ایک یہ ذکر اور یاد داشت کا ملکہ ایسا ہو جائے کہ کسی وقت غفلت و ذہول نہ ہو، اور اس مین زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے، دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادات و معاملات، اقوال و افعال اور اخلاق مین ایسی رغبت اور منہیات سے ایسی نفرت ہو جاوے جیسی کہ مرغوبات و مکروہات طبعیہ کی ہوتی ہے، اور دنیا کی حرص قلب سے نکل جائے، کان خلقہ القرآن، اس کی شان بن جائے، البتہ عارضی کسل یا وسوسہ جس کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو اس رغبت و نفرت کے منافی نہین"

لیکن خالی ملکۂ یاد داشت بھی نسبت کا اصل جز، نہین، یہ ملکہ تو معصیت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے، اس لیئے اصل چیز حق تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا ہے، رضا بھی وہ معتبر ہے جو جانبین سے ہو، یعنی صرف ہم ہی خدا سے راضی نہ ہون، بلکہ خدا بھی ہم سے راضی ہو، جس کا ذریعہ ظاہر ہے، کہ

Marfat.com

اطاعت وفرمانبرداری ہی ہوسکتا ہے، ارشاد ہے۔

"آج کل لوگ ملکہ یا دداشت کو نسبت سمجھتے ہین، جو صرف ذاکر کی طرف سے بھی ہوسکتی ہے، اور جو معصیت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتی ہے حالانکہ نسبتِ مطلوبہ نام ہے اس لگاؤ اور تعلق کا جو جانبین سے ہو یعنی عبد کی طرف سے حق تعالےٰ کے ساتھ اطاعت و ذکر کا تعلق اور حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق، یہ ہے نسبت مطلوبہ[1]"

کسی طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی، کہ

"نسبت کے لغوی معنی ہین لگاؤ اور تعلق کے، اور اصطلاحی معنی ہین بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت اور ذکر غالب کا، اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا، جیساکہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے، جب نسبت کے یہ معنی معلوم ہوگئے، تو ظاہر ہوگیا کہ فاسق و کافر صاحبِ نسبت نہین ہوسکتا، بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات کو سمجھتے ہین، جو ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتی ہین، مگر یہ اصطلاح جہلا کی ہے[2]۔"

ایک بے معنی بات یہ مشہور ہوگئی ہے کہ نسبت سلب کرلی جاسکتی ہے، اس کے متعلق ایک ملفوظ مین ہے کہ

"ایک کام کی بات یاد آئی، یہ جو مشہور ہے کہ فلان بزرگ نے فلان بزرگ کی نسبت سلب کرلی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب (گنگوہی) سے

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۴۵ ۱۲ [2] اشرف السوانح حصہ دوم ص۱۵۲ ۱۲

Marfat.com

فرمایا کہ نسبت قربِ الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہین کرسکتا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائین، دوسرا کون ہے جو اس کو سلب کرے، حقیقت اس سلب کی صرف یہ ہے کہ کسی تصرف سے کسی کیفیت نفسانیہ کو مضمحل کردے، جس سے نشاط کی جگہ عبادت ہوجاوے، مگر اس کا وہ مقابلہ کرسکتا ہے، لیکن اگر مقابلہ نہ کیا تو عمل مین خلل پڑنے سے اس کا اثر نسبت تک پہنچ سکتا ہے[1]"

خالق کے ساتھ نسبت وتعلق درست کیے بغیر خدمت خلق درست نہین

اسی نسبت کی بحث وتحقیق کے سلسلہ مین **صوفی** بننے بنانے کے دستور العمل بنام قصد السبیل مین ایک اور ایسی ہدایت فرمائی ہے جس کو دنیوی "قومیات وسیاسیات حاضرہ" کے اکھاڑے والے عوام وخواص لیڈر وایڈیٹر تو کیا معنی، خالص دینی مدارس وادارات والے علماے دین تک قبول کرنا کیا سننا بھی مشکل سے گوارا فرمائین گے! خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ نسبت وتعلق کچھ پختہ ومستحکم نہ ہوجائے اس وقت تک قومی وسیاسی اکھاڑے مین کودنا تو الگ رہا، درس وتدریس، وعظ وارشاد، تالیف وتصنیف کی دینی خدمات کی بھی فارغ البال ومستند عالم تک کو اجازت نہین۔ فرمایا کہ

"منجملہ اس دستور العمل کے ایک امر یہ بھی ہے کہ جب تک ایسے شخص کو جس مین کلام ہو رہا ہے کسی قدر رسوخ واستحکام کے ساتھ نسبت باطنی نصیب نہ ہوجائے، جب تک نہ تو افادۂ ظاہری مین مشغول ہو، نہ افادۂ باطنی پر

[1] الافاضات ۲۹ شعبان ۱۳۵۰ھ ۱۲

اقدام کرے، یعنی نہ طلبہ کو پڑھاوے، نہ عوام مین وعظ کہے، نہ مطب کرے، نہ تعویذ گنڈے کرنے لگے، بالکل زاویۂ خمول مین پڑا رہے، الا ان یضطر الی شیٔ من ذالک۔ .... البتہ بعد حصول نسبت کے درس و وعظ یا تصنیف و تالیف کا مضائقہ نہین، بلکہ یہ خدمتِ علم دین افضل عبادات ہے، اور اگر شیخ تعلیم و تلقین و بیعت کی بھی اجازت دیدے تو بندگان خدا سے اس افادہ مین بھی دریغ نہ کرے، اور اگر وہ اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے (صلا)

باقی جن "قومیات و سیاسیات" کا نام آج کل خدمتِ خلق رکھا گیا ہے ان مین پڑنے کا اندازہ تو اس سے فرمائیے کہ

"حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگون نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کر دیا، انھین سخت وحشت ہوئی، بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو، .... حضرت نے تجویز فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے، اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے، وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے، کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے، ورنہ خالق کا حق ادا ہوتا ہے، نہ خلق کا، یہ تجربہ ہے اور ایک کا نہین، بلکہ ہزارون اہل بصیرت کا، ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی و حضرت شاہ شجاع کرمانی کے واقعات معلوم ہین، اور حضرات خلفائے راشدین پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے۔ ع

Marfat.com

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر[1]

ان حضرات کی نسبت مع الخالق کے رسوخ کی گرد کو بھی کون پا سکتا ہے۔

مگر ہمارے اس زمانہ مین خصوصاً لادینی قومیات و سیاسیات" والون کی نقالی مین یہ فتنہ و ابتلا کچھ ایسا عام و عالمگیر ہو گیا ہے، کہ خود اپنی اور اہل و عیال کی صلاح و اصلاح سے پہلے ساری خلق و خدائی کی اصلاح و خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہین، دوسرون کا تو ذکر ہی کیا، خود حضرت علیہ الرحمۃ کے بعض صاحب علم اچھے اچھے مجازین و معتقدین تک کو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس ہدایت کی صحت ہی مین کلام ہے، یا سرے سے اس کو ناقابلِ عمل تصوّر فرمایا جاتا ہے کئی کئی دینی و علمی ادارات سے راعی و رعایا کی مسئولیت کا تعلق ہے اور ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی رائج الوقت خدمات کا بوجھ اپنے دوش پر قبول فرما رکھا ہے، کہ جن کے حقوق کا پورا کرنا کیسا ان کے معاملات سے ضروری آگاہی کی بھی فرصت نہین۔

اس قسم کے تلخ تجربون کی تلخ نوائی محض یہ واضح کرنے کے لیئے ہے کہ ہمارے جماعتی کامون مین جو ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا ہے، اس کا سبب سب سے بڑا یہی ہے، کہ خلق کا یہ حق جب ہی ادا ہو سکتا ہے، جب خالق کے ساتھ نسبت و تعلق کچھ درست و راسخ ہو، اور عند اللہ مسئولیت کا خوف و خیال دل پر غالب ہو اور عہدون اور ذمہ داریون کو آج کل کی طرح زیادہ تر جاہی و مالی

---

[1] اشرف السوانح حصہ دویم، ص ۱۲۵ ۱۲

منافع کے لیئے نہ قبول کیا جائے۔

مجاہدہ | ذکر اس کا تھا کہ اشغال و مراقبات وغیرہ تصوف کے مقاصد نہین، تدابیر ہین، یہی حال مجاہدات اور ترک تعلقات کا بھی ہے، کہ وہ مقصود و مامور اعمال و طاعات یا قرب و رضا کی راہ کی جد و جہد سعی و تدابیر کا نام ہین، خود مقصود نہین۔ مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق و عادت ہے، کہ حق کی رضا و طاعت کے مقابلہ مین نفس کی جانی و مالی اور جاہی خواہشات و مرغوبات کو مغلوب رکھا جا سکے، جس کی قرآن نے جامع تعبیر "جہاد بالانفس و الاموال" سے فرمائی ہے، اور اسی مجاہدہ پہ ہدایت کا قطعی وعدہ ہے، الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اور حضرت جامع المجددین کے جامع الفاظ مین اس مجاہدہ کی تجدید و تحقیق یہ ہے۔ کہ

"نفس کے مطالبات دو قسم کے ہین، حقوق اور حظوظ، حقوق، جن سے قوام بدن اور بقاے حیات ہے، اور حظوظ وہ جو اُن سے زائد ہون پس مجاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق کو باقی رکھے۔ اور حظوظ کو فانی کرے"

اس مین جس طرح ایک طرف افراط کی بے اعتدالی یہ ہے کہ ساری زندگی حظِ نفس کی نذر کر دیجاتی ہے، اسی طرح تفریط کی بے احتیاطی یہ ہے کہ بہتون نے مجاہدہ کا مطلب جوگیون اشراقیون کی طرح یہ سمجھ رکھا ہے کہ حقوق نفس کو بھی فنا کر دیا جائے، بلکہ روحانی نجات نام اسی کا رکھ لیا ہے کہ اس مادی و جسمانی زندگی ہی مین مادی و جسمانی حاجات سے نجات حاصل

Marfat.com

کر لی جائے۔

"آج کل صوفی بھی اس مین مبتلا ہین، کہ جس قدر نفس کی مخالفت ہوگی، خدا زیادہ راضی ہون گے، اگرچہ وہ مخالفت نفس شریعت کے خلاف بھی ہو، چنانچہ بعضون کو خبط ہوگیا ہے کہ اپنے اوپر گوشت حرام کر لیتے ہین، اسی طرح بعضے سرد پانی نہین پیتے، بعضے چارپائی پر نہین سوتے، اور بعضے جن کو دولت اسلام نصیب نہین یہان تک بڑھ گئے کہ اپنے اعضا تک کھلا دیتے ہین، مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ گرمی کے ایام مین چارون طرف سے آگ جلا رکھی ہے اور بیچ مین خود بیٹھا ہے، یہ سب جہل کی باتین ہین۔

لیکن اس سے ان لوگون پر شبہ نہ کیا جائے، جنھون نے نفس کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کیے ہین، اول تو وہ حضرات حدّ اباحت سے تجاوز نہ کرتے تھے، پھر وہ بھی بطور علاج کرتے تھے، عبادت و ذریعۂ قرب نہین سمجھتے تھے، جیسے کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے چند کھانے برائے چندے چھوڑ دے، کہ وہ اس کو عبادت نہین سمجھتا، بلکہ ذریعۂ حصول صحت سمجھتا ہے، اور اگر کوئی اس کو ثواب سمجھ کر کرے، تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا، کہ اس نے قانون شریعت مین ایک دفعہ کا اضافہ کیا، اور بدعت کے قبح کا یہی راز ہے، لیکن ان حضرات نے صرف بطور علاج کے ترک کیا، بخلاف جہلا کے کہ اس کو دین و عبادت اور ذریعہ قرب سمجھ کر کرتے ہین۔

بہرحال نفس کو راحت پہونچانا اور اس کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے ہر چیز کی حد مقرر کر دی ہے، حضرت ابو درداءؓ

Marfat.com

صحابی رات کو بہت جلگئے تھے، حضرت سلمانؓ نے اُن کو روکا، آخر مقدمہ جناب نبوی مین گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان سچ کہتے ہین اور یہ ارشاد فرمایا، ان لنفسك علیك حقاً الخ۔

(الرفیق فی سواد الطریق ص۲۳ و ۲۴)

"افسوس تصوف کا ناس کر دیا، ان جاہل صوفیون نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے، کہتے ہین، چلے کھینچو، بیوی کو طلاق دیدو، اولاد کو عاق کردو دروازہ کو تیغا کر دو، چالیس چنے رکھ لو، اور ایک چنا روز کھاؤ، بدون اس کے اصل فقیری ملتی نہین، مین کہتا ہون واللہ دوشالون مین گدّے تکیون مین، سلطنت مین، مرغن غذاؤن مین فقیری ملتی ہے، مگر گھر مین نہین شیخ کامل کی خدمت مین"۔ (اشرف السوانح حصّہ دوم ص۱۶۱)

"اور فرمایا کہ درویش کے لیئے کمبل اور گدڑی کی ضرورت نہین بلکہ اللہ تعالیٰ دے تو دوشالہ اور شاہی مین بھی درویشی حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ طریقہ سے حاصل کی جائے[1]"

واقعی کسی حقیقت شناس نے خوب کہا ہے کہ حضرت کا سلوک تو شاہی سلوک ہے، نہ ریاضات کراتے ہین نہ مجاہدات، نہ ترک تعلقات کراتے ہین، نہ ترک لذات ومباحات، بلکہ فرماتے ہین، خوب راحت وآرام سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب مین پیدا ہو، اور طبیعت مین نشاط رہے، جو معین عبادت ہو۔ البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو، نہ کم کھانے کی ضرورت،

---

[1] سوانح ص۲۳ و ص۲۳۱ ۱۲

Marfat.com

نہ کم سونے کی، یہ دونون مجاہدے آج کل متروک ہین، کیونکہ طبائع مین پہلے ہی سے ضعف غالب ہے، ہان کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے، لیکن نہ اتنا کہ جس سے قلب مین انقباض پیدا ہو جائے" یہی نہین، بلکہ یہ قضاہی سلوک شاہی سڑک بھی ہے، جس پر ہر خاص و عام بے کھٹکے چل سکتا ہے، کیا عالم کیا عامی، کیا فارغ کیا مشغول، کیا تندرست کیا بیمار، کیا قوی کیا ضعیف، کیا امیر، کیا غریب، اور یہی اصل معنی ہین دین کے یسر کے، اس لیے کہ اس میں انفرادی وسعت و استطاعت سے ایک ذرہ زائد کی تکلیف نہین، نہ ملکی آزادی پر منحصر، حکومت الٰہیہ پر۔

بلا ضرورت مشقت کا نام مجاہدہ نہین غرض مجاہدہ کے معنی نفس کو اس کے حقوق تک سے محروم کرکے خواہ مخواہ مصیبت مین ڈالنے کے بالکل نہین، بلکہ جہان تک ہو سکے بلا ضرورت نفس کو مشقت مین ڈالنے کے بجائے سہولت و راحت کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے، فرمایا

"طریق مین مقصود حاصل کرنے کی دو صورتین ہین، ایک مشکل، ایک سہل، تو سہل کو کیون نہ اختیار کیا جائے، ایک صاحب نے عرض کیا کہ کچھ مجاہدہ بھی تو درکار ہے، فرمایا مجاہدہ سے مراد یہ تھوڑا ہی ہے، کہ مشقت یا سختی مین پڑو، ایک کنوان یہان مدرسہ مین ہے، ایک جلال آباد مین، جو دو ڈھائی میل ہے۔ تو کیا آپ اس کو نفس سمجھین گے، کہ مثلاً وضو کے لیئے پانی وہان سے لایا کرین، مجاہدات و رمضات مقصود بالذات تھوڑا ہی ہین، ہان مقصود کے معین ہین، اصل چیز تو مقصود تک پہنچ جانا ہے"[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ یکم رمضان ۱۳۵۰ھ - ۱۲

جس کے لیئے ترک لذات بھی نہین، صرف تقلیل لذات کافی ہے۔

زہد کی حقیقت "ایک اہل علم نے سوال کیا کہ زہد کی بڑی فضیلت ہے، فرمایا زہد ترک لذات کا نام نہین، محض تقلیل لذات کافی ہے، یعنی لذات مین انہماک نہو، کہ رات دن اسی فکر مین رہے، کہ یہ چیز پکنی چاہیئے، وہ چیز ٹنگانی چاہیئے، کہین کے چاول اچھے ہین تو وہان سے چاول آرہے ہین، کہین کی بالائی مشہور ہے تو کہہ رہے ہین کہ بھائی وہان سے بالائی لیتے آنا نفیس نفیس کھانون، اور کپڑون ہی کی فکر مین لگے رہنا، یہ البتہ زہد کے منافی ہے، ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسر آجائین، تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے، شکر کرنا چاہیئے۔

خاص مشہور مجاہدات اربعہ یہ ہین، قلتِ طعام، قلت منام، قلت کلام، قلتِ خلط مع الانام، ان مین بھی اصل تو مقصود تقلیل ہی ہے، وہ بھی بشرط ضرورت اور بقدرت ضرورت، ورنہ

"بہت کم کھانا بھی زہد نہین، نہ یہ مقصود ہے کیونکہ ہمارے کم کھانے سے نعوذ باللہ کوئی خدا تعالیٰ کے خزانہ مین توفیر تھوڑا ہی ہو جائے گی ہان اتنا بھی نہ کھائے کہ پیٹ مین درد ہو جائے، ہمارے حاجی (امداد اللہ) صاحب کا مذاق تو یہ تھا، کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے، لیکن اس سے کام بھی خوب لے، میرا تو خیال ہے کہ مزدور خوش کند کار بیش، جس دن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اچھی چیز پکی ہے، اس دن کام کرتے وقت یہ خوشی رہتی ہے کہ فارغ ہو کر اچھی چیز کھانے کو ملے گی، نفس کے واسطے کوئی

Marfat.com

ابھارنے والی چیز ضرور ہونی چاہیئے، حضرت حاجی صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پینا چاہیئے، کہ ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے، ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی، دل شریک نہ ہوگا[1]

تقلیل سے بھی مراد حضرت کے ہاں شیخ کامل کی تعلیم کے موافق ان چار چیزون مین محض توسط و اعتدال ہے کہ "نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت و قساوت و کاہلی پیدا ہو، نہ اس قدر قلت جس سے صحت و قوت زائل ہو جائے بڑی دولت اس طریق مین قلب کی جمعیت و یکسوئی ہے، اس لیئے قلب کو تشویش و پریشانی سے بچانا بہت ضروری ہے، جس کا ایک بڑا سبب خود اپنی بے عنوانیون سے صحت کو خراب کرلینا بھی ہے۔

"اس لیئے صحت کی بہت حفاظت کرے، دماغ اور قلب کی تفریح و تقویت ہمیشہ غذا و دوا کرتا رہے، غذا مین نہ اتنی کمی کرے، کہ ضعف دیہوست ہو جائے، نہ اس قدر افراط کہ ہضم مین فتور ہو جائے،... جبتک صادق رغبت نہ ہو کھانا نہ کھائے، اور ایک آدھ لقمہ کی اشتہا باقی رہنے پر چھوڑ دے"..... اسی طرح سونے مین اعتدال رکھے، نہ بہت زیادہ سوئے کہ کسل ہو، نہ بہت کمی کرے کہ یبوست ہو جائے"[2]

اور خلط مع الانام مین، جس طرح لوگون سے زیادہ ملنا جلنا اور دوستی بڑھانا مضر ہے، اسی طرح خواہ مخواہ دشمنی خریدنا بھی بُرا ہے کہ

---

[1] اشرف السوانح ص۱۱۱ ج۲ [2] تعلیم الدین ص۴۲

Marfat.com

"دوست تو اس پر ہجوم کرکے اس کے وقت کو مشوش کرین گے، اور دشمن ایذائین پہنچا کر پریشانی مین ڈالین گے .... البتہ اگر کوئی تشویش بلا اس کے اکتساب وارتکاب کے پیش آجائے یا اس نے کسی شرعی ضرورت سے کام کیا، اس مین تشویش پیش آگئی، مثلاً سود خوار سے ہدیہ لینے سے انکار کیا، اور وہ دشمن ہوگیا، تو یہ معذور ہین، نہ اس مین مضطر ہو، حق تعالیٰ پر نظر و توکل رکھے، وہ مدد فرمائین گے، اور اگر کچھ تکلیف ہی پہونچے، تو حکمت الٰہیہ سمجھ کر راضی رہے، وہ اس کے لیئے زیادہ موجب قرب ہے،

(تعلیم الدین ص۱۹)

اسی سلسلہ مین ایک بات اور بھی یاد رکھنے کی ہے کہ

"مال کی حرص اور اس کے جمع کرنے کی فکر یا موجودہ ذخیرہ کو اسراف کرکے اڑا ڈالنا، دونون کا انجام تشویش قلب ہے، حریص تو ہر وقت اسی دھن مین لگا رہے گا، اور مسرف ذخیرہ ختم ہونے کے بعد آخر پریشانی مین مبتلا ہوگا، یا پرائے مال پر نگاہ ڈالے گا،

(تعلیم الدین ص۱۸)

غیر اختیاری مجاہدہ مجاہدہ کے باب مین ایک بڑے فائدہ کی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ مجاہدہ صرف اس مخالفت نفس کا نام نہین، جو قصد و اختیار سے یا صوفیانہ مروج طریقون سے کی جائے، بلکہ دنیا مین بلا ہمارے قصد و اختیار کے ہمارے خلاف جو دن رات واقعات پیش آتے رہتے ہین، اور ان سے ہم کو جو رنج و غم و اضطراب طبعاً لاحق ہوتا رہتا ہے، وہ سب سے بڑا مجاہدہ ہے۔

Marfat.com

"سالکانِ طریق نے حزن و غم کو اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ قرار دیا ہے، کہ اس سے نفس کو پستی و شکستگی حاصل ہوتی ہے، جو کہ آثار عبودیت سے ہے ؎

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال　　مرغ زیرک چون بدام افتد تحمل بایدش

"ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین، صاحب الحزن یقطع من طریق اللہ تعالیٰ مالا یقطع من فقد حزنہ سنینًا یعنی حزن و غم والا اللہ تعالیٰ کی وہ راہ طے کر جاتا ہے جو اس سے محروم سالہا سال مین نہین طے کر پاتا[1]

مجاہدہ سے استیصال رذائل نہین ہوتا اسی طرح مجاہدہ و ریاضت کے متعلق یہ بھی بڑے پتہ کی بات ہے، کہ اس سے یہ نہ امید رکھنا چاہئے، کہ نفس کی مخالفت کر کے رذائلِ نفس کی جڑ ہی کٹ جائے گی، یا اُن کا بالکلیہ ازالہ ہو جائے گا۔ محض اُن کا رخ بدل جاتا ہے۔

"ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہین ہوتا، بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا امالہ ہو جاتا، یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے، مثلاً کسی مین بخل و غضب موجود ہے تو ریاضت سے اس کی جڑ نہین جاتی، کہ سرے سے غضب اور بخل ہی نہ رہے، بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے، کہ پہلے مواقع خیر مین بخل، اور نیک لوگون پر غصہ کرتا تھا، اب نامشروع جگہ بخل کرے گا، اور مبغوضانِ الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا، اس طرح جو بُعد کے اسباب تھے،

---

[1] قصد السبیل ص۱۸ ۱۲

Marfat.com

وہ قرب کا سبب بن گئے"، اور اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا، کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہو سکتی ہے یا نہین، معلوم ہو گیا کہ تبدیل اصول تو نہین ہو سکتی، جیسا کہ حدیث مین ہے، اذا سمعتم برجل زال عن جبلتہ فلا تصدقوہ، البتہ تبدیل آثار و مصارف ہو سکتی ہے، اس لیئے مجاہدہ و ریاضت کا حکم ہے"۔

نفس میلان و خواہش کے ازالہ کی خواہش ایسی ہی ہے، جیسے کوئی اکل حرام سے بچنے کے لیئے یہ خواہش کرے کہ اس کو سرے سے بھوک ہی نہ لگا کرے۔

"کسی نے خواہش نفسانی سے نجات پانے کا علاج پوچھا، تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کر کے یہ دعا کرنا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جائے (سوانح حصہ دوم ص۱۳۱)

ایک اور ضروری تنبیہ | یہ فرمائی گئی ہے کہ مجاہدہ و ریاضت کے اس حکم کا یہ مطلب نہین کہ اللہ تعالیٰ اس کے پابند ہین، بغیر اس کے کبھی کچھ عطا نہین فرماتے، بلکہ یہ قید یا پابندی صرف بندہ کے لیئے ہے۔

"بے شک ریاضت و مجاہدہ کی بدولت روحانی حیات حاصل ہوتی ہے، اور اس کی قید بندہ کے لیئے ہے جس کو اس کی کوشش کرنا چاہیئے لیکن حق تعالیٰ اس کے مقید نہین، وہ قادر ہین، کبھی ایسا بھی کر دیتے ہین، کہ بدون مجاہدہ و ریاضت کے محض اپنے فضل سے دولت باطنی و حیات روحانی عطا فرما دیتے ہین، وہ بے چون و چگون ہین، اُن کے کاموں کی کیفیت و طریقہ کون متعین کر سکتا ہے، کہ اسی طرح ہوتا ہے۔

Marfat.com

"اس مقام پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے، کہ کبھی پہلے ریاضت ہوتی ہے، پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے، اس کو طریق سلوک کہتے ہین، اور کبھی وصول الی اللہ پہلے ہو جاتا ہے، پھر عبادت و ریاضت کا شوق ہو جاتا ہے، اس کو طریق جذب کہتے ہین، کہ اول کسی کامل کی صحبت یا کسی بزرگ کی حکایت سننے سے یا بلا کسی ظاہری وجہ کے قلب مین ایک قسم کی کشش و کیفیت حق تعالےٰ کے ساتھ پیدا ہو گئی، پھر تدریج سلوک کی تکمیل کرتا ہے۔

تفصیلی سلوک و ریاضت کا مطلب یہ ہے کہ توبہ، صبر و شکر، خوف و رجا، زہد و توکل، توحید، محبت و شوق، اخلاص و صدق وغیرہ کے مقامات کو ایک ایک کر کے مختلف ریاضات و مجاہدات سے حاصل کیا جائے اور شہوت و غضب حقد و حسد، بخل و حرص، عجب و ریا، کبر و غرور، حبّ دنیا، حبّ جاہ، آفات لسانی وغیرہ مختلف رذائل کو مختلف مجاہدات و معالجات سے دور کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ کتنا دور دراز اور وقت طلب راستہ ہے، خصوصاً اس کم ہمتی و کم فرصتی کے زمانہ مین تو حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کی یہ بڑی ہی اہم تجدید ہے، کہ

"اس تفصیلی علاج مین ہر وقت تین سو ہان روح تیار ہین، ماضی کی حسرت حال کے شبہات اور مستقبل کا خوف، جب محققین مجددین و مجتہدین (ومنہم اکملہم مرشدی رحمۃ اللہ علیہ) نے دیکھا، بلکہ حق تعالےٰ نے الہاماً اُن کو دکھلایا، کہ اس طریق سے بعض اوقات ۔ ع ۔

تا تو بمن می رسی من بخدا می رسم

Marfat.com

کا معاملہ ہوجاتا ہے، پھر اہل زمانہ کی قوتین ضعیف، ہمتین قاصر، توان
سب امور پر نظر کرکے ایک دوسرا طریق ترتیب اختیار فرمایا، کہ ماضی
و مستقبل سب حجاب عن الحق ہین، اور حق تعالےٰ نے اپنے مشاہدہ کے
لیئے پیدا کیا ہے، نہ کہ ماضی و مستقبل کے مطالعہ کے لیئے و لنعم ما
قال الروحیؒ ماضی و مستقبلت پردہ خداست البتہ توبہ کی ضرورت
ہے ماضی پر اور عزم کی ضرورت ہے مستقبل پر نظر ضروری تھی لیکن
ضروری کے لیئے بقدر ضرورت اتنا کافی ہے، کہ گذشتہ گناہون سے
موافق شرائط خوب توبہ کرکے پھر بار بار دل مین ان کا سبق نہ دہراتا
رہے، اور مستقبل کے لیئے اللہ پر بھروسہ کرکے اس کا قصد کرے کہ انشاءاللہ
پھر یہ گناہ نہ کرون گا، اس کے بعد ہر وقت اس تضمین نہ لگا رہے۔
"اس سے زیادہ دوسرا کام ہے، جس کو حدیث مین ان لفظون مین
تعبیر فرمایا گیا ہے، راقب اللہ تجد تجاھك (اللہ کا دھیان رکھو اس کو
اپنے سامنے پاؤگے) بس اس کام مین لگ جانا چاہیئے، یعنی ذکر و فکر اور
عمل کے وقت عمل مین کہ وہ بھی ذکر مین داخل ہے، خلاصہ یہ کہ قرب
کو مقصود سمجھے اور جو طریق اس کے لیئے مقرر ہے، یعنی عقائد کی تصحیح کے
بعد اعمال اختیاریہ کہ جس وقت کا جو عمل ہو، خواہ ظاہری مثل صلوٰۃ
و زکوٰۃ، خواہ باطنی جیسے خوف و رجا، شکر و صبر وغیرہ، بس اس مین
مشغول رہے، اور جو بُعد کے اسباب ہین یعنی ظاہری و باطنی معصیت
اس سے مجتنب رہے، نہ اس کی ضرورت ہے، کہ اسباب قرب مین ملکہ

Marfat.com

پیدا کرنے کی فکر کرے، نہ اسکی حاجت کہ اسباب بُعد کے مادہ کو منقطع کرے۔

"بس امور اختیاریہ مین جس مین کوتاہی ہو جائے، اس کو مضر و مہتم بالشان سمجھے، اور اس کی اصلاح کرے، اور امور غیر اختیاریہ کے وجود و عدم پر التفات بھی نہ کرے، اور اصلاح مین بھی زیادہ کاوش نہ کرے، مثلاً اگر کسی ضروری عمل مین خلل ہو گیا، اس کی قضا یا تلافی کرے، اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا، اس سے استغفار کرے، اور پھر اپنے کام مین لگ جائے، اسی ایک بات کے پیچھے نہ پڑ جائے، کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیون ہوا، یا یہ کام کیون نہین ہوا، یہ غلو و مبالغہ ہے، جس سے کتاب و سنت مین منع فرمایا ہے، لا تغلوا فی دینکم من شاد شاد اللہ علیہ سددوا و قاربوا و استقیموا، حضرت عارف تیرازی فرماتے ہین۔ ع

سخت می گیرد جہان بر مردمان سخت گیر

اور اسی غلو و مبالغہ کا اثر خصوصًا اس وقت کے قوی اور ہمتون پر یہ ہوتا ہے، کہ بہت جلد مایوسی اپنا رنگ لاتی، اور سالک کو معطل کر دیتی ہے، اور کبھی جان پر کبھی ایمان پر اس کا اثر پہونچتا ہے، جان پر تو یہ کہ صحت خراب ہو جاتی ہے، اور ایمان پر یہ کہ باوجود عمل و علاج مین اتنی شدید کوشش کے جب وہ کامیابی نہین میسر نہین ہوتی، جس کو ہم نے کامیابی فرض کر لیا ہے، یعنی شفاے مطلق یا اس مین تاخیر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ سے تنگی و شکایت پیدا ہو کر کراہیت و ناراضی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے،

Marfat.com

کہ ہم کو اتنے دن مجاہدہ مین سر مارتے ہوگئے، مگر والذین جاھدوا
کے وعدے خدا جانے کہان گئے۔

"ایک اور مرض لگ جاتا ہے کہ اپنے عمل کو بالغ، اور اپنی سعی کو بالغ سمجھ کر ہر وقت ثمرات کا منتظر رہتا ہے، پس اپنے عمل کا پتہ حق تعالے کی عطا سے بڑھا ہوا سمجھتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی اپنے کو کامیاب نہین سمجھتا، اس لئے ناشکری مین مبتلا رہتا ہے، اور اگر بزعم خود کامیاب بھی ہوگیا، اور پھر وہ کامیابی زائل ہوگئی، کیونکہ ایسے انقلابات عمر بھر رہتے ہین، تو پھر وہی تنگی و پریشانی شروع ہوجاتی ہے، اس طرح یہ سلسلہ عمر بھر منقطع نہین ہوتا، اور خود اس کا نفس یا اس کو دیکھ کر دوسرون کا نفس کہتا ہے، کہ اس راہ خدا سے خدا کی پناہ جس مین بجز مصیبت کے راحت کا نام نہین"[1]

ان مفاسد و خطرات کی بنا پر نہایت تاکید کے ساتھ جا بجا ہدایت فرمائی گئی ہے، کہ اس غلو و مبالغہ اور ان تدقیقات و تعمقات مین ہرگز نہ پڑے حتی کہ

"اگر کوئی محمود وارد آوے، تو نہ اس کو کمال سمجھے، نہ اس کے بقا کی تمنا کرے، نہ اس کے فوت پر حسرت، اسی طرح اگر کوئی وسوسہ پیدا ہو، اس کے دفعہ مین بھی تن دہی نہ کرے، بس ذکر کی طرف وہ بھی سرسری طور پر متوجہ ہوجائے، کہ نہ دفع ہو نہ سہی، یعنی ذکر قرب کے قصد سے

---

[1] اصول الوصول ص۳۷، بحوالہ تسہیل الریاضت منقول عن الابتلا لاہل الصفا ص۲۹ تا ص۳۳، ۱۲

کرے، نہ کہ وسوسہ دفع کرنے کے قصد سے، خلاصہ یہ کہ حق کی رضا کا طالب اور ناراضی سے ہارب رہے، یہ رضا و ناراضی منحصر ہے اوامر کے عمل، اور نواہی کے اجتناب پر، عمل اگر فوت ہوا تو قضا کرے، اور نہی کا ارتکاب ہو تو استغفار کرے، نہ اپنے کو خواص مین سمجھے، کہ عاصیون کی سی اپنی حالت سے گھبرائے، اور نہ دنیا مین ثمرات کا، اور نہ آخرت مین مراتب عالیہ کا طالب رہے، بس اس کی دعا کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا مین اعمال کی توفیق اور آخرت مین جنت عطا فرمائین اور دوزخ سے نجات بخشین، بس ہو گیا مسنون سلوک[1]

ایک شبہ اب اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر محض وسوسہ یا معصیت کا محض میلان مضر نہین، ان پر عمل مضر ہے تو اس کے لیے مجاہدہ کی کیا ضرورت۔

"جواب یہ ہے کہ واقعی اس کے لیے مجاہدہ فرض و واجب نہین، صرف یہ نفع ہے کہ معصیت کے میلان کا مقابلہ کرنے مین زیادہ تعب و تکلیف نہین ہوتی، آسانی سے آدمی نفس پر غالب آجاتا ہے، اور غیر مجاہد دشواری سے، بس یہ فائدہ ہے مجاہدہ مین، یہ نہین کہ سرے سے میلان جاتا رہتا ہو، اس کی ایک مثال دیا کرتا ہون، کہ گھوڑا شائستہ ہو کر بھی کبھی شرارت و شوخی کرتا ہے، مگر بوجہ خایستگی کے جلد رام ہو جاتا ہے، بخلاف غیر خایستہ کے کہ اس کے رام کرنے مین بہت مشکل

---

[1] اصول الوصول بجواز التسہیل الریاضت منقول عن الابتلاء لاہل الصفا ص۲۹ تا ص۳۳ ۱۲

Marfat.com

لاحق ہوتی ہے[1]۔"

تفصیلاتِ بالا سے ان مجاہدات و ریاضات کی حقیقت و ضرورت، اُن کے مفاسد و خطرات سب پوری طرح واضح ہو گئے، جن کو بہت سے مسلمان نافہم صوفیہ نے بھی اشراقیون اور جوگیون کی طرح اور ان کے زیر اثر اسلامی تصوف کا بھی اصل مقصود بنا رکھا ہے۔

مجاہدہ کا اصل ثمرہ کیفیات نہین۔

اب ذرا ان واردات و کیفیات، توجہ و تصرفات، کشف و کرامات، مواجید و لذات کی حیثیت و حقیقت غور سے سن لین، جن کو ان مجاہدات و ریاضات کے اصلی ثمرات قرار دے لیا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مجاہدات بذاتِ خود مقصود نہین، اسی طرح اُن کے یہ ثمرات بھی نہ مقصود بالذات ہین، اور نہ ان کا مجاہدات پر مرتب ہونا لازم ہے، اور جس طرح مجاہدہ و ریاضت کی حیثیت تدبیر و علاج کی تھی، اسی طرح ان ثمرات کی حیثیت صحت کی ہے، کہ صحت سے بھی اصل مقصود مقاصد زندگی کی تکمیل یا نشاط و سہولت کے ساتھ تکمیل ہے، جیسے مرچ کہ وہ غذا نہین، مگر غذا مین اس سے لذت پیدا ہو جاتی ہے۔

"فرمایا آج کل لوگ کیفیات کے پیچھے پڑے ہین، جو کہ غیر مقصود ہین گو یہ کیفیات غیر مقصودہ لذیذ ہوتی ہین، جیسے مرچ کہ تغذیہ مین غیر مقصود ہے مگر لذیذ ہے، اور اب تو لوگ ان کیفیات ہی کو مقصود سمجھ کر گویا نری مرچون کا ہی سالن کھاتے ہین، بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر روپیہ کا سکہ خوبصورت

---

[1] اصول الوصول بحوالہ تسہیل الریاضت منقول عن الابتلاء لاہل الصفا ص۲۹ تا ص۳۳۔ ۱۲

نہ ہو، پھر بھی چونسٹھ ہی پیسے ملین گے، اور سیسہ یا رانگہ کا ٹکڑا گو بہت چمکدار اور خوبصورت ہو، مگر بازار مین نہ چلے گا، اسی طرح بازار آخرت مین کیفیات یا لذات جو حقیقت کے اعتبار سے سیسے یا رانگے کے ٹکڑے ہین وہان نہ چلین گے۔[1]

"واردات غیبیہ یا ذوق وشوق اصل ثمرہ نہین، تربیت کا محض ایک ذریعہ ہے، وہ بھی بعض کے لیئے غیبی طور پر، اور دوسرا ذریعہ تربیت کا بلا مواجید کے صرف ہمت سے کام لیتا ہے۔[2]

تصوّف کی حقیقت دو جملون مین | یہ واردات وکیفیات دراصل انفعالات ہین اور طریق مین افعال مقصود ہین، انفعالات نہین، حضرت علیہ الرحمہ نے ایک مولوی صاحب کو انہی دو جملون مین تصوف کی حقیقت بتلا دی تھی، مگر انھون نے قدر نہ کی، آخر مولوی صاحب تھے۔ جن لوگون مین تاثر وانفعال زیادہ ہوتا ہے قدرۃً ان مین کیفیات بھی زیادہ ہوتی ہین، یہان تک کہ بعضون مین یہ تاثر وانفعال محویت واستغراق تک پہنچ جاتا ہے اور لوگ۔

"استغراق کو بڑی چیز سمجھتے ہین مگر جب تک ہم بے عقل ومدہوش نہ ہوئے تو کمال ہی کیا ہے، صاحبو! اللہ تعالیٰ کا نام ہوش بڑھانے کے لیئے لیا جاتا ہے، نہ کہ کھونے کے لیئے .... خواجہ عبید اللہ احرار فرماتے ہین کہ استغراق مین قرب نہین بڑھتا۔ کیونکہ اس مین عمل نہین ہوتا۔ جو مدار قرب ہے۔[3]"

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ اول صفحہ ۴ ۱۲ [2] اصول الوصول صفحہ ۳ ۱۲

[3] وعظ دوام الطیق ۱۲

Marfat.com

پھران کیفیات پر دھوکا ہوجاتا ہے روحانی کیفیات کا، حالانکہ اکثر صورتون مین وہ محض نفسانی کیفیات ہوتی ہین، اور ان مین تمیز کاملین ہی کا کام ہے، بلکہ

"حقیقت مین جو ذی استعداد کامل ہین، اُن پر نفسانی کیفیات طاری نہین ہوتین، ہان روحانی جن کا اثر روح پر ہوتا ہے، کاملین پر طاری ہوتی ہین، جن کا عوام کو پتہ بھی نہین، اور ان دونون مین فرق جیسے گڑ اور فیرینی کی شیرینی مین ہوتا ہے۔ چارکسی کی بے گار مین گئے، اس نے فیرینی کھلائی، تو ناک مار کر کھاتو لی، مگر چودھری کہتا ہے یہ تھوک سی کیا ہے، اس کو مٹھائی معلوم ہی نہین ہوئی، اس نے کبھی فیرینی کی بو بھی نہین سونگھی تھی، اس کے نزدیک تو مٹھائی بس گڑ تھا، تو واقعی جو سالکین کیفیات کے متمنی ہین، وہ دیہاتی گڑ خوار ہین، مین تو کہتا ہون کام مین لگو، کیفیات کی ہوس چھوڑ دو، پھر دیکھئے کہ ایک دن وہ کیفیات نظر آئین گی، کہ لاعین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علےٰ قلب بشر.... غرض کیفیات روحانیہ تو ضرور ہوتی ہین۔ مگر کیفیاتِ نفسانیہ ضرور نہین، کسی کو ہوتی ہین، کسی کو نہین[1]"

اصل مین یہ کیفیات بھی راستہ کی دلچسپیان ہین، جن کا نفع فقط اتنا ہے کہ سفر ذرا دلچسپی سے قطع ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی بڑا خطرہ بھی ہے، کہ اکثر کم حوصلہ راستہ کی ان دلچسپیون مین پھنس کر رہ جاتے ہین، اور سبب اس غلطی کا یہ ہے،

---

[1] وحفظ دواء الفقیر ۱۲

Marfat.com

کہ لوگ کیفیات کو مطلوب سمجھتے ہین، کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے، تو ہم پر یہ کیفیات کیون طاری ہوتین، حالانکہ یہ تو کفار پر بھی طاری ہوتی ہین۔"

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مجتہد فن اور مجدّد وقت تھے، فرمایا کرتے تھے کہ انوار و کیفیات حجاب نورانی ہین، اور حجاب نورانی حجاب ظلماتی سے اشد ہے سالک کو یہ سب حجابات پسِ پشت ڈالنا چاہیئے، اُن کی طرف ہرگز التفات نہ کرے، جس شخص کو بادشاہ سے ملنا ہے، وہ نہ بھنگیون کے مکان پر ٹھہرتا ہے، نہ عطارون کی دوکان پر، سیدھا تخت شاہی پر پہونچنا چاہتا ہے، حجاب ظلمانی بھنگیون کے مکانات ہین، اور حجاب نورانی عطارون کی دوکانات، سالک کو کسی پر نہ ٹھہرنا چاہیئے آگے چلتا رہنا چاہیئے، مقصود وراء الوراء ہے۔

اے برادر بے نہایت درگہیست　　آنچہ بروے می رسی بروے مایست[1]

کشف و کرامات کی حقیقت احوال و کیفیات کے اس حال و حقیقت کے بعد کشف و کرامت و تصرف و توجہ کی بھی حقیقت معلوم کر لیجئے۔

"فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہین، حالانکہ اس کو قرب مین کچھ دخل نہین، بعضون کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے، بعضون کو نہین جیسے بعضون کی نظر پیدائشی طور پر دوربین ہوتی ہے، بعضون کی نزدیک بین، مسجد کے سقاوہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے

---

[1] وعظ تقلیل الکلام ص۱۴ ۱۲

Marfat.com

ایک شخص کی نظر صرف سقاوہ ہی تک پہونچتی ہے، اور ایک کی باہر سڑک تک، تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہونچتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہوگا، یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے، اس کو قرب سے کیا علاقہ لعنتون کو کشف سے فطرۃً مناسبت نہین ہوتی، لاکھ مجاہدہ و ریاضت کرین، عمر بھر کشف نہین ہوتا، اصل چیز تو عبدیت ہے، واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہون، اور پھر وہ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے، تو محسوس کرے گا کہ ذرہ برابر ترقی نہین ہوئی، برخلاف اس کے اگر وہ دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھے، تو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا، اہل ذوق جب چاہین اس کا تجربہ کرلین۔[1]

کشف قرب و ولایت کی دلیل کیا ہوتا، اس کے لیئے تو مومن ہونا بھی شرط نہین، مومن و کافر ملحد و دہری سب ہی کو ہو سکتا ہے، جس طرح کچھ جسمانی غیر معمولی قوتین شق و ورزش سے پیدا ہو جاتی، یا بڑھ جاتی ہین، اسی طرح مجاہدہ و ریاضت سے نفس مین کچھ خاص قوتین پیدا ہو جاتی، یا بڑھ جاتی ہین جس سے آج کل کے علمائے نفسیات، یا علم تنویم (ہپناٹزم) وغیرہ کے عامل خوب واقف ہین۔

"غرض کشف کوئی بڑا کمال نہین، اگر کافر بھی مجاہدہ و ریاضت کرے، تو اس کو بھی ہونے لگتا ہے، نیز مجاہدین کو بھی کشف ہوتا ہے،

---

[1] سوانح جلد دوم صفحہ ۱۲

Marfat.com

صاحب شرح اسباب نے لکھا ہے کہ مجنون کو کشف ہوتا ہے مین نے خود دیکھا کہ ایک مجنونانہ کو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگون کو بھی نہین ہوتا لیکن اس کا مسہل ہوا تو مادہ کے ساتھ ہی کشف بھی نکل گیا[1]

اس لیے شریعت مین کشفی علوم کوئی حجت نہین۔ "اگر کوئی کشف قواعد شرعیہ کے موافق ہے تو قابل عمل ہوگا، ورنہ واجب الترک[2] ہے" کشف ہی کی طرح اور کبھی کسی خلاق یا خلاعت امر کا کسی مین پایا جانا قرب و ولایت کی دلیل یا لازمہ نہین۔

"خوارق کا ہونا ولایت کے لیئے ضروری نہین، بعض صحابہ سے عمر بھر ایک خرق عادت بھی واقع نہین ہوا، خوارق اکثر جوگیون سے واقع ہوتے ہین، یہ ثمرہ ریاضت کا ہے، خرق عادت کا مرتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے" صاحب عوارف نے غیر اہل خوارق کو اہلِ خوارق سے افضل لکھا ہے عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے، کہ شریعت پر مستقیم ہون اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبانِ حق کی استعداد معلوم کرکے اس کے موافق ان کی تربیت کرین شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعض اہل کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامتین ظاہر نہ ہوتین۔ (تعلیم الدین ص۱۲۵)

"بعض صاف گو حضرات کا فیصلہ ہے کہ الکرامات حیض الرجال یعنی جیسے عورت حیض سے شرماتی ہے اور اس کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے، اسی طرح اہل اللہ اپنی کرامتون سے شرماتے ہین، بہت سے

---

[1] سوانح جلد دوم ص۱۲ [2] تعلیم الدین ص۱۲۵

Marfat.com

اہل کرامت بزرگون نے تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامت کا صدور نہ ہوتا، وجہ یہ کہ انھون نے بقدر اپنی کرامت کے اپنے درجاتِ آخرت مین کمی محسوس کی، کیونکہ غیر اہل کرامت کو آخرت مین کرامت کا حصہ بھی عطا ہوگا، البتہ اذون حضرات مستثنیٰ ہین[1]۔"

کرامت کے متعلق رسالۂ کرامات امدادیہ مین مستقل بحث فرمائی ہے، جس مین ارشاد ہے کہ

"کرامت اس امر کو کہتے ہین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانونِ عادت سے خارج ہو، اگر وہ امر خلاف عادت نہین، تو کرامت نہین، اور جس سے وہ امر صادر ہوا ہے، اگر وہ کسی نبی کا اپنے کو متبع نہین کہتا وہ بھی کرامت نہین، جیسے جوگیون ساحرون وغیرہ سے ایسے امور سرزد ہو جاتے ہین، اور اگر اتباع کا مدعی تو ہے، مگر واقع مین متبع نہین، خواہ اصول مین خلاف کرتا ہو جیسے اہلِ بدعت یا فروع مین جیسے فاسق و فاجر، اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو وہ بھی کرامت نہین استدراج ہے۔

"بس کرامت وہ کہلائے گی، جب ایسے فعل کا صدور متبع کامل التقوےٰ سے ہو، اب ہمارے زمانہ مین جس شخص سے کوئی عجیب فعل سرزد ہو جاتا ہے، اس کو غوث قطب ابدال دیدیتے ہین، خواہ اس کے عقائد و اعمال کیسے ہی ہون، بزرگون نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر

---

[1] الرفیق فی سواء الطریق صـ۳۱ ۱۲

Marfat.com

کسی کو ہوا مین اڑتا دیکھو یا پانی پر چلتا، مگر شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

اور بندگون نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے، مگر جہان ضرورت ہو، یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ قصد و اختیار باقی نہ رہے، یا کسی طالبِ حق و مرید کے یقین کو قوی کرنا مقصود ہو، وہان جائز ہے"

توجہ و تصرف | بھی نہ کوئی مقصود و ماٴمور امر ہے، نہ فی نفسہ کوئی کمال و قرب اور ولایت و مقبولیت کی کوئی علامت، بلکہ نفس و خیال کی ایک قوت ہے، جو خیال و توجہ مین یکسوئی کی مشق سے مقبول کیا مردود سے مردود شخص حاصل کر لے سکتا ہے۔ پرانے زمانہ مین سحر یا جادوگری اور آج کل کے مسمریزم اور عمل تنویم (ہپناٹزم) کا بڑا مدار یہی ہے۔ اسی نفس یا باطن کی قوت سے کسی پر کوئی اثر ڈالنے کا نام صوفیون کی اصطلاح مین توجہ و تصرف یا ہمت ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے مستقل ایک چھوٹا سا رسالہ عربی مین بنام رسالۃ التعرف فی تحقیق التصرف تحریر فرما دیا ہے، جس کا خلاصہ ایدنا بروح القدس کی آیت سے استدلال فرما کر ایک قسم کی تائید قرار دیا ہے۔

"اور حقیقت اس تائید کی یہ ہے کہ خاص محمود و پسندیدہ کیفیات کو کسی دوسرے پر فائض یا طاری کیا جائے، جس سے اس مین خاص آثار پیدا ہو جائین، یہ آثار مقاصد و اغراض کے اختلاف کی بنا پر مختلف قسم و رنگ کے ہوتے ہین، اور اس تائید کو اہل تصوف کی

Marfat.com

اصطلاح مین تصرف، توجہ، ہمت اور جمع خواطر کہتے ہین۔

"اور یہ قوت تصرف مشائخ مین اکثر مجاہدات و ریاضاتِ نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے، جیسے کشتی لڑنے کی قوت جسمانی ریاضت یا ورزش سے پیدا ہوتی ہے، بعضونمین فطرۃً بھی یہ قوت ہوتی ہے، مگر یہ صورت بہت کم ہوتی ہے۔

"اس قوت کا استعمال اگر کسی محمود یا اچھی غرض کے لیئے ہو، جیسا کہ مشائخ کا معمول ہے تو اس غرض کے تحت اس تصرف کو بھی محمود سمجھا جائے گا، اور اگر مقصود مذموم یا بُرا ہے، تو یہ تصرف بھی مذموم ہوگا۔

لیکن یہ قوت کوئی دینی کمال بہرحال نہین، نہ مقبول و مقرب ہونے کی علامت ہے ہر فاسق و فاجر بھی مشق سے اپنے اندر یہ قوت پیدا کرلے سکتا ہے، بس جیسے ہاتھ پاؤن وغیرہ دوسری بدنی قوتون کے استعمال کا حکم و حال ہے، وہی اس کا بھی ہے[1]"

نیز اس کے استعمال مین بعض دینی و دنیوی مضرتین بھی ہین، خصوصًا اس زمانہ مین حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کا مشورہ اس کے ترک ہی کا ہے۔

"دنیوی مضرت تو اس مین یہ ہے کہ اس کے استعمال کی کثرت سے عامل کے دماغی و قلبی قویٰ ضعیف و مضمحل ہوجاتے ہین، جس کی وجہ سے بہت سے امراض پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے اور دینی مضرت یہ ہے کہ عوام اس کو ولایت و بزرگی کی علامت سمجھتے ہین۔ جو اعتقادی ضرر

---

[1] بوادر النوادر صفحہ ۳۲۲ ۱۲

Marfat.com

ہے، اور مریدون کا ضرر یہ ہے کہ وہ اکثر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہین، اور اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہین، جو عملی ضرر ہے۔

"ان ہی مضرتون کی وجہ سے محققین نے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے، سلف کے زمانہ مین یہ مضرتین قوی کی مضبوطی، فطرت کی سلامتی اور خوش فہمی کے سبب موجود نہ تھین[1]، (یا بہت کم تھین)

اس کے علاوہ جو لوگ محض شیخ کی توجہ و تصرف پر قناعت کر لیتے ہین، تو اس تصرف سے جو کیفیات پیدا ہو جاتی ہین، نہ تو اُن کا کچھ نفع ہوتا ہے، اور نہ ان کو بقا نصیب ہوتا ہے، اصلی نفع و بقا اپنی ہی محنت و مشقت کی چیزون مین ہے۔

"یاد رکھو کہ پیر صرف رستہ بتلانے کے لئے ہین، کام کرنے کے لیئے نہین، کام تم کو خود کرنا چاہیئے، کوئی شخص طبیب کے پاس جاکر اپنے امراض بیان کرے، اور جب وہ نسخہ تجویز کرے تو اس سے کہے کہ حکیم صاحب میری طرف سے آپ ہی پی لین، تو ظاہر ہے اس شخص کو ساری دنیا احمق کہے گی، بس یہی حالت طالبین توجہ کی ہے، کہ مریض تو یہ مگر توجہ کرین بزرگ۔

بزرگون سے جو لوگ خالی دعا و توجہ چاہا کرتے ہین، اس سلسلہ مین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ کی حضرت نے ایک بڑی ہی دلچسپ سبق آموز اور عارفانہ حکایت نقل فرمائی ہے، کہ

---

[1] برادر النوادر صفحہ ۳۲۴ ۱۲

Marfat.com

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ جب بمبئی تشریف لے گئے تو ایک سوداگر نے عرض کیا، کہ حضور دعا فرمائیں کہ خدا تعالےٰ مجھے حج نصیب کرے، فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کرون گا کہ جس دن جہاز چلے اس دن مجھے اپنے اوپر پورا اختیار دیدو، کہ مین تمھارا ہاتھ پکڑ کر جہاز مین بٹھلا دون گا، اور وہ تم کو لے کر روانہ ہو جائے، جب تک یہ نہ ہو صرف میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے۔

"خیال کیجئے ابو طالب جو کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہین، اور بہت بڑے آپ کے محب کہ جب تمام قریش نے مخالفت کی اور دشمن ہو گئے، اس موقع پر بھی ابو طالب نے ساتھ دیا، ساتھ ہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن سے بہت محبّت تھی، اور آپ نے بیحد کوشش ان کے مسلمان ہونے کی فرمائی لیکن محض اس وجہ سے کہ انھون نے خود ارادہ[1] نہین کیا، حضورؐ کی کوشش و محبت کچھ بھی اُن کے کام نہ آئی[2]

ایک اور دقیق و نافع بات۔

"اکثر لوگ کہا کرتے ہین کہ ہمارا ارادہ تو ہے، مگر بالکل غلط ہے، تمنا دوسری چیز ہے، اور ارادہ دوسری چیز۔ ایک مرتبہ دو شخص حج کو

---

[1] ارادہ کی یہ اور آگے والون سے جو تحقیق و توضیح فرمائی گئی ہے، یہ وہی ہے جس پر کسی مُلّا نے نہین عہد حاضر کے بہت بڑے نامور عالم نفسیات ولیم جیمس نے ارادۂ ایمان کے نام سے ایک بلجدی کتاب لکھ ڈالی ہے ۱۲ [2] الرفیق فی سواء الطریق ص۵۳ ۱۲

Marfat.com

جانے کا تذکرہ کر رہے تھے، ایک نے کہا بھائی ارادہ تو ہر مسلمان کا ہے، مین نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے، اگر ارادہ ہر مسلمان کا ہوتا، تو ضرور سب کے سب حج کر آتے، ہان یون کہیے کہ تمنا ہر مسلمان کی ہے، سو نری تمنا سے کام نہین چلتا ارادہ کہتے ہین سامان کے مہیا کرنے کو مثلاً ایک شخص زراعت تو کرنا چاہتا ہے مگر اس کا سامان مہیا نہین کرتا۔ اور ایک شخص سامان بھی جمع کر رہا ہے، تو پہلے کو متمنی، دوسرے کو مرید کہین گے، اسی طرح دو شخص جامع مسجد مین پہونچنا چاہتے ہین مگر ایک اپنی جگہ بیٹھا تمنا ظاہر کیے جائے اور دوسرا چلنا شروع کر دے، تو دوسرے کو مرید کہین گے، اور پہلے کو متمنی، جب ارادہ ہوتا ہے، کام بھی ضرور پورا ہو جاتا ہے، اگر کسی وجہ سے خود قدرت نہین ہوتی، تو کوئی رہبر مل جاتا ہے جو مین ہو کر کام پورا کر دیتا ہے، اسی لیئے کہتے ہین۔ السعی منی والاتمام من اللہ

"بعض مرتبہ مرشد کی توجہ سے طالب کے قلب مین ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو خود محنت کرنے سے نہین پیدا ہوتی، مگر صرف اس کیفیت سے کچھ حاصل نہین ہوتا، بلکہ اگر خود کچھ نہ کیا جائے، تو یہ کیفیت باقی نہین رہتی، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے آگ کے سامنے بیٹھنے سے بدن گرم ہو جاتا ہے، لیکن گرمی باقی نہین رہتی، جہان سامنے سے ہٹ کر ہوا لگی، کہ بدن مین ٹھنڈک پیدا ہو گئی، اسی طرح اس کیفیت مین بھی پیر سے جدا ہوتے ہی (یا توجہ کا اثر کم ہوتے ہی) کورے کے کورے رہ جاتے ہین۔

Marfat.com

"اس کے علاوہ اپنی کمائی کی قدر بھی خوب ہوتی ہے، اور محنت کی چیز کی قدر نہین ہوتی، مشہور ہے کہ ایک شخص ادھوڑی کا جوتا دو شالے سے جھاڑ رہا تھا، لوگون نے پوچھا یہ کیا! تو کہا دو شالہ تو میرے والد کی کمائی کا ہے اور جوتا میری کمائی کا۔

ہر کہ او ارزان خرد ارزان دہد
گوہرے طفلے بقرص نان دہد

"اور جو لوگ اپنے یوتے پر کام کرتے ہین، اُن کی حالت ساری عمر یکسان رہتی ہے، البتہ ان مین شور و غل اوچھل کود نہین ہوتی، اور نہ یہ مطلوب ہے[1]۔

"چنانچہ بزرگی کا معیار لوگون نے یہ تصرف بھی تراش رکھا ہے کہ جو شخص آنکھین چار ہوتے ہی مدہوش کر دے، اٹھا کر زمین پر پٹک دے وہ بڑا بزرگ ہے، حالانکہ یہ بالکل لغو ہے، اگر یہ بزرگی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ضرور اس کو برتنا چاہیئے تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب کفار نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ خائف ہو جائین تو مین نکل جاؤن، کیون نہ آپ نے ایک ہی نگاہ مین سب کو مدہوش کر دیا۔

بلکہ حضورؐ نے ایسے اوقات مین بھی جو کچھ کیا، وہ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ شان عبدیت کی دعا تھی، نہ کوئی توجہ و تصرف جیسا کہ سراقہ کے مشہور واقعہ

---

[1] الرفیق فی سواء الطریق صـ۵۲ ۱۲

Marfat.com

مین جو آپ کی تلاش و تعاقب مین چلا رہا تھا۔

"آپ نے اس وقت بھی خدائے تعالےٰ سے دعا فرمائی، اللھم اکفنا شرہ، چنانچہ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین مین دھنس گیا، سراقہ نے کہا کہ غالباً آپ نے میرے لیئے بد دعا کی، درخواست کرتا ہون کہ آپ خدائے تعالیٰ سے دعا کرین، کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے، اور وعدہ کرتا ہون کہ قریش کو آپ کا پتہ نہ دونگا، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور اس کا گھوڑا زمین سے نکل آیا۔

صاحبو! بزرگی کا معیار یہ ہے کہ جتنی درویشی مین ترقی ہوتی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت بڑھتی جائے کیونکہ ولایت مستفاد عن النبوت ہے، افسوس کہ یہ لوگ علما کی طرف متوجہ نہین ہوتے، اس لیئے بہت سی غلطیون مین مبتلا ہو جاتے ہین[1]۔

بیعت و ارادت

پیری و مریدی یا بیعت و ارادت کی حقیقت و ضرورت مین بھی بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طرف اس کو سرے سے بعضون نے بدعت سمجھ رکھا ہے اور دوسری طرف صرف ایک رسم بنا رکھا ہے کہ بس دست بوسی

---

[1] الرفیق فی سوء الطریق۔ ۱۲

Marfat.com

وہ یا بوسی کرلی، باقی خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہین، حالانکہ :-
"نری پیری و مریدی مین کچھ نہین رکھا اصل کام خود چلتا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا، اگرچہ (رسمی) مرید کسی سے بھی نہ ہو، یہ مطلب نہین کہ سلسلہ مین داخل ہونے سے برکات کچھ نہین، لیکن اس کو اصل لاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے، آج کل پیری و مریدی کے متعلق وہ جہل پھیلا ہوا ہے کہ الامان والحفیظ[1]"

بیعت کی اصلی حقیقت خود لفظ بیعت و ارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر ارادہ کی ماہیت مین حضرت نے واضح فرما دیا کہ ارادہ محض آرزو و تمنا کا نام نہین، بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لیئے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری مین لگ جانا، یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے، بس مرید بھی اصطلاحًا وہ ہے جو اپنی دینی خصوصًا باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اُس کی طرف چل پڑتا ہے، اور بیعت کے معنی ہین اس منزل مقصود کے لیئے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنا لینا، اور اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو بلکہ راستہ سہولت و راحت سے طے ہو۔ بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ مین اپنے کو اس طرح سونپ دینا، جس طرح بائع مشتری کے ہاتھ اپنی چیز سونپ دیتا ہے۔ یا جیسے مریض کو کسی حاذق طبیب کے حوالہ اپنے کو کر دیتا اور دوا و پرہیز مین کاملًا

---

[1] الرفیق فی سواء الطریق منہ ۱۲

Marfat.com

اس کی تجاویز و ہدایات پر عمل کرتا ہے۔ خالی اس گھمنڈ میں کہ خود کوئی شخص لکھا پڑھا بلکہ عالم و فاضل ہے، اور طب کی کتابوں کو پڑھ لیتا ہے، یا باقاعدہ کسی استاد ہی سے پڑھ لیا ہے، مگر مطب نہیں کیا، اگر وہ خود اپنی بیماریوں کا علاج محض کتابوں یا کتابی نسخوں سے کرنے لگے، تو ہلاکت کے خطرات کو دعوت دینے کے سوا کیا ہے۔ باقاعدہ علاج و نسخہ نویسی کی لیاقت تو باقاعدہ کسی طبیب کے مطب میں دو چار سال بیٹھ کر اور نسخہ نویسی کی مشق ہی سے حاصل ہو گی۔ حکیم کبیر الدین صاحب نے طب کی کتابوں کو باقاعدہ پڑھا ہی نہیں، بلکہ طب کے مشہور و مستند مصنف ہیں، لیکن خود ان کا یہ اعتراف سنا، کہ علاج کھانسی زکام کا بھی نہیں کر سکتے۔ اور بھی ایسے معلمین طب گذرے ہیں (جیسے حکیم نور کریم مرحوم دریابادی) جو عمر بھر طب پڑھایا کیے، اور کتابی علم پر اتنا عبور تھا کہ کھانا کھاتے جاتے، راستہ چلتے جاتے اور پڑھاتے جاتے طبیب گر مشہور تھے، اور استاذ الاساتذہ رہے، مگر معالجہ کی مشق نہ تھی۔ نہ علاج کرتے تھے۔ ایک طب و طبیب پر کیا موقوف ہر عملی فن کا یہی حال ہے، کیا کوئی لوہار اور بڑھئی کا کام محض کتابیں پڑھ کر کر سکتا ہے، یا کھانا محض مطباخی کی کوئی کتاب پڑھ کر پکا لے گا۔ بس وہی کچا پکا، الٹا سیدھا، وہ بھی بہت کچھ وقت اور سامان برباد کرنے کے بعد، پھر بھی خود دوسروں کی خامی ہمیشہ باقی رہے گی۔

"کتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کر سکتا، حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے اور طبیب ان ہی سے علاج کرتا ہے، مگر تم نہیں کر سکتے، اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا، تو شدید امراض کا علاج

Marfat.com

تو کبھی نہین کر سکتے، مجھے ہر سال برسات کے اخیر مین بخار آیا کرتا تھا، اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے تھے، مین نے کہا لاؤ اس کو لکھ لین، جب بخار آیا کرے گا اس کو استعمال کر لیا کرین گے، چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا، مگر خاک نفع نہ ہوا، آخر کار حکیم صاحب کو بلایا انھون نے نسخہ لکھا، اس کے پینے سے آرام ہوا، پھر تحقیق ہوا کہ اس سال صفراء کے ساتھ بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہین، اب اگر مین نے یہ نسخہ بھی نقل کر لیا کہ چلو اس مین صفراء و بلغم دونون کی رعایت ہے تو یقینًا اس سے بھی اگلے سال نفع نہ ہوتا، کیونکہ اس کا مجھے اندازہ کیسے ہوتا کہ اس سال بلغم صفراء سے زیادہ ہے، یا مساوی ہے یا کم، اس کا اندازہ تو طبیب ہی کر سکتا ہے، جو نبض کی حالت کو پہچانتا ہے اس لیئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے"

(اشرف الجواب حصہ دوم ص۱۵۶)

غرض" اگر شیخ کی تعلیم پر عمل نہ ہو اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہو اگر ساری عمر بھی چکی پیسے گا ذرہ برابر نفع نہ ہوگا۔ اس طریق مین انقیاد محض کی سخت ضرورت ہے۔ ہان یہ جائز ہے کہ اس کو شیخ ہی تسلیم نہ کرلے۔ لیکن تسلیم کرنے کے بعد پھر حین و چما کرنا، اپنی رائے کو دخل دینا دلیل محرومی کی ہے" یہ تعلق بڑا نازک ہے، اس کے آداب ہی جدا ہین (افاضات حصہ چہارم ص۲۶۲)

یہ بات دراصل بالکل موٹی اور معمولی ہے، پھر بھی اتنی تفہیم و تمثیل

Marfat.com

ضرورت اس لیئے ہوئی کہ پہلے تو پیمانون مین خشک تو تہب اور تر (یا رسمی) تصوف کی بدولت یہ افراط و تفریط ہوئی کہ ایک نے بیعت و ارادت کو سرے سے حرام و بدعت قرار دیدیا، اور دوسرے نے بیعت کو وہ بھی خالص اس کی رسمون کو لازم و واجب سمجھ لیا۔ اور آج کل تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے، کہ دینی اصلاح و درستی یا باطنی علاج و معالجہ الگ رہا، اس کا تصور ہی سرے سے مفقود ہے، ظاہری دین اور دینی مسائل تک کے لیئے باقاعدہ کسی تعلیم حتیٰ کہ براہ راست مآخذ (کتاب و سنت) سے واقفیت تک کو ضروری نہین جانتے، بس اردو انگریزی مین قرآن و حدیث کے کچھ ترجمے یا اِدھر اُدھر کے اخباری مضامین پڑھ کر ہی دین کے مفتی ہی نہین مجتہد و مجدد سب کچھ بن جاتے ہین۔

کیا جہل مرکب ہے کہ وکیل بننے کے لیئے تو گھر بیٹھ کر وکالت کی کتابین پڑھ لینا کافی نہین بلکہ باقاعدہ لکچرون کی تکمیل و امتحان کے بعد بھی کسی سینئر شاق وکیل کے ساتھ کام کرنا اور تجربہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ وہ بڑا احمق ہوگا، جو قانون کے کسی ایسے مشہور سے مشہور پروفیسر کے ہاتھ مین اپنا مقدمہ دیدے جس نے نہ عدالت کی صورت کبھی دیکھی ہو، نہ عدالتی کام کا عملی تجربہ رکھتا ہو۔ سائنس کی کتابون کو خود پڑھ کر یا استاد کے محض لکچر سُن کر کوئی سائنسدان نہین بن جاتا جب تک معمل (لیبوریٹری) مین اختیارات و مشاہدات نہ کرے۔

حالانکہ ان معاملات و مقدمات تجربات و مشاہدات کا تعلق اسی دنیا اور عالم شہادت سے ہے، لیکن دینی مسائل جن کا رشتہ عالم غیب و آخرت کے مابعد الطبیعاتی مسائل سے جڑا ہوا ہے ملان کو ہر لیڈر، ہر اڈیٹر اور ہر لیڈر

Marfat.com

تختۂ مشق بنانے کا حق رکھتا اور ان پر مجددانہ و مجتہدانہ اظہار خیال فرماتا ہے!

انتہا یہ کہ خود تصوف اور اسلامی تصوف پر ایسے ہی حضرات تنقید و تحقیق فرمانے لگے ہین، اور سمندر پار سے الگن تحقیق (رسرچ) کی اسناد لاتے ہین۔ ایک بڑے مشہور عالم و مصنف نے محض کتابی معلومات کے زور پر کسی جگہ تصوّف پر ایسا ہی عالمانہ لکچر دیا، تو ایک بڑے ذہین سجادہ نشین نے کیا خوب داد دی کہ حضرت اگر تصوّف خالی کتابون سے حاصل ہو جاتا، تو مین آپ سے بڑا کسی کو صوفی نہ جانتا۔

غرض ارادت و بیعت کا مطلب کمالِ دین یا دین کے مرتبۂ احسان کی طلب مین نکل پڑنا، اور اپنے سے زیادہ کسی واقف کار رہبر کے پیچھے ہو لینا ہے یا یون کہو کہ اس مرتبۂ دین کا تعلق چونکہ خصوصیت کے ساتھ قلب و باطن کی اصلاح اور اس کے امراض کے ازالہ سے ہے، اس لئے کسی شفیق و حاذق طبیب کے زیر علاج اپنے کو دیدینا ضروری ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے اس کو پیر و مرید یا شیخ و طالب کے مابین ایک ایسے معاہدہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس مین شیخ کی طرف سے اصلاح کا وعدہ ہوتا ہے اور طالب کی طرف سے اتباع کا۔ بیعت کی اس ماہیت کو جان لینے کے بعد ظاہر ہے کہ رسمی بیعت فرض و واجب نہین، اس کا نفع صرف سلسلہ کی برکت کا حصول ہے، یا ایک نفسیاتی فائدہ جیسا کہ ایک حیدر آبادی جامع حال و قال بزرگ (حضرت مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "مرید کان دیدیتا ہے" یعنی پیر کی باتون کو قدرۃً زیادہ توجہ سے سُنتا اور

Marfat.com

اور مانتا ہے۔

ورنہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ہان تو نفس اس رسمی بیعت کی جو حیثیت تھی اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے فرمایا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب کو سالہا سال کی تعلیم و تربیت کے بعد اجازت عطا فرمانا چاہا تو انھون نے عرض کیا حضرت ابھی تو احقر کو مرید بھی نہین فرمایا گیا! فرمایا اچھا آؤ مرید بھی ہو جاؤ! اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ مجھ کو یاد بھی نہین رہتا کہ کون مرید ہے کون نہین بس مین تو یہ دیکھتا ہون کہ کام مین کون لگا ہے۔ بیعت کی درخواست کرنے والون سے بالعموم ابتدا مین ایسے جرحی سوالات فرماتے، جن سے بیعت کی اصل غرض و غایت ان پر کھل جائے کیونکہ معمولاً لوگون کے ذہن مین بیعت کی جو اغراض ہوتی ہین، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

"بعضے صاحب کشف و کرامت بننا چاہتے ہین، تو اس کا خود شیخ مین ہونا ضرور نہین، تو مرید اس کی کیا ہوس کرے، بعضے سمجھتے ہین، کہ پیر بخشش کے ذمہ دار ہو جائین گے، حالانکہ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا۔

یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار۔ فاطمہ اپنے کو دوزخ سے بچا۔

تو بھلا اور کون پیر کسی مرید کو بچا سکتا ہے، جب تک خود مرید ہی اس کی کوشش نہ کرے۔

بعضے جانتے ہین کہ پیر صاحب ایک ہی نظر مین کامل کر دین گے،

Marfat.com

اگر اس طرح کام بن جاتے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا، کہین بطور خرق عادت ایسا ہو بھی گیا، تو خوارق مین دوام ولزوم نہین، اس بھروسہ پہ رہنا بڑی غلطی ہے۔

"بعضے چاہتے ہین کہ خوب جوش وخروش، شورش ومستی پیدا ہو، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جائین خواہش ہی مٹ جائے، نیک کامون مین ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، آپ سے آپ ہو جایا کرین، وساوس وخطرات سب فنا ہو جائین، بس ایک محویت کا عالم رہا کرے، یہ خیال پہلے خیال سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے، لیکن نشا اس کا بھی ناواقفی ہے، یہ امور منجملہ کیفیات واحوال کے ہین، جو اختیار سے خارج ہین، اور گو محمود ہون مقصود نہین، بلکہ ایسی خواہشون مین نفس کا ایک خفی کید ہوتا ہے، کہ وہ طالب راحت ولذت وشہرت کا اور ان کیفیات مین یہ سب امور حاصل ہین ورنہ طالب رضا کو جو اصل مقصود ہے، ان خواہشون سے کیا علاقہ۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب کریف باشد از و غیر او تمنائے

پھر ایسا شخص دو قسم کی خرابیون مین مبتلا ہوتا ہے، اگر یہ کیفیات حاصل ہو گئین تب تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اسی کو غایت سمجھتا تھا، اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگتا ہے، اور انہی پر قناعت کر کے تقوے وطاعات سے بے فکر ہو جاتا ہے، یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے، اور

Marfat.com

اگر حاصل نہ ہوئین تو اُن کے غم مین مرنے لگتا ہے، اور جو غیر اختیاری امور کا طالب ہوگا، ہمیشہ مبتلائے غم و پریشانی رہے گا۔

بعضے سمجھتے ہین کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہین، ضرورت کے وقت اُن سے تعویذ گنڈے لے لیا کرین گے، یا پیر صاحب بڑے مقبول الدعوات ہین، معاملات و مقدمات وغیرہ مین اُن سے دعا کرایا کرین گے، سب کام ہو جایا کرین گے، گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ مین ہے یا خود ہم ایسی ہی چیز سیکھ لین گے، بلکہ ایسے لوگ تمام تر بزرگی کا خلاصہ انہی عملیات اور اُن کے آثار کو سمجھتے ہین، جو محض دنیا کی طلب ہے اس لیے فاسد در فاسد ہے[1]۔"

حیدرآباد مین ایک بڑے عہدہ دار خاصے پڑھے لکھے نماز روزہ کے پابند ایک دن فرمانے لگے کہ اب کوئی بزرگ نہین رہا، کیون؟ اس لیے کہ دکن و ہندوستان سب جگہ کوشش کی کوئی میرا تبادلہ فلان جگہ سے بلدہ نہین کرایا تا!

"بعضے یہ سمجھتے ہین کہ ذکر و شغل کرنے سے کچھ انوار نظر آیا کرین گے یا کچھ آوازین سنائی دین گی، یہ محض ہوس و نافہمی ہے اوّل تو ذکر و شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری ہے، اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے، دوسرے یہ انوار و اصوات وغیرہ بعض اوقات خود اس کے دلیل کا نقص ہوتا ہے، عالمِ غیب کی اشیاء مین سے نہین ہوتین، تیسرے بالفرض اسی عالم کی چیزین، منکشف ہو گئین، تو فائدہ کیا، کسی عالم کے منکشف ہو جانے

---

[1] قصد السبیل ہدایت چہارم۔ ۱۲

Marfat.com

سے قرب نہین بڑھتا، قرب کے لیئے تو طاعات بنائی گئی ہین بعض اوقات شیاطین کو ملائکہ نظر آنے لگتے ہین، مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہین، پھر مرنے کے بعد تو مومن کافر سب ہی کو اُس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہو جائے گا، تو کیا اس سے قرب مقصود سب کو حاصل ہو جائے گا "

غرض یہ چیزین بیعت کی صحیح غرض کوئی بھی نہین، اس لیئے سب کو دل سے نکال کر سلوک کی اصلی غرض و مقصود رضائے حق کو سمجھے، جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا، اور ذکر کی مداومت کرنا (یعنی غفلت کو رفع کرنا ہے) اور پیر کی مریدی کا حاصل یہ ہے کہ

" شیخ اسی کی تعلیم کرتا ہے اور مرید کا ربند ہوتا ہے، اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو، نہ اس کے زعم کے مطابق کوئی کمال حاصل ہو، تب بھی آخرت مین اس کا ثمرہ جو کہ رضا ہے، ظاہر ہوگا اور اس رضا سے دخولِ جنت ولقائے حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی، شیخ کی طرف سے اسی کی تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے پیری و مریدی کی۔

" اور گو یہ تعلیم اور اس پہ عمل بدونِ بیعت متعارفہ کے بھی ممکن ہے لیکن بیعت مین طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہو جاتی ہے، اور مرید کو فرمانبرداری کا پاس زیادہ ہو جاتا ہے، اور یہی حکمت ہے شیخ کی تعیین اور وحدت مین کہ جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے، باقی

Marfat.com

ہاتھ مین ہاتھ لینا، یا عورت کو کوئی کپڑا وغیرہ پکڑا دینا محض ایک مستحسن عادت ہے، اس معاہدہ کی تاکید کے لیئے، نہ کہ نفس معاہدہ یا بیعت کا جزء اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہین، اور استحسان صنت مین بھی وارد ہے چنانچہ مردون کے لیئے ہاتھ مین ہاتھ دینا منقول ہے، اور کپڑا وغیرہ ہاتھ مین دینا یہ اخذید کے قائم مقام ہے[1]"

باقی محض رسمی "اخذید" یا کسی پیر خصوصًا نام کے پیر کا نام کے لیئے ہاتھ پکڑ لینا اس کی نسبت ایک موقع پر نہایت جوش وقوت کے ساتھ ارشاد ہوا کہ

"اجی کس کی پیری و مریدی لیئے پھرتے ہو، یہ تو پکھنڈے ہین بیعت کی صورت ضروری نہین، اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے غرض مرید ہونے کی ضرورت نہین، پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو بس ہو گیا تعلق، واللہ وہی نفع ہو گا جو پیری مریدی مین ہوتا ہے، اب لوگون کا عجب حال ہے، کہ کام بتاؤ تو نہ کرین، بس بیعت کا نام چاہتے ہین بیعت کی محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے، چنانچہ جو پیر ایسے ہین، کہ مرید کرتے ہین لیکن کام کچھ نہین بتلاتے، اُن سے لوگ بہت خوش ہین، اور ہین مرید تو کرتا نہین کام بتلاتا ہون، تو مجھ سے ناراض ہین۔

یون سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھیڈ ہین فقیری کے، وہ جو اپنکھر ہین پریم کے وہ مریدون ہی کو بتائے جاتے ہین، مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو اپنکھر بتا دے گا اور ہم اللہ والے ہو جائین گے، میان خدا

---

[1] قصد السبیل ہدایت چہارم-۱۲

Marfat.com

رسول کا نام لو اور احکام بجالاؤ، بس یہی اچھر ہین، اصلاحِ نفس کے طریقے پیر سے پوچھو، یہی بھید ہین، اگر کوئی کہے کیا باطنی طریق بس یہی ہے، تو ہم بآواز دہل کہین گے کہ ہان یہی ہے، اور اس طریق مین کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئین گے، بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی مگر یہ مقصود نہین۔

بھائی حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہین، نظر آئے تو کیا، نہ نظر آئے تو کیا، سڑک تو بہرحال قطع ہوگی، بس چلتے رہنا شرط ہے، اور بعضون کو یہ درخت اور پھول عمر بھر نظر نہین آتے، واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہین، طریق مین بس ایسے ہین، جیسے سڑک پر دو طرفہ گلاب اور بیلے کے درخت لگے ہون، اگر کبھی ہم نیچی نظر کر کے چلتے ہین تو کیا راستہ قطع نہین ہوتا، راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے، چاہے درخت نظر پڑین یا نہ پڑین[1]۔

"غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے، نہ بغیر رفیق سیدھا راستہ ملتا ہے اگر ایک نابینا کسی جگہ پہونچنا چاہے تو اوّل اس کو خود چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے نہین تو ہزار رفیق ملنے پر بھی رستہ قطع نہ ہوگا البتہ چلنے کے بعد پیر اور رفیق کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ اگر رہبر نہ ہو تو ناآشنا راستہ مین ضرور کسی جگہ ٹھوکر کھا کر گرے گا، بے خطر منزل پر پہونچنے کی صورت یہی ہے، کہ اپنے پیرون چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑے، بالکل ویسی

---

[1] اشرف السوانح حصہ دوم صـ۱۶۱ ۱۲

Marfat.com

ہی حالت اس رستہ کی بھی ہے، کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا
اپنے پیرون چلنا ہے، اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ
پکڑ لینا ہے "

صحبت و تعلق بیعت کی اصلی بڑی ضرورت یہی رفاقت یا پیر کی صحبت و تعلق ہے تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکرون سے حفاظت ہو، اور یہ ایسی موٹی بات ہے کہ دنیا کے کسی موٹے سے موٹے کام مین بھی اس کام کے ماہر و تجربہ کار کی صحبت و اعانت کے بغیر بصیرت پیدا نہین ہوتی۔ کسی علم و فن کے معلومات اور چیز ہین، اور بصیرت اور چیز، معلومات گو باغبانی اور کاشتکاری کی کتابین پڑھ کر بھی ہم بہت کچھ حاصل کر لے سکتے ہین، لیکن خالی ان کتابی معلومات کی بنا پر اگر ہم باغ لگانا اور کھیتی کرنا شروع کر دین تو کیا قدم قدم پر ٹھوکرین نہ کھائین گے۔ بخلاف اس کے اگر کچھ دن کسی تجربہ کار باغبان و کاشتکار کے ساتھ یا اس کی صحبت مین اس کام کو کرلین تو اس کے نشیب و فراز کی ایسی بصیرت یا اندرونی بینائی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی بالکل ہی نئی زمین دیدی جائے، تو اس سے بھی کام لینے مین زیادہ دشواری نہ ہوگی۔

لیکن اس زمانہ مین لوگون کو دین کے معاملات مین خصوصًا یہ بیماری وبا کی طرح لگ گئی ہے، کہ رہبری ہی کے لیئے نہین، بلکہ جہالت کی انتہا ہے، کہ رہبری اور تجدید و احیا تک کے لیئے محض کتابی معلومات کی بنا پر اٹھ کھڑے ہوتے ہین، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی صحبت سے محروم اچھے اچھے دینی علوم و معلومات والے ضال و مضل دونون ہو رہے ہین۔ احقر کی سمجھ مین ان حضرات کی حالت ایسے

Marfat.com

نومسلم کی سی ہوتی ہے، جس کا اسلام تمامتر کتابی معلومات سے ماخوذ ہو، وہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ سب کے فرائض وسنن، ارکان وشرائط محض کتابین دیکھ دیکھ کر پورا کرتا ہو، جس کے مقابلہ مین ایک پابند صوم وصلوٰۃ مسلمان گھرانے کا اَن پڑھ بچہ گھر والون کو دیکھ دیکھ کر زیادہ صحیح طور پر وضو نماز وغیرہ کے واجبات ومستحبات ادا کرسکے گا۔ غرض کوئی علم وفن ہو، اس کے عملی ماہر کی صحبت کے بغیر اتنا بڑی پن مشکل ہی سے نکلتا ہے۔

"بھلا نری کتابون سے بھی کوئی کامل ومکمل ہوا ہے، ارے بھائی موٹی بات ہے، کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہین بن سکتا، حتیٰ کہ بسولا بھی بطور خود ہاتھ مین لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جاسکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا اندازہ بھی نہین آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز خوشنویس نہین ہوسکتا، غرض بدون کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہین بن سکتا، لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازم ہے[1]"

اور ہمارے لیئے تو صحبت کی حاجت واہمیت کی سب سے بڑی دلیل صحابیت ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین وفقہا، اور بڑے بڑے اولیاء واقطاب پر مسلم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فضیلت کا مدار نہ کتابون پر ہے کہ اکثر صحابہ سرے سے اُمّی تھے نہ کثرت معلومات پر کہ ان کے مقابلہ مین بعد کے معمولی علما کے بھی نفس معلومات اُن سے زیادہ ہی ہوتے ہین، اس فضیلت کا مدار

---

[1] سراج حصہ دوم ص۱۵۹ ۱۲

Marfat.com

محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ہے کہ جس سے اعلیٰ کیا جس کے مساوی صحبت بھی بعد کے بڑے بڑے علما و اولیاء کو اب نصیب نہین ہو سکتی۔ جن کو کچھ تجربہ ہے، وہ جانتے ہین کہ ایک دن کی صحبت سے جو کچھ نصیب ہوتا ہے، وہ سالہا سال کی کتاب خوانی سے نصیب نہین ہوتا، اور اس مین کچھ زیادہ مبالغہ نہین کہ

یک زمانے صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

غرض صحبت کی اس ناگزیر ضرورت کی بنا پر قصد السبیل و تعلیم الدین وغیرہ مین جہان جہان بیعت و سلوک پر بحث و گفتگو فرمائی گئی ہے، صحبت کی خاص طور سے تاکید ہے کہ بیعت کے بعد اگر وقت و مہلت میسر ہو تو چندے پیر کی خدمت مین رہے، یا کبھی کبھی اپنے پیر کے پاس یا اور کوئی خوش عقیدہ متقی بزرگ موجود ہو تو اس کے پاس بیٹھا کرے[1]۔

اور اگر ذرا طویل صحبت میسر ہو جائے تو یہ بصیرت ایسی بڑھ جاتی ہے کہ واقعی اس کے قبل کی اپنی حالت بالکل احمقانہ معلوم ہونے لگتی ہے، اس احمق دراقم پر تو بالکل یہی گذری کہ تھوڑی بہت کتابین پڑھی تھین، خالی کتاب خوانون کی صحبت بھی اٹھائی تھی، قراءت کی سند بھی حاصل تھی تصنیف و تالیف کا بھی کچھ دعوے تھا، عقل و فہم مین بھی ہم چشمون مین برا نہ خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت مین چند ہی حاضرون کے بعد

---

[1] الشریعۃ نام وعظ ص۳۶ ۱۲

Marfat.com

معلوم ہوگیا کہ جس کو دین کی فہم وبصیرت کہنا چاہیئے اس کے اعتبار سے خدا گواہ ہے کہ نرا احمق اور گنوار ہی تھا!

"وہ کتنا ہی بڑا عاقل ہو، مگر عالم نہ ہو اور نہ کسی محقق عالم کی صحبت مین رہا ہو، اس کو کسی محقق کی صحبت مین چھ مہینہ کے لیئے بھیجدو، خدا کی قسم اس چھ مہینہ مین وہ محقق ثابت کردے گا۔ اور اس عاقل کی زبان سے اقرار کرا لے گا، کہ مین احمق ہون۔ اور اس وقت قسم سے زیادہ اور کسی ذریعہ سے یقین نہین دلا سکتا۔ اگر اس سے زیادہ دیں کو جی چاہے، تجربہ کرلو، کہ چھ مہینہ کی رخصت لو، پھر محقق کا پتہ ہم سے پوچھ لو، اس وقت دیکھ لوگے کہ یہ شخص آئے گا تو اپنے کو عاقل کہتا ہوا مگر جائے گا یہ کہتا ہوا کہ مین احمق ہون نہین، بلکہ پہلے احمق تھا، کیونکہ اب تو اس محقق کی برکت سے عقل آجائے گی"

علمی و دینی یا باطنی تحقیق وبصیرت کا تو ذکر ہی کیا روزمرّہ کی ظاہری ومعمولی باتون مین جن چیزون کو ہم تہذیب وکمال سمجھتے ہین، حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت مین حاضر ہوکر ان کے متعلق بھی قدم قدم پر اپنی حماقتون کا ادراک ہوتا تھا۔ جونپور کے ایک شاعر حاضر ہوئے جو عرفی تہذیب سے آراستہ تھے۔

"چند روز رہنے کے بعد جب واپس گئے، تو ایک رسالہ لکھا، اس مین یہ بھی لکھا تھا، کہ عمر بھر جسے ہم تہذیب سمجھا کئے، وہ ان (تھانہ بھون) جاکر معلوم ہوا کہ وہ تہذیب ہی نہ تھی۔ ایک اور دہلی کے

Marfat.com

طبیب چند روز رہ کر کہنے لگے، کہ جن کو ہم اب تک کمالات سمجھتے تھے سارے نقائص نکلے، اور جنھین ہم ہنر سمجھتے تھے، وہ سب عیوب تھے۔[1]

وحدتِ شیخ | اسی سلسلہ مین اور ایک بڑی ضروری یاد رکھنے والی بات فرمائی جس سے وحدتِ شیخ اور وحدتِ صحبت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ خصوصاً ابتداء اور خامی کی حالت مین اگر ہمارا تعلق کئی شیوخ سے ہو یا مختلف رنگ و مذاق کے اہل اللہ کی صحبتون مین حاضر ہون، تو اس آزادی و بے قیدی کی بدولت حصول اطمینان کے بجائے انتشار مین مبتلا ہو جانا یقینی ہے۔

"امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید ہونے مین ہے اور اطلاق مضر ہے کیونکہ اطمینان اور چین بدون تقیید کے نہین ہوتا، مثلاً ہم نے یہ ارادہ کر لیا کہ جب بیمار ہون گے فلان طبیب کا علاج کرین گے تو اطمینان ہے کہ طبیب موجود ہے، بیماری کا خوف نہین ہو گا۔ نہ بیماری کے وقت سوچنا پڑے گا، کہ کس کا علاج کرین، اور اگر مقید نہین ہین مثلاً ہم کسی خاص طبیب کے پابند نہین ہین۔ آج ذرا سا تغیر پیش آیا، ایک طبیب سے رجوع کیا، دوسرا تغیر پیش آیا، دوسرے سے رجوع کیا، تیسرا پیش آیا، تیسرے سے رجوع کیا، تو اس مین دل کو چین نہ ہو گا، ہر وقت فکر رہے گی کہ اب کی تغیر مین کس سے رجوع کرین۔"[1]

یہ ایسی مثال حضرت نے دی کہ ظاہری و جسمانی علاج مین اس کا روزانہ ہی تجربہ

---

[1] الشریعۃ صفحہ ۳۰۹ ۱۲

Marfat.com

ہوتا رہتا ہے خصوصًا آجکل تو طرح طرح کے طبیبون اور علاج کے نت نئے طریقون اور طبائع کی بے قیدی و آزادی کی بدولت یہ حال ہے کہ مریض تختۂ مشق بن کر رہ جاتا ہے۔ کبھی یونانی علاج، کبھی ڈاکٹری علاج، پھر کبھی اس ڈاکٹر کا کبھی اس ڈاکٹر کا۔ کبھی یونانی ہے، تو اسمین بھی کبھی یہ حکیم، کبھی وہ، پھر کبھی ہومیوپیتھک ہے، کبھی قدرتی علاج ہے۔ اس مین نہ صرف بیمار و تیماردار سب کا اطمینان قلب رخصت ہو جاتا ہے، بلکہ بارہا مال کی اضاعت کے ساتھ مریض کی ہلاکت کا ظاہری سبب بھی اس طرح تختۂ مشق بن جانا ہی ہوتا ہے۔ بس ایک دفعہ سوچ سمجھ کر معالج کو تجویز کر لیا، جو مہارت و حذاقت مین چاہے اوسط درجہ ہی کا ہو، مگر آجکل کے عام معالجین کی طرح نظر مریض کے مرض سے زیادہ اس کی جیب پر نہ ہو پھر اگر کسی بیماری مین معتدبہ مدت تک اس کے علاج سے نفع نہ ہو۔ تو اسی سے دوسرا معالج بھی تجویز کرا کے اس کے ساتھ شریک کر لے۔

راقم ہذا کا تجربہ ہے، اپنے اور اپنے گھر بھر کے لیئے یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایک بڑے مخلص معالج[1] نصیب ہو گئے ہین جن کی نظر مریض کے مرض اور عند اللہ اجر کے سوا قطعًا کسی چیز پر نہین، بس جو بیمار ہوا اُن کے حوالہ، اور الحمد للہ کہ اس کم و بیش پچیس سال کی مدت مین لکھنؤ کے قیام مین کبھی کسی دوسرے معالج سے براہ راست رجوع کی نوبت نہین آئی، اور کبھی ضرورت محسوس ہوئی بھی وہ بھی بہت ہی کم تو انہی سے درخواست کر کے انہی کی تجویز سے اور انہی کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر لیا گیا، اور اللہ تعالیٰ

---

[1] فرشتہ صفت، اکثر حکیم سید عبد العلی صاحب سلمہٗ۔ ۱۲

Marfat.com

نے دو چار کے سوا جن کا وقت پورا ہو چکا تھا، باقی سب کو دیر سویر شفا ہی عطا فرمائی۔ اور قلب کو اس سے جو اطمینان رہتا ہے، اس کا حال تو راقم ہی اس تجربہ کی بنا پر خوب جانتا ہے، کہ بیماری سے قبل اور بیماری کے دوران دونون مین کتنی بے فکری رہتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسے سراپا ایمان و اخلاص معالج کو ہم سب کی طرف سے ہزارہا ہزار درجات عطا فرمائے۔!

اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے باطنی امراض کے باب مین حضرت علیہ الرحمۃ سے تعلق تربیت کے بعد دستگیری فرمائی، کہ پھر کسی طبیب کی بے قیدی کی ضرورت و نوبت نہین پیش آئی، حالانکہ تعلیم و تربیت تمامتر ایک ایسی درسگاہ مین ہوئی تھی، جس کا طرۂ امتیاز ہی بے قیدی و آزادی ہے۔ پھر باطن کا یہ مریض باطنی دق کے بالکل آخری درجہ مین تھا، اس لیئے اس کی زندگی کا جو رمق بھی رہ گیا، اور جسم و ظاہر کی گوناگون بیماریون اور پریشانیون کے باوجود قلب و باطن مین جو کچھ بھی نام چار کو سکون و اطمینان میسر ہے، وہ حضرت ہی کی ذات و تحریرات کے ساتھ تعلق کا طفیل ہے۔ بلکہ ظاہر اسباب اس جسم ناتوان کے ساتھ جان کا رشتہ بھی اسی سے قائم ہے، ورنہ جسم کی بیماریون اور حالات کی ناسازگاریون نے اجلِ مسمّٰی کے انتظار کے سوا کچھ چھوڑا نہ تھا۔

جن کو حضرت کی ذات سے تعلق کی سعادت نصیب نہین ہو سکی، اُن کی خدمت مین اپنے ہی نہین، دوسرون کے بھی کثیر تجربات کی بنا پر عرض ہے، کہ حضرت کی تحریرات کا درجہ بعد حضرت کی ذات کے بعد دوسرا ہی ہے۔ ابتدا خصوصاً مواعظ و ملفوظات سے فرمائی جائے، اور مقدم ملفوظات کو کرنا چاہیئے، جس سے

Marfat.com

بالواسطہ صحبت کا نفع ہوگا۔ خود حضرت نے بھی براہ راست صحبت میسر نہ آنے کی صورت مین بزرگون کے ملفوظات ہی کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی ہے، بشرطیکہ نیت دینی و باطنی اصلاح و استفاضہ کی ہو، نہ کہ آج کل کی طرح علمی و ادبی تحقیق و تنقید کی۔ تقوی پر ایک وعظ مین اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا اور قائم رہنے کے سلسلہ مین فرماتے ہین۔ کہ

"اس محبت کے قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے زیادہ نہ ہو تو کم از کم ہفتہ مین ایک ہی بار یا مہینہ مین ایک بار، اس مین خاصیت یہ ہے کہ اُس کے اندر جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آوے گی، اور مین آپ سے دنیا کے کام نہین چھڑاتا، اپنی فرصت کے وقت اُن کے پاس جاکر رہیئے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو، تو اُن کے ملفوظات ہی پڑھیئے، لیکن محض تذکرہ اور فن کی کتابون کی طرح نہ دیکھئے (ص ۱۹) مجدد وقت کے ملفوظات کو بالخصوص اس لیئے پڑھنا چاہیئے کہ وہ قدرتاً وقت کے حالات و تجدیدات کے مناسب ہین بلکہ ابتدا مین قدیم بزرگون کے ملفوظات پڑھنے سے طرح طرح کی غلط فہمیون اور بدگمانیون کا اندیشہ ہے، خصوصاً جدیدون اور کم علمون کو۔ احقر کا واسطہ عمر بھر زیادہ تر اس زمانہ کے حالات و خیالات سے متاثر اور انگریزی دانون ہی سے رہا، اور اُن کو ہمیشہ پہلے حضرت کے ملفوظات پڑھنے کو دیئے، تو نہ صرف دین کے متعلق اُن کی طرح طرح کی غلطیون اور غلط فہمیون کا ازالہ ہوا، بلکہ تصوف کے ساتھ نفس دین سے بھی بڑھ کر جو عجیب عجیب بدگمانیان تھین، وہ دور ہوکر طالبانہ ذوق و شوق پیدا ہوگیا۔

Marfat.com

صحبت سے دین دل مین رچ جاتا ہے

لہذا اہل اللہ کی صحبت سے محض فہم دین کی بصیرت ہی نہین پیدا ہوتی، بلکہ صحبت کی بالکل قدرتی ونفسیاتی خاصیت یہ بھی ہے، کہ مصاحب کے اندر جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آوے گی، مزید برآن آدمی تبکلف وتبعو دعمل بھی اختیار کرلے سکتا ہے، مگر بلا صحبت کے دین قلب وروح مین رچنا یا سرایت ہ مشکل ہی کرتا ہے۔ ایسے عمل کی نوعیت بس زیادہ سے زیادہ ایسے مزدور یا تنخواہ دار نوکر کے کام کی ہوتی ہے، جس کو آجر یا آقا سے کوئی قلبی تعلق نہین ہوتا، اسی کو مذکورۂ بالا وعظ (تقوی) مین فرمایا کہ "حضرت عمل تو دوسری چیز ہے لیکن اصل دین وہ ہے جو قلب مین رچ جائے سو یہ صحبت پر موقوف ہے۔

غرض محققین اہل اللہ کی صحبت یا یہ نہ میسّر ہو تو کم از کم ان کے ملفوظات وغیرہ کا مسلسل بنظر اصلاح واستفادہ مطالعہ نہ صرف دین کی صحیح فہم وبصیرت کے لیئے ضروری ہے، (جو نام ہے باطنی روشنی کا جیسے بصر ظاہری نگاہ کا) بلکہ اس سے اہل اللہ کا ایمان وعمل ہمارے اندر منتقل ہوتا اور قالب سے تجاوز کرکے قلب وروح بین اترتا، یا رچ جاتا ہے۔

لیکن کیا عرض کیا جائے کہ اس بالکل عقلی بلکہ موٹی بات سے اچھے اچھے اہل علم کو ایسی بے پروائی ہے، کہ محض اپنی علمی، بلکہ دراصل محض معلوماتی وتصنیفی قوت اور نرے معلومات کی وسعت کو نہ صرف اپنی اصلاح کے لیئے کافی سمجھ لیا ہے بلکہ اسی بھروسہ پہ اصلاح کی مستقل تحریکون کے امام وعلمبردار بن جاتے ہین، جس کی بدولت اپنی اعلیٰ ذہانت وقابلیت کے باوجود دلچسپے اور دوسرون کے

Marfat.com

حق میں ویسے ہی طبیب و معالج بن جاتے ہیں، جس نے کسی طبیب کے پاس باقاعدہ مطب کے بغیر محض کتابی معلومات اور قدرتی ذہانت کے زور پر اپنا اور دوسروں کا علاج شروع کر دیا ہو، بلکہ امامت کا جھنڈا ہاتھ میں لینے کے بعد کسی کی اقتدار و اتباع کا امکان اور بھی دور تر ہو جاتا ہے! تاہم طلب و تشنگی کے لیے راستہ کبھی بند نہیں، نہ پانی کا قحط ہے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا کہ آبت جوشد از بالا و پست

Marfat.com

عشق و محبّت

نہ صرف مسلمان صوفیون کے عالم و جاہل عوام و خواص تمام طبقون مین عشق و محبت کا لازمۂ تصوّف یا عین تصوف ہونا مسلّم ہے (حتیٰ کہ نام ہی اس کا طریق عشق ہے) بلکہ تمام دیگر مذاہب بلکہ فلسفہ تک مین جہان کہین تصوف کے ہم معنی یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز ایسی ملتی ہے، جس کو مغربی ادبیات مین سرّیت (مسٹسزم) کہا جاتا ہے، اس مین بھی بڑا خاص عنصر عشق و محبت کو خیال کیا جاتا ہے۔ ہمارے مغربی محققین نے تو داد تحقیق یہان تک دی کہ مسلمان صوفیہ مین عشق و محبّت کی تعلیم کو ان ہی بیرونی اثرات سے ماخوذ قرار دیدیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نفس تصوف ہی کو اسلام مین بہت بعد کی اور بیرونی اثرات کی پیداوار کہدیا۔ حالانکہ اسلامی تصوف کی خود محققین صوفیہ کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ وہ نام ہے عین اسلام و شریعت بلکہ کمالِ اسلام و شریعت کا، حتیٰ کہ ہمارے صوفیہ سب سے بڑا صوفی حضرات صحابہ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہین، اور یہی خلاصہ اس باب مین حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کی تجدید کا ہے جیسا کہ اوپر پوری طرح معلوم ہو چکا۔

اتنا ہی نہین حضرت نے تو قرآن و حدیث سے تصوّف کے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیے ہین[1]، اور فرمایا کہ غور کرتا تو

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم صفحہ ۲ ۱۲

Marfat.com

اتنے ہی اور ثابت کر دیتا، اس کی کچھ مثالین انشاء اللہ آگے اپنے موقع پر آئین گی۔
یہان اس ذکر کا مدّعا صرف یہ ہے کہ جس اسلامی تصوف کے دو ہزار اصولی و فروعی مسائل خود قرآن و حدیث سے ثابت و مستنبط ہون، اس مین اب آخر کون سی اہم اور انوکھی بات رہ گئی ہوگی، جس کے لیئے اسلامی تصوف، اسلام کو چھوڑ کر غیرون کا دست نگر ہو سکتا! بات یہ ہے کہ افہام و تفہیم کے لیئے بعض رائج الوقت بیرونی تعبیرات و اصطلاحات سے کام لیا گیا، یا غیرون کی بعض محض تدبیری چیزین تدبیر ہی کے درجہ مین اختیار کر لی گئین، جیسے کہ پاس انفاس وغیرہ جس کی مثال بقول حضرت مجدد وقت کے ایسی ہی ہے، جیسے غزوۂ خندق مین فارسیون کی خندق کی تدبیر، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بتلانے سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی۔ اب اگر اس پر کوئی عقلمند محقق یہ داد دینے لگے، کہ اسلامی جہاد ایرانیون یا فارسیون کے اثرات سے ماخوذ ہے، تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ع

برین عقل و دانش بباید گریست

اس باب مین ان محققین نے غیر اسلامی اصطلاحات سے بہت دھوکا کھایا ہے۔ تو اُن کی نسبت یاد رکھنا چاہیئے کہ "اصطلاحات دو قسم کی ہین، ایک جو مقاصد سے متعلق ہین، (جیسے رضا و قرب وغیرہ) وہ تو شریعت سے الگ نہین، بلکہ مقاصد مین اصطلاحات تصوف کی حقیقت وہی ہے، جو شریعت مین مذکور ہے، دوسری وہ اصطلاحات ہین جو امور زائدہ کے متعلق ہین، وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہین جیسے تجدّد امثال توحید وجودی، شغل رابطہ وغیرہ"[1]

---

[1] اشرف المسائل ص۳۴ ۱۲

Marfat.com

باقی نفس عشق و محبت کی تعلیم تو اگر ان محققین نے قرآن مجید ہی کو کھول کر دیکھ لیا ہوتا تو نظر آجاتا کہ صوفی ہونا تو درکنار قرآن کی رو سے تو مسلمان اور مومن ہونے ہی کے لیئے اللہ تعالیٰ کا عشق و محبت لازم ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ اور عشق "اشد حب" کے سوا نام ہی کس کا ہے، اسی طرح حدیث مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نسبت ارشاد ہے کہ کوئی شخص مومن نہین ہو سکتا جب تک مین اُس کو اس کے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔

"عشق لوازمِ ایمان سے ہے، جب تم نے آمَنَّا کہا تو عشقنا کا التزام بھی کر لیا، جیسے کوئی کہے کہ مجھ پر نان نفقہ بی بی کا کیسے واجب ہوگا۔ مین نے تو اس کا التزام نہین کیا تھا، صرف قبلت النکاح کہا تھا، تو ہر شخص یہی کہے گا کہ قبلت کہنے ہی سے تو شوہری کے حقوق لازم ہوگئے، اسی طرح جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا بس عاشق ہوگئے، کیونکہ اس کلمہ سے مومن ہوگئے اور مومن کے بارے مین ارشاد ہے۔ کہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ یعنی جو خدا پر ایمان لائے وہ خدا کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہین

تو تصدیق ایمانی کے ساتھ ہی سارے کے سارے عاشق ہوگئے، تو اب عشق کے حقوق ادا کرو، بس کان مت ہلاؤ، سیدھے محبوب کے کہنے پر چلتے رہو۔"[۱]

---

[۱] الشریعۃ ص۳۳

حب عقلی | البتہ اسلامی تعلیمات جس طرح ہر امر مین افراط و تفریط کی نا استواریون اور نشیب و فراز سے پاک ہین، اسی طرح عشق و محبت کے معاملہ مین بھی طبعی یا نفسانی جوش و خروش بے خودی و جامہ دری مامور و مطلوب بالکل نہین. یون کسی ضعیف القلب یا مغلوب الحال کا حال ہی یہ ہو جائے، تو وہ معذور ہے۔ اصل مطلوب و مامور وہی اشدّ حبًّا للہ والی حب عقلی ہے جس کو حب عقلی بھی کہا جاتا ہے نہ کہ حب طبعی یا نفسانی جس کو عرف عام مین عشق کہا جاتا ہے کسی نے ان دونون کے فرق و فضیلت کی بابت سوال کیا تھا، کہ

"صراط مستقیم مین مولانا اسماعیل صاحب شہید نے حب ایمانی یا عقلی کو حب نفسانی یا عشق پر بہت ترجیح دی ہے، اور طریق عشق کو ایک حد تک مذموم ثابت کیا ہے، حالانکہ بڑے بڑے صوفیائے کرام مولانا رومی مولانا جامیؒ وغیرہ نے عشق کی مدح سرائی کی ہے، اس باب مین حضرت کی جو تحقیق و رائے ہو، اس سے مفصل مطلع فرمائیے۔

اب حضرت کا عالمانہ و محققانہ جواب سنیئے۔ پہلے چند مقدمات ہین،

اوّل فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک باعتبار ذات شے کے، دوسری باعتبار اس کی حالتِ خاصہ کے، پہلی کو فضیلت ذاتیہ کہتے ہین اور دوسری کو اضافیہ کہنا مناسب ہے۔ دوم کمالات ولایت مستفاد ہوتے ہین، کمالات نبوّت سے، اس لیئے جو کمال ولایت کا جس قدر کمال نبوت سے مشابہ ہو وہ دوسرے کمال سے جو مشابہت مین کم ہے، افضل ہوگا۔ سوم عشق ایک خاص درجہ ہے، محبت کا جسمین

Marfat.com

ہیجان وغلیان (یا جوش وخروش) ہوتا ہے۔

ان مقدمات کے بعد جاننا چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو صفت محبت الٰہی کی ہوتی ہے، اس میں ہیجان نفسانی نہیں ہوتا اس لیے بالیقین محبت کی یہی نوع فی نفسہ افضل ہوگی، مگر کسی خاص استعداد وصلاحیت کے اعتبار سے تربیت باطن میں دوسری نوع کا زیادہ نافع وموافق ہوجانا ممکن ہے، جیسے گوشت فی نفسہ افضل الاغذیہ ہے لیکن کسی خاص طبیعت کے لیے آشِ جو کو اصلح کہا جاتا ہے۔

"پس مولانا شہید رحمۃ اللہ فضیلتِ ذاتیہ کے مرتبہ میں حُبِّ ایمانی کو ترجیح دے رہے ہیں، اور بعض آثار مغلوبیت کے اعتبار سے حب نفسانی کو معتبر بتلا رہے ہیں، اور دوسرے حضرات صوفیہ رحمہم اللہ فضیلتِ اضافیہ کے مرتبہ میں عشق کی مدح کر رہے ہیں، کیونکہ ایسے مضامین اکثر اہل حال کے کلام میں وارد ہیں، جن کو تحقیقات عامہ مقصود نہیں، یا عشق سے مراد ان حضرات کی اصطلاحاً مطلق کمالِ محبت ہو، جو شامل ہے محبت ایمانی کو بھی، اور مقصود مذمت کرنا اس شخص کی ہو، جس میں یہ کمال نہیں۔ جیسے حدیث میں ہے، لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ پس دونوں توجیہہ پر مولانا اور صوفیہ کے کلام میں تعارض نہیں رہا، واللہ اعلم"[1]

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف جلد سوم از امداد الفتاویٰ صـ ۱۲

Marfat.com

عقلی محبت اختیاری ہے نیز طبعی اور عقلی یا ایمانی محبت مین ایک اور خاص و عظیم فرق یہ ہے کہ طبعی محبت غیر اختیاری ہوتی ہے، اور اسلام غیر اختیاری چیزون کی تکلیف نہین دیتا، بخلاف عقلی و ایمانی محبت کے کہ وہ ہمارے اختیار کی شے ہے۔ اس کا بڑا مدار عمل پر ہے۔ مثلاً جس عمل کو ہم ایک مرتبہ عقلاً پسند کرکے اس کو بار بار کرتے رہین، تو پھر اُس سے محبت و انس قدرتاً پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر وہ عمل کسی کے حکم یا اتباع کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے تو کرتے کرتے اُس حاکم یا متبوع سے بھی محبت ہو جانا لازم ہے۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اختیاری محبت کا سیدھا نسخہ یہ تجویز فرما دیا ہے، کہ جو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا محب و محبوب ہے، زندگی کو اس کے رنگ مین رنگ لو تو آپ سے آپ اللہ کے سچے اور پکے محب و عاشق ہی نہین، بلکہ محبوب بھی بن جاؤگے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

"عمل مین خاصیت ہے محبت پیدا کرنے کی، تجربہ کر لو، روز روز کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جاے گی، پہلے تھوڑی ہو گی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائے گا، کہ بہت ہی زیادہ ہو جائے گی وہ جو کہتے ہین، کہ پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے، غرض نیک عمل مین یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہوتی ہے۔

"یہان ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہین مگر محبت پیدا نہین ہوئی، جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم مین ایک ہی چیز تو نہین کہ بس عمل کر لیا، بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزا سے ایک جزء تو

Marfat.com

عمل کرنا ہے اور دوسرا جزو یہ ہے کہ عمل کو اُس کے طریق کے مطابق کیا جائے، مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے، نیک عمل کا جو مامور بہ طریق ہے اس طریق سے کرو۔ پھر دیکھو، محبت کیسے نہیں پیدا ہوتی، تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا، اس نیت سے نہیں کہ اللہ کی محبت بڑھ جائے۔ سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے۔

"بہرحال ایک جزو تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیادِ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو، دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لو جی لگا کر، یعنی تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو (مگر وہی کہ جی لگا کر تاکہ محض صورتِ ذکر نہ ہو) تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو، اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اوّل تو اس طرف توجہ ہی نہیں، کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں، اور سمجھ لیا کہ ہم کامل و اکمل ہو گئے، بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل و اکمل ہوا ہے[1]۔

اسی نسخہ کو بعض اور اجزاء کی اعانت سے یوں تجویز فرمایا ہے کہ

"جن چیزوں سے کوئی محبوب ہوتا ہے یعنی انعام و نوال، حسن و جمال اور فضل و کمال وہ ہر طرح سے عقلاً و نقلاً علی وجہ الکمال اللہ ہی میں ہیں، پس وہی مستحق محبت ہیں، تدبیر یہ ہے کہ چند باتوں کا التزام کرو،

---

[1] اخرف السوانح - ۱۲

Marfat.com

ایک تو تھوڑی دیر خلوت مین اللہ اللہ کر لیا کرو، اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو، لیکن اس نیت سے کہ خدا تعالیٰ کی محبت ہو، دوسرے کسی وقت تنہائی مین خدا کی نعمتون کو سوچا کرو، پھر اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہین، اور اس کے باوجود خدا تعالےٰ ہم سے کس طرح پیش آرہے ہین، تیسرے ممبان خدا سے علاقہ پیدا کرو، آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی رکھو، چوتھے خدائے تعالیٰ کے احکام کی پوری اطاعت کیا کرو، کیونکہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے، اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے، پانچوین خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ اپنی محبت عطا فرمائین"

غرض جو عشق و محبت مامور و مطلوب ہے، وہ طبعی و نفسانی نہین، بلکہ عقلی و ایمانی ہے جو بالکل اپنے اختیار مین ہے، اور اس کے حصول کا جو نسخہ تجویز فرمایا گیا ہے اس کے بھی تینون اجزاء بالکل اختیاری ہین، یعنی (۱) اعمال صالحہ بنیت محبت (۲) ذکر اللہ مع الحقیقت (۳) اہل اللہ سے تعلق یا صحبت جس کی ضرورت پر اوپر مفصل گفتگو گذر چکی ہے

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق　　عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

نیز یہ اعمال صالحہ یا اتباع سنت والی عقلی و ایمانی محبت کا راستہ وصول الی اللہ کا نہ صرف یقینی و اقرب راستہ ہے بلکہ اسمین بھی اتنا ہے کہ زیادہ مجاہدات کی ضرورت نہین ہوتی، اصطلاح مین اس کو طریق جذب بھی کہتے ہین، کیونکہ اس مین چونکہ سب سے بڑے محب و محبوب الٰہی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نقل و اتباع ہوتی

Marfat.com

ہے، اس لیئے قدرتاً اپنے کامل ترین محب و محبوب کے متبع یا نقل اتارنے والے کی خود حق تعالیٰ کی طرف سے کشش یا انجذاب ہوتا ہے، کسی موقع پر فرمایا کہ

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے سلسلہ مین جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہوتا ہے، حالانکہ نہ یہان کچھ زیادہ ریاضات ہین، نہ مجاہدات، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ مین وصول بطریق جذب ہوتا ہے، بطریق سلوک نہین، اور یہ جذب برکت ہے اتباع سنت کی، کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے، اور محبوبیت کے لیئے جذب لازم ہے[1]"

محبوب سے ظاہری شباہت بھی کسی کو ہو تو اس کی طرف کشش قدرتی بات ہے اس لیئے اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ کی جلد امید ہے، حضرت خواجہ (عزیز الحسن مرحوم) نے خوب فرمایا کہ ؎

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہون
حقیقت اس کو تو کرنے مین صورت لے کے آیا ہون

اللہ تعالیٰ ہم کو اتباع سنت کی توفیق بخشین اور خواجہ صاحب کی اس دعا کو اپنے تمام متبع سنت بندون کے حق مین قبول فرمائین۔

محبت کا مدار مناسبت پر اسی عشق و محبت کے سلسلہ مین شریعت و طریقت کے جامع مجدد علیہ الرحمہ نے ایک اور بڑی لطیف بحث فرمائی ہے، جو صوفیہ اور اہل محبت سے بھی زیادہ ہمارے خشک علماء کے سننے اور سمجھنے کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا مدار مناسبت

---

[1] اشرف السوانح ص۳۳ حصہ دوم ۱۲

Marfat.com

پر ہے، اور یہ مناسبت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمام مخلوقات سے زیادہ حاصل ہے، جس کو حضراتِ صوفیہ مظہر اتم ہونے سے تعبیر فرماتے ہین، اور جس پر احقر کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ ہی نے سند خلافت اور نفخت فیہ من روحی سے سرفراز فرماکر قرآنی شہادت کی مہر لگادی ہے، کیونکہ کسی کا خلیفہ وہی ہوسکتا ہے، جس کو ظاہراً و باطناً مستخلف سے زیادہ سے زیادہ مناسبت و مشابہت ہو۔ اگر خلافتی تصرفات سے ظاہری مناسبت عیان ہے تو من سر وحی سے باطنی اس لیے اگر یہ احسن تقویم کی بلندی سے اسفل سافلین کی پستی مین پھینک دیئے جانے کا راستہ خود ہی نہ اختیار کرلے، تو اس کا مطلوب و محبوب اللہ تعالیٰ کے سوا ہو ہی کون سکتا ہے۔

خلق اللہ ادم علی صورتہ کا مطلب

"اور محبوب کون ہوتا ہے، وہی جس سے مناسبت ہو تو قلب کو جس سے مناسبت ہوگی وہی محبوب ہوگا مین نے ایک باپ سے سنا ہے کہ مجھ کو بڑے بیٹے سے محبت زیادہ ہے، وجہ یہ ہے کہ وہ میرا سا ہے، یعنی مجھے اس سے مناسبت ہے، سو برہان و وجدان سے ثابت ہوچکا ہے کہ قلب کو پوری مناسبت صرف حق سبحانہٗ سے ہے، اور اسی مناسبت کی نسبت شہادت دی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

"یہان صورت کے معنی شکل کے نہین، بلکہ وہی مناسبت ہے، جس کو صوفیہ نے ایک خاص عنوان سے کہا ہے جسے علمائے خشک قبول نہین کرتے"

Marfat.com

کہ انسان مظہر ہے حق تعالیٰ کا، اس لفظ سے چونکتے ہین، جو حقیقت مین اس حدیث کی تفسیر کا عنوان ہے، اور بدون اس تفسیر کے سخت اشکال پڑتا ہے، جس سے بچنے کے لیے بعضون نے ضمیر کا مرجع آدم کو بنایا ہے مگر بعض روایات مین بجاے صورتہ کے صورۃ الرحمٰن آیا ہے، اس کو کیا کرین گے، اس کے جواب مین یہ کہدیا کہ راوی نے اپنے اجتہاد سے روایت بالمعنی کردی ہے، مین کہتا ہون کیون تکلف کرتے ہو جو تفسیر صوفیاے کرام نے کی وہ نہایت بے تکلف وسہل ہے"

کیونکہ صورت اصل مین اسی کو کہتے ہین، جس کے واسطہ سے کوئی شے ظاہر ہوتی ہے، اور چونکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا سب سے بڑا اتم ظہور انسان ہی کی ذات وصفات سے ہوا ہے، اس لیے اس کو تمام دیگر مخلوقات کے مقابلہ مین اللہ تعالیٰ نے گویا اپنی ہی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

"یہ دیکھیے کہ صورت کسے کہتے ہین، اگر کہو کسی چیز کی شکل کو کہتے ہین مانا، مگر اس کو کیون کہتے ہین، اصل مین صورت کی حقیقت ظہور ہے، چنانچہ یہ بھی محاورہ ہے کہ صورۃ المسئلۃ کذا یعنی فلان مسئلہ کی صورت یہ ہے اور یون بھی کہتے ہین، کہ اس کام کے بننے کی کیا صورت ہے تو یہان صورت کے معنی ظہور کے ہین، اور چہرہ کو بھی صورت ظہور ہی کے معنی مین کہتے ہین، کہ اس سے حقیقت انسانیہ کا ظہور ہوتا ہے"

آگے اس حقیقت باطنہ کو بالکل ظاہر فرما دیا ہے کہ وہی "من روحی" والی روح یا انا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ

Marfat.com

مدیہ حقیقت وہ ہے جس کو انا سے تعبیر کرتے ہین، اور وہ روح ہے، اور وہ ایک مخفی چیز ہے، چونکہ روح ایک خفی چیز تھی، جسے کالبد سے ظاہر فرمایا، اس لیے کالبد کو اس کی صورت کہدیا تو اصل معنی صورت کے ظہور کے ہوے۔

"اب سمجھیے کہ خلق آدم علی صورتہ کے معنی ہین علیٰ ظہورہٖ یعنی خدا نے آدم کو اپنے ظہور پر پیدا کیا، یعنی آدم کو پیدا کر کے اپنے صفات کو ظاہر کر دیا، گو اور مخلوقات سے بھی صفات کا ظہور ہوتا ہے، مگر انسان چونکہ سب سے زیادہ جامع کمالات ہے، اس لیے اس سے زیادہ ظہور ہوتا ہے، اسی واسطے اس کو مظہر اتم کہتے ہین۔

"صوفیہ نے کیا کہا، وہی انھون نے بھی کہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صرف اصطلاح بدل دی، یہ اُن کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لیے اصطلاحین مقرر کر لی ہین، علمائے خشک جو ان کی اصطلاح نہین سمجھتے، اعتراض کر دیتے ہین، جو واقع مین خود اپنی فہم پر ہوتا ہے، اور محققین کی عادت ہوتی ہے، کہ طالب کے سامنے توکات کو ظاہر کر دیتے ہین، لیکن معاند کے اعتراض سُن کر بھی خاموش رہتے ہین، بلکہ اپنے متوسلین کو بھی اظہار سے منع کرتے ہین ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی
بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی[1]

---

[1] الشریعۃ از صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۶ ۱۲

Marfat.com

حمل امانت کی توجیہ غرض تمام مخلوقات مین چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت و مشابہت زیادہ حاصل ہے، اس کی بنا پر اس کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عاشق بھی ہونا چاہیئے ابتدائے طالب علمی مین حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کی حقیقت حیوان عاشق ہے، اس کی نصل عاشق ہے، کیونکہ ناطق تو جنات و ملائکہ بھی ہین[1]، بلکہ حضرت تو اس کے قائل ہین، کہ تمام مخلوقات حیوانات و نباتات حتی کہ جمادات بھی عاقل ہین، ہان یہ مسلم ہے کہ اُن مین اتنی عقل نہین، جو تکلیف کے لیئے کافی ہو۔ حمل امانت کی بھی ایک دلچسپ توجیہ حضرت نے انسان مین غلبۂ عشق ہی سے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے غایت مشابہت کی بنا پر عشق تو تھا ہی، اور معشوق کے حکم و خوشی کے پورا کرنے مین چون وچرا شانِ عشق نہین، بس اس دیوانگی مین کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنے کو پیش کر دیا۔

"بہرحال انسان کے حمل امانت کا منشاء عشق تھا، اور اس کو مین نے حافظ شیرازی کے کلام سے سمجھا ہے، فرماتے ہین ؎

آسمان بار امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اس مین لفظِ دیوانہ سے منشاء حملِ امانت پر اشارہ ہے، اور اسی کلام سے معلوم ہوگیا کہ عشق دیوانگی کا نام ہے، جو محبت کے علاوہ درجہ ہے[3]۔

"البتہ حق تعالیٰ کی محبت مین شان عقلیت غالب ہوتی ہے، اور اپنے ہم جنس کی محبت مین شان طبیعت غالب ہوتی ہے، اور سرسری نظر مین محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے مضمحل معلوم ہوتی ہے، حالانکہ امر بالعکس

---

[1] وعظ التحصیل والتسہیل ص۲۶ ج۱۲ [2] ایضاً ص۲۴ ج۱۲ [3] ایضاً ص۲۶ ج۱۲

Marfat.com

ہے، چنانچہ اسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جائے[1]

یہ ایک طالب کے جواب مین حضرت نے تحریر فرمایا تھا، جن کو یہ شبہ ہو گیا تھا، کہ وہ حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ محبت کے مقابلہ مین اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کم محسوس کرتے ہین۔

حق تعالیٰ مین اسباب محبوبیت بدرجۂ کمال جمع ہین

پھر کسی سے محبت کے عقلاً جو اسباب ہو سکتے ہین، وہ بالذات اور بدرجۂ اتم و اکمل اللہ تعالیٰ ہی مین موجود ہین

"کسی سے جو محبت ہوتی ہے، اس کی وجہ یا کمال ہے، یا جمال یا نوال (یعنی داد و دہش) تو معلوم ہوا کہ محض ذات سے محبت نہین ہوتی، کسی صفت کی وجہ سے ہوتی ہے، اب دیکھو یہ صفتین بالذات کس کی ہین، جس مین یہ اوصاف بدرجۂ اکمل ہون گے، وہ زیادہ محبوب ہوگا۔ تو اس مین مسلمان کو تو شبہ نہین ہو سکتا، کہ سب سے زیادہ کمال کے ساتھ یہ اوصاف خدا ہی مین پائے جاتے ہین"

غرض مسلمان یا مومن کے لیئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عقلی محبت مین اشد ہونا بالکل لازمۂ ایمان ہے۔ یہی نہین بلکہ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اس کو جس شے سے محبت ہوتی ہے وہ دراصل محبت حق ہی کا ظل و پرتو ہوتی ہے، کیونکہ جہان کہین جو بھی جمال و کمال پایا جاتا ہے، وہ کمال حق ہی کا پرتو ہے۔

"ہر کمال کمال خداوندی ہی کا ظل ہے تو ہر شخص اگرچہ وہ کسی کا

---

[1] اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۱۲

Marfat.com

عاشق ہوا، واقع مین وہ کمالِ خداوندی کا عاشق ہے، اور اس کی ایسی مثال ہے، جیسے ایک شخص نے دیوار پر دھوپ دیکھی، اور اس کی وجہ سے وہ دیوار کا عاشق ہو گیا، حالانکہ یہ واقع مین دیوار کا نہین آفتاب کا عاشق ہے، کیونکہ دیوار کا عشق ایک کمال کی وجہ سے پیدا ہوا یعنی نور جو واقع مین آفتاب کا کمال ہے نہ کہ دیوار کا، یہی وجہ ہے کہ جب آفتاب چھپ جاتا ہے، اور وہ نور زائل ہو جائے، تو عشق بھی زائل ہو جاتا ہے۔

عشق بامردہ نباشد پائدار　　عشق را با حی و با قیوم دار
عشقہاے کز پئے رنگے بود　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

عقلی محبت کا لازمہ لیکن سب سے زیادہ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ اس عقلی عشق و محبت کا لازمہ یہ ہونا چاہیے، کہ اس دنیا مین بھی محب کے ذمہ محبوب کے جو حقوق ہوتے ہین اسی طرح کا تعلق ہم کو حق تعالےٰ سے رکھنا چاہیے دیکھئے کہ عاشق کو معشوق سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اور اس کے دل مین معشوق کی کتنی عظمت و وقعت ہوتی ہے، کیا اگر معشوق یہ حکم دے کہ تم میرے پاس آؤ یا گرمی کے وقت چلچلاتی ہوئی دوپہر مین چار کوس تک برہنہ پا چلے آؤ، تو کیا عاشق انکار کرے گا، یا اس سے اس حکم کے مصالح پوچھے گا، اگر اس کو سچا عشق ہے، تو بلانے سے دوڑا ہوا آئے گا اگر کوئی روکنا بھی چاہے تو ہرگز نہ رکے گا، غرض کسی قسم کے امر و نہی مین اس کو ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا لوگ اس کی حرکات پر اس کو دیوانہ بتلائینگے

Marfat.com

پاگل کہین گے، مگر اس کو اُس سے ذرا عار نہ ہوگا اور رکھے گا۔

ما اگر قلاش دگر دیوانہ ایم　　مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

"سب جانتے ہین، کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے، تو اس کی یاد کسی وقت دل سے نہین اترتی، اور دوسرے اس کے ہر حکم کو گوش قبول سے سنتا ہے، کبھی ایسا نہین ہوتا، کہ عاشق سے محبوب کے کسی حکم مین بھول چوک یا نافرمانی کا ظہور ہو، کیونکہ بھول ہمیشہ اس کام مین ہوا کرتی ہے، جس کی جانب پوری توجہ نہ ہو، اور جو چیز ہر وقت قلب پر مستولی ہو، اس مین بھول کا ہونا عادۃً ممکن نہین"

بس حضرات صوفیہ کے ہان جس عشق پر اتنا زور ہے، کہ ان کا سارا دین و مذہب ہی عشق معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدید اصلاح کے مطابق طبعی و نفسانی جوش و خروش کا نہین بلکہ ایمانی و عقلی محبت کے اس استیلائی درجہ کا نام ہے، جس مین محبوب کی طرف توجہ اور اس کی یاد و اطاعت کے سوا دل و دماغ مین ماسوا کی قطعاً گنجایش ہی نہین رہتی، اسی کو سرآمد صوفیہ حضرت مولانا روم فرماتے ہین ؎

عشق آن شعلہ است چون برفروخت　　ہر کہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عشق و تفویض اس ایمانی عشق کا منصوص و معروف نام تفویض ہے، ارضاء الرب نام و عظمین ارشاد ہے کہ

"عشق کی حقیقت تفویض ہے کہ اپنے کو خدا تعالےٰ کے سپرد کر دے جس طرح چاہین ہم تصرف کرین تشریعاً بھی تکوینیاً بھی اور ہم ہر حال مین

Marfat.com

راضی رہین، یہی حقیقت ہے تفویض کی۔"

ایک عجیب نکتہ کسی ملفوظ مین یہ بیان فرمایا کہ "شیطان جو مردود ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سالک محض تھا، جذب و محبت کا مادہ بالکل نہ تھا ورنہ اس بے ادبی سے اعتراض نہ کرتا۔ اس لیے سالک محض (خشک اہل عمل) کی حالت خطرہ سے خالی نہین۔ چاہیے کہ جذب کا مادہ بھی پیدا کرین، جس کا طریقہ کثرتِ ذکر اور صحبتِ اہل محبت ہے[1]۔"

اور یہ ایمانی عشق لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ غیر اللہ سے جتنے تعلقات ہین، وہ اُن کے الٰہ و معبود یا نافع و ضار ہونے کی غلطی و غلط فہمی ہی سے ہین، جس کی خود قرآن مجید نے شدت سے نفی فرمائی ہے، افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئا ولا یضرکم خود مولانا (روم) اسی مذکورہ بالا شعر کے بعد فرماتے ہین، کہ

تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

دنیوی عشق یا استیلائے محبت کا لازمہ بھی یہی سمجھا جاتا ہے، کہ غیر پر نظر نہ پڑے مولانا نے مثنوی مین ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ

"ایک شخص ایک عورت کے پیچھے چلا، اس نے پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیون آتا ہے، کہنے لگا مین تجھ پر عاشق ہو گیا ہون، اس نے کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آرہی ہے، وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے، ہوناک

---

[1] اشرف المسائل ص۱۵ ۱۲

Marfat.com

تو تھا ہی فوراً پیچھے لوٹا، جب لوٹنے لگا تو اس عورت نے ایک دھول رسید کیا، اور

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی　　دربیان و دعوئے خود صادقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر　　نیست این دعوائے عشق اے بے ہنر

کہ مرد و اگر تو عاشق تھا تو غیر پر کیون نگاہ کی، یہ کیسی محبت کہ دعویٰ خدا کی محبّت کا اور تعلق دوسرون سے۔

عشق مجازی کی حقیقت | اس حکایت کے سلسلہ مین عشق مجازی کی حقیقت ذرا کان کھول کر سن لینی چاہیئے، کیونکہ تصوّف کو بدنام کرنے والے بہت سے جاہل ہوسناکون نے اس کو اپنی ہوس رانی کا پردہ بنانا چاہا ہے، حدیث مین ہے کہ

من عشق فعفّ　　یعنی جو شخص کسی پر (بلا اختیار) عاشق
وکتم فمات مات　　ہو جائے پھر عفیف رہے، اور پوشیدہ
شہیدًا۔　　رکھے پھر مرجاے تو وہ شہید مریگا۔

اس حدیث مین دو مسئلے ہین، پہلا یہ کہ عشق غیر اختیاری مطلق مذموم نہین (جیسا کہ) بعض خشک مزاج اس کو عیوب مین شمار کرتے اور عاشق کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہین) اور مذموم کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ شہادت تک پہونچاتا ہے، اور اسی وجہ سے بعض اہل طریق اس کی مدح کرتے اور وصول الی المقصود کے اسباب مین کہتے ہین، عارف جامی فرماتے ہین ؎

متاب از عشق او گرچہ مجازی است　　کہ آن بہر حقیقت کارسازی ست

Marfat.com

اور عارف رومی فرماتے ہین ؎

عاشقی گر زین سر و گر زان سرست　　عاقبت ما را بدان شہ رہبرست

"دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس عشق کے محمود و موصل الی المقصود ہونے کی شرط یہ ہے، کہ معشوق مجازی کی طرف قطعًا التفات نہ ہو، نہ اس کی طرف نظر کرے، نہ اس کا کلام سُنے حتیٰ کہ اس کی طرف قلب سے بھی توجہ نہ کرے (یعنی دل مین بھی تصوّر نہ لائے) اور یہی مراد ہے جامی کے قول سے جو شعر بالا سے متصل ہی ہے۔

ولے باید کہ بر صورت نمانی　　وزین پل زود خود را بگذرانی

اسی طرح عارف رومی کا قول شعر بالا کے تھوڑی دور بعد ہے۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

اور مراد اس مین یہ ہے کہ مقصود حقیقی تک پہونچنے کی بڑی شرط ماسوا سے قطع تعلق کرنا ہے، اور عشق بجز محبوب کے سب سے تعلقات کو قوت کے ساتھ قطع کر دیتا ہے، جیسا کہ عارف رومی فرماتے ہین ؎

عشق آن شعلست چون بر فروخت　　ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

تو محبوب مجازی کا ماسوا تو اس عشق مجازی سے فنا ہو گیا، پھر جب اپنے نفس کو اس محبوب مجازی سے بالکل الگ کر کے مراقبات و اذکار سے ہمہ تن محبوب حقیقی کی طرف توجہ کر کے اس کے قریب کر دیا، پس تعلقات رخصت ہو گئے اور صرف واحد محبوب حقیقی باقی رہ گیا جیسا کہ شعر بالا کے بعد ہی مولانا رومی فرماتے ہین ؎

Marfat.com

تیغ لا در قتل غیر حق براند　　در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ سوخت　　مرحبا اے عشقِ شرکت سوز سوخت

عشق مجازی کو حقیقی مین مبدل کرنے یا اس کو عشق حقیقی کا ذریعہ بنانے کے لیئے جو شرائط ہین، ان کی تفصیل التکشف مین فرمائی ہے، کہ اگر اتفاقاً و بلا قصد عشق مجازی مین مبتلا ہو جائے،

"تو اوّل عفّت و پارسائی اختیار کرے، کوئی امر خلاف شرع نہ کرے، نہ قصداً اس کو دیکھے، نہ اس سے باتین کرے، نہ اس کی باتین سنے نہ دل مین قصداً اس کا خیال کرے، کیونکہ مخالفتِ شرع عشقِ حقیقی کے منافی ہے، اور منافی کے ہوتے کب امید ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو (۲) دوسرے اس سے ایسی دوری اختیار کرے، کہ اتفاقاً بھی اس پر نظر نہ پڑے، نہ آواز کان مین پہونچے، تاکہ قلب مین سوز و گداز پیدا ہو (۳) تیسرے خلوت و جلوت مین یہ سوچا کرے کہ اس کا کمال یا حسن و جمال کہان سے آیا، اور کس نے عطا کیا، جب موصوف مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی۔

چہ باشد آن نگار خود　　کہ بہ بند این نگار ہا

"اس سے اس کا عشق مجازی مخلوق سے خالق کی طرف مائل ہو جائے گا، یہی معنی ہین اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ (یعنی اس کو فنا) نہین کرتا، بلکہ امالہ (یعنی معشوق حقیقی کی طرف مائل) کر دیتا ہے، جس طرح انجن گرم ہو مگر الٹا چلتا ہو، تو قطع

Marfat.com

مسافت کرنے والے کو مناسب نہین کہ اس کو بجھا دے، بلکہ اس کی کل پھیر کر سیدھا چلا دے۔

اور بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے، اس سے حلال عشق مراد ہے (شلابی بی سے) نہ کہ حرام، کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو ہی نہین سکتی، اور جو اس مشورہ سے غرض ہے، وہ عشق حلال سے بھی حاصل ہے، کیونکہ عشق مین گو وہ مجازی ہو، یہ خاصیت ضرور ہے، کہ اس سے قلب مین سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے، اور دوسرون کے تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہین، اور خیال مین یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے، اب صرف ایک کام باقی رہ جاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر دیا جائے تو بہت آسانی سے قلب خالی ہو جاتا ہے۔

"جیسے گھر مین جھاڑو دے کر سب خس و خاشاک ایک جگہ جمع کر لیتے ہین پھر کسی ٹوکرے مین اٹھا کر باہر ایک دم پھینک دیتے ہین، اگر ایک ایک تنکا اٹھا اٹھا کر پھینکا جائے طویل مدت صرف ہو، پھر بھی اس قدر صفائی نہ ہو، غرض مقصود اصلی ترک تعلقات یا قلب مین رقت سوز و گداز پیدا کرنا ہے، جو اگر اور طریقہ سے حاصل ہو جائے تو بھی کافی ہے،

اور آج کل خصوصاً اور طریقے ہی مناسب ہین۔

"چونکہ اس زمانہ مین اس طریق کے اندر خطرہ شدید ہے، کیونکہ نفوس

Marfat.com

مین شہوت پرستی و لذت جوئی زیادہ ہے، اس لیئے قصداً ایسے طریق کا تبلانا جائز نہین، ہان اگر اتفاقاً مبتلا ہو جائے تو بطریق مذکور اس کا امالہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہیئے۔ (کشف جلد سوم صفحہ ۶)

لیکن یہ پھر ایک مرتبہ سُن لینا اور خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اس ستیلائی محبت یا جملہ سوزاور "شرکت سوز" عشق کی گرمی۔

"حاصل اس طرح ہوتی ہے کہ کسی گرمی والے کے پاس رہے، اور اس کی ہدایت کے بموجب عمل کرے، اور یہی وہ چیز ہے، جو سینہ بسینہ چلی آتی ہے، نہ مولوی بن کر حاصل ہوتی ہے، نہ مورخ، اور یہ کوئی عجیب بات نہین، اس کے سوا بھی اکثر ایسے کام ہین، جو سینہ بسینہ چلے آتے ہین اگر کوئی ساری خوان نعمت حفظ کرلے، مگر جب تک کسی کامل استاد کے پاس نہ رہے باورچی گری نہین آسکتی، اسی طرح اگر کوئی کتاب دیکھ کر کُرتے، اچکن وغیرہ کی کاٹ اور بر کرلے، تو اس کو درزی کا کام نہین آسکتا، تصوّف کے سینہ بسینہ ہونے کے یہی معنی ہین، نہ یہ کہ مسئلے سینہ بسینہ ہین، کیونکہ مسائل تو تمام کتابون مین موجود ہین، بلکہ وہی ایک نسبت ہے جس کو گرمی سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے[1]۔

---

[1] الرفیق صفحہ ۱۲

Marfat.com

باطنیت

تصوّف کی باطنیت یا سینہ بسینہ ہونے کی شہرت، تصوّف کے دوستون اور دشمنون سب کے لیئے بڑے فتنہ کا سامان رہی ہے۔ جاہل غیر محقق نام نہاد صوفیون کے لیئے تو اس کی بدولت الحاد و اباحت تک کا راستہ صاف ہو گیا۔ جس ہوا و ہوس کی ظاہر کتاب و سنت مین گنجایش نہ دیکھی اس کو باطن کا علم یا سینہ بسینہ راز بتا دیا۔ دوسری طرف علمائے ظاہر ایسی باتون سے متوحش ہو کر سرے سے تصوف ہی کے منکر و دشمن ہو گئے۔ حالانکہ اس کو علم باطن کہنے کے اصلی و صحیح معنی وہی تھے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی کہ اس علم کا خاص تعلق یا خاص موضوع بحث قالب و ظاہر کے بجائے قلب و باطن کے احکام، اس کے امراض اور اُن امراض کا معالجہ ہے — اور جو شریعت کا اسی طرح ایک حصّہ ہے، جس طرح فقہ ظاہر و جوارح کے احکام کا۔ اور جس طرح فقہ کے ظاہری احکام تمامتر کتاب و سنت ہی مین منصوص یا اسی سے ماخوذ ہین۔ اسی طرح تصوف کے باطنی احکام بھی بالکلیہ قرآن و حدیث ہی کے منصوصات یا ان ہی پر مبنی ہین۔

اخفاء کی وجہ باقی کچھ چیزین تو ہر علم و فن ہی مین ایسی ہوتی ہین کہ جن کا تعلق یا تو ذاتی تجربہ سے ہوتا ہے اس لیئے وہ بغیر اس تجربہ سے گذرے پوری طرح سمجھ مین نہین آتین، اور اندھے کے حق مین کھیر ٹیڑھی بن جاتی ہین۔ اس لیئے انکی تعبیر بجائے تفہیم کے الٹے غلط فہمی کا موجب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عام ذوقیات

Marfat.com

وجدانیات یا صوفیانہ کیفیات و مکاشفات وغیرہ کا حال ہے۔ پھر یہ بھی تجربہ ہی کی بات کہ ان کے اظہار سے اکثر اپنا باطنی نقصان بھی ہوتا ہے، اس لیے بھی ان کا اخفا ضروری ہے۔

"تصوف کے اجزا، بہت سے ہین، منجملہ ان کے احوال بھی ہین، ان کو کسی سے بیان نہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اپنے خاص معاملات ہین خدا کے ساتھ جن کے ظاہر کرنے سے اپنا باطنی نقصان ہوتا ہے۔ نیز ایک جزو اس مین علم مکاشفہ و اسرار بھی ہین، ان کو بھی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر لوگون کی سمجھ مین نہین آتے۔ اور بہت سی غلط فہمیان سننے والون کو ہو جاتی ہین جن سے اُن کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کبھی آم نہ کھایا ہو اور اس کے سامنے آم کی کیفیت بیان کی جائے تو کیسی ہی جامع حقیقت بیان کرو، لیکن اس کی سمجھ مین نہین آسکتی اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ

پرسید یکے کہ عاشقی چیست　　گفتم کہ چو ما می شوی بدانی

اور وجہ یہ ہے کہ امور وجدانیہ وجدان ہی سے سمجھ مین آتے ہین، اور وجدان محض سننے سے پیدا نہین ہوتا[1]

اسی طرح ایک ملفوظ مین ارشاد ہے کہ "اپنے حالات و اسرار پر کسی کو مطلع نہ کرنا چاہیے، اگرچہ کوئی کتنا ہی مخلص دوست ہو۔ ایسا کون ہوگا کہ اپنی بی بی کو کسی دوست کی بغل مین دینا گوارا کرے" (اشرف المسائل ص۳۰)

---

[1] الرفیق ص۲۵

Marfat.com

ایک اور وجہ یہ تو وجدانیات و ذوقیات کے اخفا کی وجہ تھی۔ علاوہ برین بعض باتین ہر علم و فن کی ایسی پیچیدہ و دقیق ہوتی ہین کہ ہر کس و ناکس ان کے فہم کی استعداد نہین رکھتا۔

"مولانا روم ایسے ہی نازک مضامین کی نسبت فرماتے ہین ؎

نکتہا چون تیغ پولاد ست تیز گر نہ داری تو سپر واپس گریز

پیش این الماس بے اسپر میا کز برید ن تیغ را نبود حیا

اور اسی واسطے ابن العربی نے کہا کہ یحرم النظر فی کتبنا کہ ہماری کتابون کا دیکھنا حرام ہے۔ رہا یہ شبہ کہ جب کتاب کے دیکھنے کی اجازت نہین تو پھر لکھا کیون تو انھون نے جو کچھ لکھا ہے اپنے جیسون کے لیے لکھا ہے[1]

بعض اور مصالح اس کے علاوہ بعض ضمنی مصالح و منافع کی بنا پر بھی تصوف کی تعلیم مین کچھ اخفا سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً ہر شخص کو اس کی خاص حالت و استعداد کے موافق اس تعلیم سے نفع ہوتا ہے۔ دوسرا اگر اس کی ریس کرنے لگے تو اُلٹا ضرر کا اندیشہ ہے۔ یا اسی طرح اخفا و خلوت کے اہتمام کے ساتھ جو بات کہی جائے، تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

"چنانچہ جو محقق ہین وہ دماغی قوت اور فرصت کو دیکھ کر تعلیم کرتے ہین، اور سب کو الگ الگ بتلاتے ہین اور اسی وجہ سے تصوف کی تعلیم مخفی ہے کہ ہر ایک کا حال جدا ہے، تو علانیہ تعلیم مین احتمال ہے کہ ایک طالب بر اہ ہوس دوسرے کی تعلیم پر بلا اجازت عمل کرنے لگے

Marfat.com

یہ وجہ ہے مخفی تعلیم کی نہ اس وجہ سے جو کہ مشہور ہے، کہ تصوّف کے مسائل سینہ بسینہ علاوہ شریعت کے چلے آتے ہین۔ دوسری حکمت اس مین یہ ہے کہ خلوت کی بات خصوصیت کی سمجھی جاتی ہے اور اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے[1]۔

غرض کسی بات کا کسی مصلحت سے اخفا نہ فی نفسہ کوئی جرم وگناہ ہے، اور نہ صرف تصوف کے ساتھ خاص کہ اس کی وجہ سے اس سے توحش جائز ہو۔ رہا جاہل یا نفس پرست نام کے صوفیون کا اس سے ناجائز کام لینا سو وہ بھی تصوف کے ساتھ خاص نہین۔ جہلا اور اہل غرض ظاہر شریعت مین کب اس سے باز رہتے ہین۔ باقی مخلص ومتقی محققین یا اُن کے مقلدین کے لیے جب کتاب وسنت کی کسوٹی الحمدللہ موجود ہے، تو وہ کھوٹے کھرے کی تمیز ہر وقت کر سکتے ہین۔

اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدید وتحقیق کا یہ معیار تو اس درجہ بلند تھا کہ تصوف کی مقبول سے مقبول تعلیم کو بھی جہان اس معیار سے گری یا مشکوک ہوئی تو بے تکلف ترک فرما دیتے تھے یا اگر خود گنجایش بھی نظر آتی، مگر طالب کے شک مین پڑ جانے کی وجہ سے اس کو خلجان ہونے کا اندیشہ ہوتا، تو اس کو ترک ہی کا مشورہ دیتے۔ اسم ذات کا ذکر صوفیہ کے سارے سلاسل مین کیسا مقبول ومسلم ہے۔ خود احقر کو پہلے اس مین شک ہوا، کہ خالی اللہ اللہ کے ذکر کی کوئی اصل وسند نہین معلوم ہوتی پھر خیال ہوا "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" اور "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى" وغیرہ سے ذکر اسم ذات بھی مراد ہو سکتا ہے۔ تاہم حدیث مین ہر موقع اور ہر قسم کے اذکار کی تعلیم

---

[1] التقوی ص۱۱۲

Marfat.com

پائی جانے کے باوجود اسم ذات کی تعلیم نہ ہونا یا صحابہ مین اس کا کوئی اثر تک نہ ملنا سمجھ مین نہ آتا تھا۔ آخر اس بارے مین حضرت سے مکاتبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ احقر کو اس سے بالکلیہ منع فرما دیا۔ اور خود حضرات صوفیہ کی تعلیم مین اس کے رواج عام کا منشا نفس ذکری حیثیت کو نہین بلکہ مشق و تمرین کی حیثیت کو قرار دیا۔

اسی طرح ذکر جہر و ضرب کی تعلیم بھی حضرات صوفیہ کے ہان کتنی عام ہے اس کی نسبت قصد السبیل ہی مین بقدر ضرورت اجازت کے ساتھ تنبیہ فرمائی ہے کہ "یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ زور سے ذکر کرنا اور ضرب لگانا خود کوئی ثواب کی بات نہین ایسا اعتقاد کرنا گناہ ہے"۔

ایک اور بڑی تنبیہ | کی بات اس سلسلہ مین اس عام و عامیانہ خیال کا ازالہ تھا کہ علم باطن علم ظاہر یا شریعت سے افضل ہے، جیسا کہ مثلاً ان اشعار سے شبہ ہوتا ہے۔

آن پسر را کش خضر ببرید حلق — سرّ آن را در نیابد عام خلق
گر خضر در بحر کشتی را شکست — صد درستی در شکست خضر ہست
وہم سوئی با ہمہ نور و ہنر — شد ازان محجوب تو بے پر بپر

حالانکہ یہان مقصود فقط اتنا ہے، کہ بہت سی باتون کی مصلحت و حکمت مخفی ہوتی ہے ہر شخص خصوصاً عوام کی سمجھ مین نہین آتی، لہذا بزرگون کی ایسی باتون پر اعتراض مین عجلت و مبادرت خواص کو بھی زیبا نہین صبر و تحقیق سے کام لینا ضروری ہے غرض

"اس مین تائید ہے ترک اعتراض کی یعنی دیکھو ظاہر مین خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا تھا مگر واقع مین اس کی حفاظت تھی جیسا کہ قرآن مجید مین

Marfat.com

مذکور ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیال باوجود تمامتر علم و معرفت وکمال نبوت کے اس کی وجہ معلوم کرنے سے محجوب رہا سو تم بے پر مت اڑاؤ

"اس قصہ سے بعضون کو شبہ ہوگیا کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے ما اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس استفادہ کے لیئے بھیجا گیا۔ نیز اس سے مستنبط کیا کہ اگر شیخ خلاف شرع کچھ حکم کرے تو مرید کو اس کا اتباع واجب ہے"

"سو خوب سمجھ لو کہ یہ سب دعوے باطل ہین۔ علم باطن کا حکم شرع سے افضل ہونا اس قصہ سے ثابت نہین ہوتا دو وجہ سے اوّل یہ کہ علم باطن خود ایک شعبہ ہے علم شریعت ہی کا۔ اصلاح ظاہر کے حکم کو فقہ کہتے ہین اور اصلاح باطن کے حکم کو تصوّف۔ سو جزء کس طرح کل سے افضل ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ مین خضر علیہ السلام کو جو بعض امور بعیدہ و مخفیہ کی اطلاع ہوگئی تھی، یہ سرے سے علم باطن ہی نہین، جس مین گفتگو ہے۔ بلکہ چند واقعات جزئیہ و حالات کونیہ ہین، جن کا انکشاف اُن کو ہوگیا تھا۔

"جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ جو چیزین زمانًا یا مکانًا بعید تھین، وہ اُن کے علم مین قریب ہوگئین۔ سو دور کی چیز کا نزدیک معلوم ہونا علم باطن نہین بخلاف علم موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ علوم شرعیہ کلیہ و معارف الٰہیہ ہین کہ ظاہر و باطن سب ان کے شعبے ہین۔ غرض علم خضری کسی طرح علم موسوی سے فائق نہین۔ جیسے کسی بڑے کامل

Marfat.com

کو یہ خبر نہ ہو کہ پس دیوار کیا ہے، سو اس واقعہ کا جاننے والا کسی طرح اس کامل سے نہین بڑھ سکتا۔

"اور جو مسئلہ (پیر کی علی الاطلاق وجوب اطاعت کا) استنباط کیا ہے وہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کا کامل ہونا خود اللہ تعالیٰ کی شہادت سے معلوم ہو گیا تھا، تو یقیناً یہ بھی معلوم تھا کہ اُن سے کوئی امر خلاف شرع نہ ہوگا، گو اس کی وجہ نہ سمجھنے سے انکار فرمایا ورنہ سکوت و تسلیم کی گنجایش تھی۔ باقی جو شخص خلاف شرع ہو یا جو دوسرے کو ایسا امر بتلائے، اس کا کامل ہونا ہی مشکوک ہو جاوے گا۔

"پھر خضر علیہ السلام شریعت موسویہ کے اتباع کے مکلف نہ تھے، ان کی شریعت کچھ اور تھی۔ بخلاف اس وقت کے کہ سب ایک ہی شریعت کے مکلف ہین۔ اب خلاف کرنے والے کا اتباع جائز نہین پس معلوم ہوا کہ یہ سب دعوے سرتاسر غلط ہین۔ اور اس مقام پر مولانا روم کا مقصود علم خضری کو علم موسوی پر فضیلت دینا نہین۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بعض اکابر کو بعض چھوٹے اسرار پر اطلاع نہین ہوتی تو تم چھوٹے ہو کر بڑون کے اسرار کا انکار کیون کرتے ہو"[1]

اشد فتنہ لیکن اس باطنیت کی راہ سے جو فتنہ سب سے اشد تصوف مین داخل ہو گیا وہ قرآن کے ظاہری و باطنی معنیٰ و تفسیر کا ہے

---

[1] التکشف جلد سوم مسائل ثنوی صہ ۱۵ و ۱۶ ۱۲

Marfat.com

اس کی حقیقت پوری توجہ سے معلوم کرلینا چاہیئے۔

" اکثر صوفیاء کرام کے کلام مین بعض آیتون کا خلاف ظاہر معانی پر محمول ہونا پایا جاتا ہے ایسے مواقع پر ناظرین کو دو غلطیان ہو جاتی ہین۔ بعض تو یون اعتقاد کر لیتے ہین کہ قرآن شریف کی تفسیر یہی ہے، اور علمائے ظاہر کی تفسیر غلط ہے۔ یہ اعتقاد بالکل باطل اور زنادقہ کا شعار ہے جس سے ساری شریعت ناقابل اعتبار اور منہدم ہو جاتی ہے۔ اور بعض لوگ ان حضرات پر طعن کرنے لگتے ہین کہ انھون نے قرآن مین تحریف کر دی اور تفسیر بالرائے کرتے ہین، اس لیئے اس کی تحقیق ضروری ہے۔

" اصل قرآن کی تفسیر تو وہی ہے جو علمائے مفسرین نے لکھی ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مضمون قرآن کا مقصود یا مدلول ہے، اس کے مشابہ کوئی ایسا مضمون ہوتا ہے، کہ مدلول قرآنی سے ذہن اس مشابہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جیسا زید و عمر مین مناسبت ہو، اور زید کے بیان مین عمر و یاد آجائے۔ اس انتقال ذہن کی وجہ سے جو مضمون قرآن کا اصل مدلول ہے اس پر مشابہ کا قیاس کر کے اس کے لیئے بھی وہی حکم جو مدلول قرآنی کا ہے ثابت کرنے لگتے ہین لیکن اس سے مقصود صرف کا اس مشابہ مضمون کو خود نص مین داخل کر دینا نہین ہوتا۔ بلکہ محض قیاس و تمثیل کا قصد ہوتا ہے۔

" مثلاً لِهٰذَا بَيْتِيْ کا اصل مقصود و مدلول تطہیر کعبہ ہے جس سے

Marfat.com

ذہن منتقل ہوگیا کہ انسان مین بھی ایک چیز کعبہ کے مشابہ ہے، اور وہ قلب ہے۔ کیونکہ جس طرح کعبہ پہ انوار الٰہی نازل ہوتے ہین، قلب پر بھی فائض ہوتے ہین (یا جس طرح کعبہ بیت اللہ ہے اسی طرح قلب المومن عرش اللہ ہے۔ راقم الحروف) اس سے قیاس کیا کہ جس طرح کعبہ کی تطہیر ضروری ہے، اسی طرح قلب جو مورد تجلیات الٰہی ہے، اس کا پاک رکھنا بھی ضروری ہے۔

"اس کو علم اعتبار کہتے ہین، جس کی بابت فاعتبروا یا اولی الابصار مین موجود ہے، اور تمام فقہا و محدثین احکام مین اس کا استعمال کرتے ہین۔ پس اگر کوئی اس معنی مین مقیس (مشابہ) کو مجانا مدلول نص کہدے باین معنی کہ قیاس مظہر ہے نہ مثبت تو اس مین کوئی بات قابل مواخذہ نہین۔ ساری خرابی غلو کی ہے چنانچہ

"بعض نے جو یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر اور ایک بطن ہے یہ نہایت بعید ہے، کیونکہ ظہر و بطن دونون کا اس آیت مین احتمال (گنجایش) ہونا ضروری ہے۔ اور ایسے نکات و اعتبارات وغیرہ (جو ہر آیت مین نکالے جائین) یقیناً آیت مین محتمل نہین ہوتے۔ جیسا کہ ماہرین قواعد شرعیہ و عربیہ پر مخفی نہین، اس لیے ان کو بطن قرآن کہنا نہایت مستنکر ہے۔ بلکہ بطن سے (اصل ہین) مراد وہ دقیق معانی اور خاص استنباطات ہین، جن کو حضرات مجتہدین سمجھے ہین اور جس کی تفصیل اہل اصول نے، جو وہ دلالات مین لکھی ہے اور ان بطون مین مراتب مختلف ہین۔ بعض عوام نہین سمجھتے علماء متوسطین سمجھ جاتے ہین۔ بعض وہ

Marfat.com

ہین، جن کو علمائے راسخین و مجتہدین سمجھتے ہین، اور بعض ایسے ہین، جن کو صرف انبیا علیہ السلام سمجھتے ہین۔ فوق کل ذی علم علیم۔

"قرآن و حدیث کے ظاہری معنیٰ کا انکار کفر ہے۔ البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور باطن کی طرف عبور کرنا محققین کا مسلک ہے مثلاً حدیث مین ہے کہ جس گھر مین کتا ہو وہان فرشتے نہین جاتے۔ اہل ظاہر نے کتا پالنے کو تو برا سمجھا، مگر دل مین صفات کلبیہ کو جمع رکھا لیکن ایمان موجود ہے، مرمٹ کر ایسون کو تو جنت مل جائے گی۔ منکرین ظاہر نے کتا پالنے کی اجازت دی اور کہا کہ موذی حدیث کا مطلب نہین سمجھے بیت سے مراد قلب ہے اور ملائکہ سے مراد انوار غیبیہ اور کلب سے مراد صفات سبعیہ وغیرہ یہ شرع کا انکار کرکے کافر مستحق جہنم ہوے۔ محققین نے کہا کہ مطلب تو حدیث کا وہی ہے، جو اہل ظاہر سمجھے مگر غور کرنا چاہیے کہ ملائکہ کو کتے سے کیون نفرت ہے، صرف اس کے صفات ذمیمہ سبعیہ و نجاست و حرص و غضب وغیرہ کی وجہ سے، پھر جب ظاہری گھر مین کتا رکھنا جائز نہین تو باطنی گھر مین کتے کے صفات کا رکھنا کیسے جائز ہوگا

ایک اور بڑا غلو و غضب بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس مخفی و باطنی علم کی سند حضرت علی کی خود حدیث سے نکالی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی تعلیم کو خصوصاً اس مین داخل کر دیا۔

"یہ جہلا مدعیان تصوف نے مشہور کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اسرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتلا دیئے تھے اور

Marfat.com

وہ سینہ بسینہ اب تک چلے آرہے ہین - شیعون کا یہی عقیدہ ہے...
سو اس کے متعلق خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ
ھل خصکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیئ
دون الناس کیا آپ کو حضور نے کچھ خاص اسرار بتلائے ہین جو
اوروں کو نہین معلوم آپ نے فرمایا لا الا فھما اعطیتہ فی القرآن
یعنی مجھے کوئی خاص اسرار نہین معلوم بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے
مجھ کو قرآن کا فہم عطا فرمایا ہے "

Marfat.com

وحدۃ الوجود

اس مسئلہ مین بھی بعض اکابر کے انکار کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے بعض عنوانات و تعبیرات بظاہر موحش اور خلاف شریعت معلوم ہوتے تھے اور پھر بہت سے اصاغر یا چھوٹون نے قدرۃً ان اکابر کی ریس مین منھ سے بڑی بڑی باتین نکالین اور نکالتے رہتے ہین (یغفر اللہ لنا و لھم) حالانکہ اس مسئلہ کے سب سے بڑے قائل اور اکبر الاکابر حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر و عنوان کی تغلیط فرمانے کے باوجود حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ خود ان کو اپنے مکتوبات مین "تصریحاً مقبولان الٰہی مین شمار فرماتے ہین" ایسی حالت دوسرون کا منھ کیا ہے!

اور یہی حاصل اس باب مین حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمۃ کی تجدید و اصلاح کا ہے کہ ایک طرف تو اس کی مشکل و موحش تعبیرات کو ایسا بدل دیا کہ نفس مسئلہ عامی سے عامی کے لیئے قابل فہم اور خشک سے خشک متوہب کے لیئے ناقابل انکار ہو گیا۔ دوسری طرف ایسے قائلین کے ساتھ جو اپنے دیگر حالات کی بنا پر اہل اللہ و مقبولین مین شمار ہوتے ہین حسن ظن و تاویل کی تاکید فرمائی اور ان کی تکفیر و اضلال مین معادات اولیا کا خطرہ بتلایا۔

مسئلہ کی نفس علمی تحقیق | ظہور العدم بنور القدم کے نام سے ایک ۲۷،۱۲۶ صفحات

Marfat.com

کا مستقل رسالہ قلم بند فرمایا ہے ۔ اس مین مسئلہ کی نفس حقیقت اور وجود و شہود دونون تعبیرات پر جو بحث فرمائی گئی ہے، وہ اہل علم کے لیئے لائق دید ہے۔ البتہ عوام کی نظر سے ایسے مباحث کا دور رکھنا ہی حضرت کا مسلک تھا ۔ غالبًا اسی بنا پر رسالہ کی عبارت کو تمامتر علمی و اصطلاحی رکھا گیا ہے ۔ نیز خود راقم احقر نے جب ابتدا مین اس مسئلہ سے متعلق کچھ اپنے رجحانات خدمت مین پیش کیئے، تو صبح کی مجلس کا وقت تھا ۔ رسالہ خانقاہ کے اپنے خاص حجرہ سے (کیونکہ عام اشاعت مطلوب نہ تھی) خود ہی نکال کر اس شرط کے ساتھ عطا فرمایا کہ پڑھ کر واپس کردون چنانچہ دو تین گھنٹہ مین ختم کر کے ظہر کے بعد مجلس مین حاضر خدمت کر دیا ۔

یہان اس سے فقط ایسی عام باتون کا نقل کر دینا مقصود ہے، جس سے حضرت کی اصلاح و تجدید کے مذکورۂ بالا خاص مسلک کی توضیح ہو جائے ۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مسئلہ چونکہ بہر حال قطعیات مین نہین، بلکہ "کیفیت ثبوت الوجود للحوادث کے اعتبار سے سب کے نزدیک ظنی ہے"! اس لیئے "بطلان مسئلہ کا حکم جزمی یا ضلال اصحاب مسئلہ کا حکم قطعی یہ تو یقینًا غلو اور معاداۃ اولیا ہوگا جس مین ایذان بحرب اللہ کی وعید وارد ہے" اور "فریقین کے محاطین اس مسئلہ پر عامل ہین کہ اجملوا ما اجمل اللہ (یعنی جس چیز مین اللہ تعالیٰ نے ابہام رکھا ہے، اس مین تم بھی ابہام ہی رہنے دو) ۔ مگر جن کو کشف سے ابہام نہ رہا وہ بزعم خود اس اصل کے تارک نہین

وکل یعمل علی شاکلتہ

Marfat.com

ان سے حسن ظن قائم رکھنے کی صورت یہ ہے کہ

"کبھی کسی علمی مسئلہ کے اضطراری کشف یا اختیاری مراقبہ و استحضار سے کسی کیفیت یا حال کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ کا اظہار بلا اختیار ایسے عنوان سے ہو جاتا ہے، جو مسئلہ کے تمام جوانب کے احاطہ کے لیئے کافی نہیں ہوتا۔ اور اس ناتمام عبارت کے سبب سامعین کو غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس مسئلہ میں جو موہم عبارات بعض کے اقوال میں پائی جاتی ہیں سو حسن ظن کا مقتضا یہ ہے کہ اگر فن میں مہارت ہو تو اس کو حقیقت کی طرف راجع کر لے ورنہ سکوت اختیار کرے۔

"اور مسائل تصوف ہی پر کیا موقوف واقعات یومیہ میں بھی کسی عارض سے کبھی ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ ایک طرف مشغول ہو جانے سے دوسری جانب سے ذہول ہو جاتا ہے (جیسے) اکثر فرح یا غضب کے غلبہ میں ایسا ہوتا ہے کہ کبھی ذہن قابو میں نہیں رہتا، کبھی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر باطنی حال کے مغلوب کو تکلم کے وقت خصوص جب کہ وہ کبھی اضطرار ہو، عبارت کے تمام جوانب کا احاطہ نہ رہے تو کیا مستبعد ہے۔ اس کو معذور سمجھنا چاہیئے"۔

"رہا یہ کہ بعد افاقہ اس کی اصلاح کر دینا چاہیئے تھا تاکہ گمراہی نہ پھیلتی۔ جواب یہ ہے کہ اس پر مطلع صرف خواص ہوتے تھے اور وہ حقیقت کو سمجھتے تھے۔ کتابیں بھی خواص کے لیئے لکھی جاتی تھیں، تاکہ اپنے واردات کو ان پر منطبق کر کے صحت و فساد کا اندازہ کر سکیں۔ ان بزرگوں کو

Marfat.com

ان مطالع کی جوہر خفی و ظاہر مضمون کے لیئے مطالع ہو گئے کیا خبر تھی اس پر بھی انھون نے غیر اہل کے لیئے یہ فتوے دیا ہے کہ یحرم النظر فی کتبنا (کہ ہماری کتابون کا دیکھنا حرام ہے) اس سے زیادہ کیا کرتے"

وحدۃ وجود کے قول سے چارہ نہین -

غرض حسن ظن کی گنجایش کے لیئے اقل مرتبہ یہ ہے کہ ایسے حضرات کو مغلوب جان کر معذور خیال کیا جائے۔ ورنہ جو ذہنی و علمی اہلیت و مہارت کے ساتھ اس مسئلہ مین غور کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح وجود کی وحدت کا قائل ہی ہونا پڑے گا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید فرمائی اور اس کے مقابل مین وحدت شہود کی تعبیر اختیار فرمائی۔ پھر بھی اس وحدت شہود کی تحقیق و تفصیل کے بعد مجدد وقت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہین کہ

"یہ ہے حاصل مجدد (الف ثانی) صاحب کے مشرب کا جس کا لقب وحدۃ الشہود ہے۔ اور حقیقت اس کی ہی وحدۃ الوجود ہی ہے۔ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا کہ ان کے نزدیک بھی حقیقی وجود واحد ہی ہے، جیسا کہ شیخ اکبر کے نزدیک تھا۔ صرف فرق یہ ہے کہ شیخ اکبر وجود ظلی کی نفی کرتے ہین اور مجدد صاحب اثبات کرتے ہین۔ پس اصطلاح مین وحدۃ الوجود کے معنی یہ ہوے کہ وحدۃ الوجود کا اثبات وجود ظلی کی نفی کے ساتھ۔ اور ظاہر ہے کہ مجدد صاحب اس کے قائل نہین، اس لیئے ان کے مشرب کا لقب وحدۃ الوجود نہین ہوا۔ باقی وحدۃ الشہود سے ملقب ہونے کی وجہ سو وہ یہ ہے کہ مجدد صاحب نے شیخ اکبر کا عذر یہ فرمایا ہے کہ

Marfat.com

اُن کو غلبۂ نورِ وجود سے وجودِ ظلی مشہود نہین ہوا، صرف وجودِ حق ہی مشہود ہوا۔"

لہٰذا باین معنی کہ مشہود وحدۃ الوجود کی حقیقت حضرت مجدد صاحب نے وحدۃ الشہود ظاہر فرمائی، اس لیے اُن کے مسلک کا لقب بھی وحدۃ الشہود ہوا۔

"پس گویا شیخ اکبر مسئلہ کی حقیقت وحدۃ الوجود سمجھے اور مجدد صاحب اسی مسئلہ کی حقیقت وحدۃ الشہود سمجھے۔ نیز شیخ وجودِ عالم کی نفی کرتے ہین، اس لیے صرف وجودِ حق کا مشاہدہ کرتے ہین۔ اور مجدد صاحب عالم کے لیے وجودِ ظلی کا اثبات کرتے ہین، مگر باوجود اس کے اس کا مشاہدہ نہین کرتے۔ مشاہدہ صرف وجودِ حق ہی کا کرتے ہین، جیسے دن مین ستارون کا مشاہدہ نہین ہوتا باوجودیکہ ستارے موجود ہین۔ اور موجود سمجھے بھی جاتے ہین۔

"یہ وجہ ہے اصطلاحی تسمیہ مین فرق کی، ورنہ لغوی معنی مین وحدۃ الوجود کے قائل ہونے مین دونون حضرات شریک ہین، جیسا اوپر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھی وجود کو جزئی حقیقی کہتے ہین۔ پس چار مذاہب (یعنی علمائے ظاہر، بعض حکما نے اسلام، وجودیہ، اور شہودیہ) مین سے تین مذاہب اس دعوے مین متفق ہین۔ صرف علمائے ظاہر وجود کو کلی مشکک اور اس کے مصداق کو متعدد مانتے ہین۔"

وجود و شہود کا اصطلاحی فرق آخر مین وجود و شہود دونون کے اصطلاحی فرق کو پھر اصطلاحات ہی مین مختصراً بیان فرما کر ایک وصیت فرمائی ہے۔ فرق

Marfat.com

قویہ ہے کہ

"وجودیہ کے نزدیک حقیقت عالم کی اسما وصفات ہین جو ظاہر وجود پر متجلی ہوئے اور اس سے عالم کے وجود کا خیال پیدا ہوا جس کی تعبیر کبھی یون بھی کرتے ہین کہ وہ معدوم محض ہے مگر ساتھ ہی احکام کا مورد ہے اور کبھی یون کرتے ہین کہ وہ عین حق ہے۔ اور دونون کا حاصل ایک ہے۔ اور شہودیہ کے نزدیک حقیقت عالم کی عدمات ہین جن پر اسما وصفات نے تجلی کی، جس سے وجود ظلی پیدا ہوا اس لیے وہ عالم کو نہ معدوم سمجھتے ہین نہ عین حق۔

"باقی عالم سے حقیقی وجود کی نفی مین دونون شریک ہین۔ اور اسمین اہل ظاہر کی ملامت کے دونون ہدف ہین۔ اور یہ ملامتی شیخ ہمارے اس لیے زیادہ ہے کہ ان کے کلام کو غلط سمجھے ہین۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اگر شیخ کا قول ضلال محض ہوتا تو حضرت مجدد صاحب بجائے اس کی تقریر کے اس کا ابطال اور شیخ کی تضلیل بلکہ تکفیر فرماتے۔ حالانکہ باوجود تغلیط کے ان کو تصریحاً مقبولان الٰہی مین شمار فرماتے ہین۔

ضروری وصیت | یہ ہے کہ

"اوّل تو تمام مسائل کلامیہ مین عموماً اور خصوصاً جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے، بدون قطعی عقلی یا نقلی دلیل کے محض ظنیات کی بنا پر کہ کشف سب ظنیات مین انزل ہے، کوئی حکم کرنا خصوص حکم جازم بلکہ بلا ضرورت کچھ گفتگو کرنا سخت محلِ خطر و خلافِ مسلکِ سلفِ صالحین ہے

Marfat.com

اور جن بزرگون نے کچھ کلام کیا ہے، ان مین اکثر کی غرض محض اہل ہوا کا دفع تھا جیساکہ مجدد صاحب نے بغرض اصلاح غلاۃ وجودیہ اس میں کلام فرمایا۔ گو بعض نے اس کو مقصود بنالیا جو خلافِ احتیاط ہے۔

"اسلم ایسے مسائل مین یہی ہے کہ نصوص سے تجاوز نہ کرین، اور سلف کے مسلک پر اور ان کے ارشاد کہ ابھموا ما ابھم اللہ تعالیٰ پر عمل رکھین۔ اور اگر کوئی حقیقت زائدہ علی النص کسی دلیل ظنی سے کہ کشف بھی اس مین داخل ہے، منکشف ہو اور کسی دلیل عقلی قطعی اور نیز کسی نص قطعی یا ظنی کے مخالف نہ ہو تو اس مین بھی خوض نہ کرین دونون جانب کو محتمل سمجھتے رہین۔

"چونکہ یہ مسئلہ متکلم فیہا بھی ان ہی مسائل سے ہے، جن کا تعلق ذات و صفات سے ہے کیونکہ حاصل اس کا ارتباط الحادث بالقدیم ہے، اس لیے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھین اور اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کے ساتھ رکھین۔ کہ عالم پہلے ناپید تھا اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنے علم و قدرت و ارادہ سے پیدا فرمایا۔ باقی کس طرح سے پیدا فرمایا، اس مین نہ خوض کرین نہ کلام کرین۔ جیسے مسئلہ قدرین احادیث مین بھی منصوص ہے کہ اجمال کے درجہ مین اس کے اعتقاد کو شرط ایمان فرمایا اور تفصیل کے درجہ مین خوض یا کلام کو منع فرمایا[1]۔

---

[1] ساری عبارات رسالۂ مذکورہ کے مختلف مقامات سے ماخوذ ہین ۱۲

Marfat.com

تجدیدی مسلک بس یہ ہے حضرت مجدد تھانوی کا اس مسئلہ میں اصل تجدیدی مسلک کہ نہ اس کا جزم و قطعیت کے ساتھ انکار ہو نہ اثبات دونوں کو احتمال کے درجہ میں رکھا جائے۔ لیکن انتہا پسندوں نے جہاں ایک طرف اس کا قطعی انکار اور اس کے قائلین کی تکفیر و تضلیل تک میں تامل نہیں کیا وہاں دوسری طرف اپنوں اور پرایوں دونوں میں بہتوں نے بڑی غلطی یہ کھائی کہ اس کو تصوف کا جزء بلکہ جزء لاینفک سمجھ لیا۔ اور پھر بناء فاسد علی الفاسد اس کی جو توجیہات و تشریحات صوفیہ نے کی ہیں ان کو قدرۃً ویدانت وغیرہ کی فلسفیانہ و عقلی تعبیرات سے مماثل پاکر اسلامی تصوف ہی کو اجنبی ماخذوں سے ماخوذ و مستعار سمجھ لیا گیا۔ لہذا اس بارے میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی ایک اعتبار سے زیادہ اہم تجدیدی تحقیق یہ ہے، کہ مسئلہ خواہ وحدۃ وجود کی صورت میں ہو یا وحدۃ شہود کی براہ راست اسلامی تصوف کا کوئی خاص و ضروری جزء بالکل نہیں" بلکہ کلامی و علمی یا عقلی و فلسفیانہ مسئلہ ہے یا بعضوں کے لیے کشفی جو بجائے خود کوئی قطعی حجت نہیں۔

مسئلہ وجود و شہود اسلامی تصوف کا کوئی جزء لاینفک نہیں

" اور وجہ ان کے (یعنی مسئلہ وجود و شہود) کے علمی و کلامی ہونے کی ظاہر ہے۔ کیونکہ حاصل ان کا ارتباط الحادث بالقدیم (حادث کے قدیم کے ساتھ ربط و تعلق) کی تحقیق ہے، جس کا مسئلہ علمیہ کلامیہ ہونا معلوم ہے۔ البتہ یہ اُن مسائل کلامیہ میں نہیں جو عقلی محض ہیں۔ کیونکہ اصولی مسائل کلامیہ دو قسم کے ہیں، ایک عقلی محض۔ یعنی عقل ان کے لزوم کے حکم کے لیے کافی ہے۔ جیسے مسئلہ وجود صانع و حدوث عالم وغیرہ، دوسرے عقلی غیر محض یعنی عقل محض ان کے

Marfat.com

امکان کا حکم کرتی ہے، مگر ثبوت مین نقل کی بھی احتیاج ہوتی ہے، جیسے مسئلہ رویت .... سو وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے مسئلہ بوجہ مدخلیت کشف کے قسم اول مین تو نہین، لیکن قسم ثانی مین سے ہین۔

"باقی کیہ کتب کلامیہ مین مذکور کیون نہین۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ متکلمین نے بالالتزام صرف ان مسائل کو لیا ہے جو اوّل تو قطعی ہون دوسرے کسی فرقہ سے ان میں کلام ظاہر ہوا ہو۔ گو بعض مسائل غیر قطعیہ تبعاً ذکر مین آگئے جیسے جزء لا یتجزیٰ کا مسئلہ جو حدوث عالم کے مسئلہ کے لیے تبعاً مذکور ہو گیا، لیکن التزام قطعیات ہی کا ہے۔ اور یہ (وجود وشہود کے) مسئلے نہ قطعی ہین، نہ تدوین کلام کے زمانہ مین ان کا اس طرح ظہور ہوا تھا۔

"رہا یہ کہ قسم ثانی مین سے کس طرح ہین، مسئلہ وجود کو متکلمین نے تو قسم اوّل مین ذکر کیا ہے۔ سو بات یہ ہے کہ حوادث کے اثبات وجود کی کیفیت متکلمین کے نزدیک تو محض عقلی ہے اور صوفیہ کے نزدیک امکاناً عقلی اور وقوعاً کشفی ہے۔ اس لیے مسئلہ وجود متکلمین کے نزدیک تو قسم اول اور صوفیہ کے نزدیک قسم ثانی سے ہے۔ متکلمین کے مسائل قسم ثانی سے اس کو اتنا فرق ہے کہ انھون نے نقل مین محض نصوص کو لیا ہے، اور صوفیہ نے کشف کو بھی۔ مگر اس سے یہ لازم نہین آتا کہ یہ مسئلہ عقلی نہ رہے جس طرح مسئلہ رویت باوجود مدخلیت نص کے عقلی ہے، غایت مافی الباب بوجہ استناد الی الکشف ظنی ہوگا۔ اور ظنیت مین بھی ظنیات اصولیہ

Marfat.com

سے متنزل (یعنی کم درجہ کا) کیونکہ کشف کو کسی شے میں حجت کا درجہ نہیں
حاصل[1] "

ظنی مسئلہ کو منصوص قطعی قرار دینا بہت خطرناک ہے۔

اس لیے ایسے ظنی و احتمالی مسئلہ کی کسی خاص تعبیر کو خواہ مخواہ قرآن و حدیث کی نصوص سے کھینچ تان کر ثابت کرنے کی کوشش بڑی جسارت اور خطرہ کی بات ہے۔ جس میں تحریف تک کا غلو لوگوں نے کیا۔ اس کے متعلق بھی رسالۂ مذکورۂ بالا کے ایک الحاق میں متنبہ فرمایا ہے کہ

"مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ ہیں، کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لیئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں۔ یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو۔ باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے، اس میں تفصیل ہے کہ اگر نص اس کی محتمل ہو تو درجۂ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور درجۂ احتمال سے بڑھا دینا غلو ہے، اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو تو اس کا دعوے کرنا احتمالاً یا جزماً صریح تحریف ہے۔

"البتہ اگر وہ دعویٰ بطور تفسیر یا تاویل کے نہ ہو محض بطور علم اعتبار کے ہو تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ حکم اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار داخل حدود ہے، ورنہ وہ بھی تکلف ہے۔"

آگے اس غلو و تکلف کی بعض مثالیں نمونہ کے طور پر دے کر چند تنبیہات بھی

---

[1] بوادر النوادر از صفحہ ۷۶ تا صفحہ ۷۶ ۱۲

Marfat.com

فرمائی ہین۔ غلو کی حد یہ ہے کہ بعض مغلوبین نے لا الہ الا اللہ کی تفسیر مین ایک رسالہ "کلمۃ الحق" لکھ دیا جس مین یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ "نہین ہے کوئی الا مگر اللہ" اسکا مطلب یہ ہے کہ جتنے غیر اللہ الٰہ بنائے گئے ہین، وہ سب معاذ اللہ اللہ ہی ہین! اور حضرت علیہ الرحمۃ کی احتیاط کی بھی حد یہ ہے کہ ایسے تحریف کی حد تک غلو کے ابتلا کو بھی "مغلوبیت" فرما کر تا بہ امکان سوء ظن سے بچے اور بچانے کا خیال رکھا۔

راقم احقر پر کچھ تو ہمیشہ سے طبعًا عقلیت و تفلسف کا غلبہ رہا۔ پھر کڑوا کریلا نیم چڑھا کہ ساری عمر فلسفہ کے مطالعہ اور تعلیم و تعلم کا مشغلہ رہا۔ اور فلسفہ در اصل نام ہے وحدۃ الوجود ہی کی تاریخ کا، یعنی عالم کثرت کے مبدء وحدت کو معلوم کرنے کی فکری و عقلی سعی و طلب کا۔ لیکن متعارف و اصطلاحی وحدۃ الوجود کا نام زیادہ تر تصوف کے سلسلہ مین سننے اور پڑھنے مین آتا رہا۔ خصوصًا حیدرآباد کے دوران قیام مین، جہان ایک مدت تک غالیانہ وجودیت و عینیت کا بہت زور رہا، کہنا یہ ہے کہ حضرت کا یہ رسالہ از سر نو پڑھنے تک غلط فہمی تو یہی رہی کہ یہ مسئلہ خاص تصوف کا جزء ہے، حتی کہ جامعہ عثمانیہ مین اس پر تصوف ہی کے ایک مسئلہ کی حیثیت سے ہمیشہ کچر دیتا رہا۔ اور اسکی تردید بھی کرتا رہا کہ نفس مسئلہ کہین باہر سے ماخوذ و دخیل نہین بلکہ قرآن و حدیث ہی مین اسکی اصل موجود ہے۔ تاہم اسکی تفسیر و تعبیر صوفیہ کے کلام مین جو پڑھتا یا ایک بڑے صاحب حال و قال حیدرآبادی بزرگ[1] کی زبان سے سنتا رہا وہ قال کی حد تک بس ایک عقلی مسئلہ یا فلسفہ معلوم ہوتا رہا۔ اس لیے حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمۃ کی اس مجددانہ تحقیق و توثیق سے بڑا اطمینان ہوا کہ یہ مسئلہ درحقیقت ایک علمی و

---

[1] حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

Marfat.com

کلامی مسئلہ ہے، اور اسلامی تصوف کا یہ کوئی خاص جزء نہین اور نہ اس اعتبار سے اس بحث کی کوئی اہمیت و حاجت رہ جاتی ہے، کہ اسلامی تصوف مین یہ باہر سے داخل ہوا یا نہین - بلکہ اس کی غالیانہ تعبیرات یقیناً بیرونی اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہین (واللہ اعلم بالصواب) لہٰذا صحیح مسلک حضرت مجدد وقت ہی کا ہے کہ یہ ایک ظنی مسئلہ ہے، جس کے انکار و اثبات دونون مین جزم و قطعیت سے باز رہنا اور مغلوب الحال قائلین کو معذور سمجھنا چاہیئے۔

وجودیت اور عقلیات جدیدہ

البتہ جدید عقلیات و فلسفیات خصوصاً اس کے مادہ و مکان[1] کے مباحث نے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی وجودیت بلا عینیت کی تعبیر کو زیادہ اقرب الی العقل کر دیا ہے اور "ایک وجود و ذات" کی تشریح کے بعد شریعت یا کتاب و سنت سے بھی کم از کم اس کو تصادم و تعارض نہین رہتا، اور نہ اس کو صحیح طور سے سمجھ لینے کے بعد حلول و اتحاد یا عینیت مین ابتلا کا خطرہ رہتا ہے - خاص کر جو لوگ عقل و فلسفہ سے "مغلوب الحال" ہین اور عدم اثبات و عدم انکار کے پل صراط پر قدم نہین جما سکتے، اور وجود و تخلیق کا راز بزعم خود کچھ نہ کچھ سمجھ لینا چاہتے ہین، اُن کے لیئے یہ وجودیت بلا عینیت والی تعبیر کا قبول کر لینا ہی غنیمت و اسلم ہے - اور کچھ اسی طرح کے حال و میلان کے تحت احقر نے ایک دفعہ خود حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت مین تحریراً اس کو پیش بھی کیا تھا، جس مین تخلیق کی تین احتمالی صورتون کے بیان کے بعد عرض کیا تھا کہ

"ایک چوتھی صورت خلق اشیا کی وہ ہو سکتی ہے جس طرح ہم خود انفس مین

---

[1] جن پر انشاء اللہ جدید علم کلام کے مباحث مین گفتگو کا موقع ہوگا ۱۲

اپنے خیالات و تصورات کو پیدا کرتے ہیں خصوصًا خواب کی صورت مین تو ہمارا ذہن ہو بہو بیداری کی دنیا کو پیدا کر لیتا ہے (یا یون کہئے) کہ خود ہی اپنے معلومات و خیالات کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے۔ زیادہ قدرت والی ذات نہ صرف بیداری مین اس طرح سارا عالم پیدا کر سکتی ہے بلکہ ہمارے خواب سے بڑھ کر یہ قادر مطلق ذات اپنی تصوری مخلوقات انسان و حیوان وغیرہ کو ایسا بنا سکتی ہے کہ وہ خود کو اپنی اپنی جگہ مستقلاً ذی حس و ادراک مخلوق پائین۔

"خلق اشیا کی یہ صورت نہ صرف عقلا زیادہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے[1]، بلکہ نقلاً بھی بہت سے عقائد و نصوص کی تصحیح سہل و اقرب ہو جاتی ہے اس لیئے کہ خالق و مخلوق کے اس تعلق کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم خود اپنے مخلوقات یا صور علمیہ کی صورتون سے تجلی یا ظہور فرماتا ہے۔ جس مین نہ خالق و مخلوق کا عین ہونا لازم آتا ہے، اس لیے کہ معلوم عین عالم نہین ہو سکتا، نہ اس طرح غیر ماننا پڑتا ہے کہ خالق کہین ہو اور مخلوق کہین۔ نہ اس مین لاشی سے شی یا عدم سے وجود کا لزوم ہوتا ہے۔ جدید فلسفہ اور سائنس کے رجحانات کے بھی یہ صورت اقرب ہے"

یہ اپنے الفاظ مین مختصراً حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ کی وہی تقریر تھی جو حضرت مولانا محمد حسین حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، اور جس کی بدولت نہ صرف حیدر آباد کی عینیت والی غالیانہ وجودیت کا فتنہ مغلوب ہو گیا

---

[1] خصوصًا جدید فلسفۂ تصوریت کے تحت ۱۲

Marfat.com

بلکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ خصوصًا فلسفہ پڑھنے پڑھانے والون یا عقلی و فلسفی مزاج والون کے لیئے حفاظت ایمان بلکہ حلاوت ایمان کا باعث بن گئی۔ گو راقم سطور کے نزدیک اس مین زیادہ دخل حضرت ممدوح کے خاص حال و اخلاص کو تھا، تاہم موجودہ عقلیت و فلسفیت کی راہ سے انکار و ارتیابیت مین مبتلا ذہنون کے لئے تجربہ نے اس کو ایمان کا بڑا سہارا پایا۔

قیاس غائب علی الشاہد کا مغالطہ

مگر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے مذاق نے اس کو بہر حال پسند نہین فرمایا۔ اور اپنی تحقیق کے تحت یہ بالکل ہی بجا تنقید فرمائی کہ اس تقریر و تعبیر مین جو سہولت نظر آتی ہے، وہ "قیاس الغائب علی الشاہد" سے ناشی ہے۔ البتہ ان مسائل مین آدمی اگر ایمان ساذج یا ایمان العجائز سے آگے قدم ڈالنے کا خطرہ مول لیتا ہے، تو غائب کے شاہد پر قیاس سے چارہ نہین۔ بلکہ انسان کی ساری فکر و منطق نام ہی ہے کسی نہ کسی درجہ مین نامعلوم کو معلوم پر قیاس کرنے کا، جو عالم شہادت مین تو کچھ دور تک ٹھیک چلتی اور علم و یقین بخشتی ہے۔ لیکن عالم غیب کے معاملہ مین یہ زائد سے زائد لبس منطق تخیل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اس مین شک نہین کہ کامل سلامتی اس بحر ناپیدا کنار کے کنارے اور ان تخمینات سے دور رہنے ہی مین ہے، اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا اصل تجدیدی مسلک یہی تھا۔ جیسا کہ آگے اسی عریضہ کے مزید معروضات کے جوابین ارشاد فرمایا وہ معروضات یہ تھے کہ

"کن فیکونی تخلیق بھی اس سے سمجھ مین آجاتی ہے، کہ نفس نے کسی شے کا

لہ یہ عریضہ مع تحقیق و جواب النوربایت جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مین منقول ہے ۱۲

Marfat.com

ارادہ کیا کہ وہ خلق ہو گئی۔ اقربیت، احاطت معیت وغیرہ مین بھی تاویل وتوجیہہ نہین کرنا ہین پڑتی عالم سے بڑھکر معلوم کے اقرب اس کو محیط اور اس کے ساتھ کون ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیت کا تعلق سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معلوم من حیث المعلوم کا اول و آخر ظاہر و باطن سب کچھ خود عالم ہی ہوتا ہے۔ پھر وھو بکل شیئ علیم کو اگر ھو الاول والظاھر والباطن کے دعوے کی دلیل کا اشارہ قرار دیا جائے، تو خلق اشیاء کی یہ صورت منصوص (باشارۃ النص) ہو جاتی ہے، کہ وہ ہر شے کا اول و آخر ظاہر و باطن اس لیئے ہے کہ ہر شے کا علیم ہے۔ یعنی شے کی ماہیت اس کا معلوم ہونا ہے"

سلامتی واحتیاط کا جواب لاجواب ملاحظہ ہو کہ

"یہ سب تخیلات و خرافات (گزاف) ہین جن کی حقیقت ابھی عرض کی گئی ہے۔ اس لئے لوٹ پھر کر اسی قلعہ مین پناہ لینا پڑتی ہے، جس کا حاصل عدم خوض اور تفویض اور اقرار بالعجز عن الادراک ہے، جو ان آیات مین منصوص ہے۔ قولہ تعالیٰ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ۔ قولہ تعالیٰ اَشَهِدْتُّهُمْ خَلْقَهُمْ۔ قولہ علیہ السلام تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ تعالیٰ۔ وَاَجْمَعَ الْعَارِفُوْنَ عَلٰى اَنَّ كُلَّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللّٰهُ اَجَلُّ وَاَعْلٰى مِنْ ذَالِكَ[1]

---

[1] جس کا ترجمہ ہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ۔۔۔ و زہر چہ خواندہ ایم و شنیدیم و گفتہ ایم

Marfat.com

وقال عارف رومی۔

نکتہا چون تیغ پولاد ست و تیز ۔ چون نداری تو سپر واپس گریز
پیش این الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

واقعی یہ مسئلہ ہے تیغ بے نیام۔ اگر ذرا کج فہمی ہو گئی تو ایمان ہی کا کام تمام! باقی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس مسلک تجدید اور مذاق احتیاط کی پوری قدر اس کو ہو سکتی ہے، جس کو فلسفہ اور فلسفہ کی ارتیابیت مذمومہ سے گذر کر حیرت محمودہ کی لذت و معرفت نصیب ہو کہ

نے چنان حیران کہ پشتش سوئے دوست ۔ بل چنین حیران کہ غرق و مست دوست

تاہم یہ مسئلہ عقلاً و نقلاً تار عنکبوت ہرگز نہیں کہ جزم و قطعیت کے ساتھ اس کا انکار کر دینا کوئی دین و دانش کی بات ہو۔ بس اس کی کامل احتیاط ضروری ہے، کہ عینیت کا خطرہ پاس نہ آنے پائے اور خالق و مخلوق کی غیریت برقرار ہے۔ اس لئے اس کی تحقیق بھی توجہ سے سن لینے کی ہے۔

عینیت کے معنی | ایک یہ ہیں کہ "دو چیزوں کا ہر طرح سے ایک ہونا کہ ان میں کسی قسم کا بھی فرق نہ ہو۔ اور غیریت یہ کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر و امتیاز یا فرق ہو، اس معنی میں عینیت و غیریت میں باہم تناقض ہے جس سے دونوں کا کسی محل میں جمع ہونا بھی محال اور سرتفع ہونا بھی محال۔ متبادر معنی عینیت و غیریت کے یہی ہیں اور یہی معنی لغوی ہیں اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کوئی شے باری تعالیٰ کی عین ذات نہیں۔

"دوسری صورت یہ ہے کہ عینیت کے تو وہی (مذکورۂ بالا) معنی لئے جائیں اور غیریت کے معنی یہ ہوں کہ دو چیزوں میں کسی ایک کا

Marfat.com

بدون دوسری کے موجود ہو سکتا۔ اس تفسیر مین عینیت و غیریت مین باہم تناقض تو نہین، مگر تضاد ہے، یعنی دونون ایک محل پر صادق نہین آسکتے، مگر مرتفع ہو سکتے ہین یہ اصطلاح متکلمین کی ہے اور اس تفسیر سے بھی ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات مین عینیت نہین بلکہ غیریت ہے کہ مخلوقات تو بدون ذات باری تعالیٰ کے موجود نہین ہو سکتی، لیکن باری تعالیٰ بدون مخلوق موجود ہو سکتے ہین، جیسا کہ واقع مین قبل ایجاد خلق کے موجود تھے۔

"تیسرے معنی عینیت کے ہین ایک شے کا اپنے وجود مین دوسری شے کی طرف محتاج ہونا، گو دوسری پہلی کی طرف محتاج نہ ہو۔ اور غیریت کے وہی پہلے معنی کہ دو چیزون مین کسی قسم کا تغایر و امتیاز یا فرق ہونا یہ اصطلاح حضرات صوفیہ کی ہے جس کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات مین عینیت بھی ہے کیونکہ مخلوقات ذات باری تعالیٰ کی اپنے وجود مین محتاج ہے، گو ذات باری تعالیٰ اس احتیاج سے مبرا ہے، اور غیریت بھی ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات مین لاکھون طرح کے فرق ہین۔

اور یہی حق و خلق کا سیدھا سادھا تعلق ہے، جو عامی آدمی بھی سمجھتا اور سمجھ سکتا ہے، کہ مخلوقات اپنے وجود ذات و صفات و افعال و آثار تمام چیزون مین بالکلیہ خالق کے وجود کی محتاج اور اس کے تابع ہے اور خالق اپنے وجود مین اس سے غنی ہے۔ اسی کو نہایت صاف و سادہ طور پر قرآن نے یون ادا فرمایا کہ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَالْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (تم اللہ کے محتاج و تابع ہو اور وہ غنی و بے نیاز ہے)

Marfat.com

گو" اس تیسرے معنی کے اعتبار سے صوفیہ تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ کہتے ہین - مگر بعض اوقات ایک قید اور بڑھا دیتے ہین، یعنی اس احتیاج خلق الی الحق کا علم و معرفت بھی حاصل ہو، اور اس مقید معنیٰ کے اعتبار سے تمام مخلوقات مین صرف عارف کے لیے عینیت کا اثبات کرتے ہین، کہ دوسری مخلوق اس عرفان (کے شعور) سے خالی ہے - پھر بعض اوقات اس قید پر ایک اور قید بڑھا دیتے ہین، کہ ایسی معرفت مین اس قدر استغراق ہو، کہ خود مخلوق حتیٰ کہ اپنی ذات و ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے[1]"

بس یہ ہے حضرت مجدد کی صوفیانہ وحدۃ الوجود یا حق و خلق کی عینیت کے باب مین تجدید و تحقیق کا خلاصہ جس سے نہ کسی عامی کو انکار ہو سکتا ہے، نہ کسی عالم کو توحش، اور جس کے سمجھنے کے لیے نہ فلسفی ہونے کی حاجت نہ کسی مابعد الطبیعاتی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت، نہ بندہ کی بندگی مین کوئی فرق نہ خدا کی خدائی یا تنزیہ مین اس سے کوئی نقص -

توحید ذات و صفات و افعال کی اسی طرح جو تحقیق حضرت نے فرمائی اس کا ماحصل یہ ہے کہ توحید افعالی -

"جس کا مشہور عنوان لا فاعل الا اللہ ہے (اللہ کے سوا کوئی فاعل نہین) اس کا مطلب یہ نہین کہ خدا تعالےٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب نہین - اصل تو یہ عقائد کے خلاف، پھر اس مین قبائح کا صدور

---

[1] انکشف جلد سوم صفحہ ۱۲ - ۱۲

Marfat.com

جناب باری تعالیٰ سے لازم آتا ہے، پھر مشاہدہ و وجدان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے پھر تمام شرائع کا ابطال لازم آتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فقط تمام اسباب و افعال کا یا یوں کہیے کہ خالق افعال کا بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں گو وسائط و ظاہری اسباب اور بھی ہیں۔

"البتہ چونکہ عارف کو دوسرے فاعلین کی طرف التفات نہیں ہوتا اس لیئے وہ ان کی نفی کرتا ہے، سو واقع میں یہ نفی باعتبار قابل التفات ہونے یا کرنے کے ہے یعنی بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی فاعل قابل التفات نہیں یا اس کی طرف التفات نہیں۔

"اسی طرح توحید صفاتی و توحید ذاتی کو سمجھنا چاہیے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بجز صفات و ذات خداوندی کے کوئی صفت یا ذات موجود نہیں، بلکہ عارف کو کسی اور ذات و صفت کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اسی مرتبہ میں وحدت کا حکم ہوتا ہے سو یہ تینوں مراتب توحید وجودی کی فرع ہیں[1]"

غرض وحدۃ الوجود اور توحید ذات و صفات و افعال کا یہ یہ مطلب بالکل نہیں کہ خدا یا خالق کے سوا مخلوقات کا سرے سے کسی قسم کا قطعاً نہ کوئی وجود ہے نہ ان کی کوئی ذات اور نہ اس کی طرف کسی درجہ میں کسی طرح کے صفات و افعال کی نسبت کی جا سکتی ہے اور نہ ایسے وحدۃ الوجود کا کوئی محقق صوفی کیا معنی کوئی صحیح الدماغ آدمی قائل ہو سکتا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ حقیقی و ذاتی وجود

---

[1] انکشف جلد سوم صفحہ ۱۳ و ۱۵۔ ۱۲

Marfat.com

بلکہ جس کو وجود کہنا چاہیئے وہ محض حق تعالیٰ کا ہے۔ اسی طرح صفات و افعال بھی مستقلا بالذات صرف ایک ہی ذات کے لیئے ثابت ہین۔ جس کے مقابلہ مین مخلوقات کا وجود اور ذات و صفات و افعال سب کچھ ہونے پر بھی نہ ہونے ہی کے برابر ہین۔ البتہ صوفی پر چونکہ اصلی و حقیقی وجود کا استیلا و استحضار اتنا غالب ہوتا ہے کہ اس کو قدرۃً یہ نہ ہونے کے برابر ہونا بھی سرے سے نظر نہین آتا جس طرح آفتاب کی روشنی و غلبہ کے استیلا مین ستارے نظر نہین آتے۔

اسی کو حضرت علیہ الرحمۃ نے "وحدۃ شہود" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور بالعموم مواعظ و ملفوظات وغیرہ مین اسی کی "وحدۃ الوجود" کے نام سے مختلف پیرایون مین تشریح فرمائی ہے۔ بلکہ تصوف مین عشق پر جو اتنا زیادہ زور ہے اس کا راز بھی یہی ہے کہ غلبۂ عشق مین عاشق کی نظر مین صرف معشوق ہی

سلہ رہا اس "نہ ہونے" کے برابر "ہونے" یا وجود کی اصل نوعیت کیا ہے تو یہ اصل مین خالق و مخلوق یا حادث و قدیم کے ربط و تعلق کی کنہ کا سوال ہے، جو نہ کبھی عقل سے حل ہوا ہے نہ حل ہوگا۔ کچھ مثالین البتہ ماری جا سکتی ہین سو اگر کسی کے تفلسف کو بغیر "ضرب مثال" کے چین نہین آتا۔ تو کسی ایسی مثال سے اپنے کو سمجھا لینے مین مضائقہ نہین معلوم ہوتا، جس مین حق و خلق کی غیریت محفوظ رہے۔ اور اس اعتبار سے بہترین مثال (مثال ہی کے درجہ مین) احقر کے نزدیک حضرت شیخ اکبر کی وجودیت کی وہ شرح ہے جو مولانا محمد حسین صاحب "عالم و معلوم" کی مثال سے فرمایا کرتے اور اس کے بہترین شارح مولانا مرحوم کی "لسان" ہمارے ڈاکٹر میسر ولی الدین پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ۔ اور اُن کے مضامین ہین۔ ۱۲

Marfat.com

معشوق رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنا وجود بھی اس کو محسوس نہین رہتا۔ اور انا لیلی کی طرح انا الحق پکار اٹھتا ہے۔ سر آمدِ عرفا و صوفیہ حضرت مولانا روم فرماتے ہین کہ ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

اسی شعر کے تحت حضرت علیہ الرحمۃ التکشف مین "مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کی تحقیق" کے عنوان سے فرماتے ہین کہ

توحید وجود کی تفہیم عام | اوپر کے اشعار مین راز عشق کو کہ مسئلہ توحید وجود ہے پوشیدہ کر گئے، مگر وہ اخفا، عوام کے لیئے تھا جو اس کی حقیقت کو نہین سمجھتے، اور گمراہی و ضلالت مین مبتلا ہوتے ہین۔ اس شعر مین خواص کے لیئے قدرے اس راز کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ سو یہ احقر فہم عوام کے لائق بیان کرتا ہے۔

"مصرعہ اولیٰ مسئلہ کا دعویٰ ہے اور ثانی مین اس کی تفسیر جملہ معشوق است ہم معنی ہے ہمہ اوست کا جو اس مسئلہ کا مشہور عنوان ہے۔ عاشق سے مراد کل ممکنات ہین، جو قدرت خداوندی کے مسخر یا تدلیع ہین، پردہ سے مراد موجود ظاہری، جو وجود حقیقی کا حجاب و ساتر ہے۔ پردہ خود نظر آتا ہے مگر پردہ دار نظر نہین آتا۔ پس پردہ کے معنی موجود ظاہری کے ہوے۔

خلاصہ دعوے کا یہ ہوا کہ ممکنات کا وجود صرف ظاہری ہے، ورنہ حقیقت مین کوئی بجز ذات حق کے موجود یعنی موصوف بکمال ہستی نہین۔

Marfat.com

اسی مضمون کو ہمہ اوست سے تعبیر کرتے ہین۔ جیسے روزمرہ کے محاورہ
مین بھی مثلاً کوئی حاکم کسی فریادخواہ سے کہے کہ تم نے پولیس مین رپٹ
لکھوائی کسی وکیل سے مشورہ کیا، اور وہ عرض کرے کہ جناب پولیس
و وکیل سب آپ ہی ہین۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہین کہ
حاکم پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہین ان مین کچھ فرق نہین مطلب
یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور وکیل کسی شمار مین نہین، آپ ہی صاحب
اختیار ہین۔

"اسی طرح "ہمہ اوست" کے معنی یہ نہین کہ "ہمہ" اور "اُو" ایک ہی ہین
بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی لائق شمار نہین صرف 'اُو' کی ہستی قابل اعتبار
ہے دوسرا مصرعہ اسکی تفسیر و تمثیل ہے۔ ہر صفت کے دو مرتبے ہوتے
ہین ایک کامل ایک ناقص، اور کامل کے روبرو ناقص ہمیشہ کالعدم
سمجھا جاتا ہے مثلاً ادنیٰ درجہ کا حاکم اجلاس پہ بیٹھا ہوا شان حکومت
دکھلا رہا ہو کہ بادشاہ وقت آپہونچا، اس کے دیکھتے ہی حکومت کا
نشہ ہرن ہوگیا۔ اب جو اپنے اختیارات کو اقتدار شاہی کے سامنے
دیکھتا ہے، تو اُن کا نام و نشان نہین پاتا، نیچے کو گڑا جاتا ہے، نہ آواز
نکلتی ہے، نہ سر اٹھتا ہے۔ تو گو اس صورت مین اس کا منصب و عہدہ
معدوم نہین ہوا، مگر کالعدم ضرور ہے۔

"پس اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ گو ممکنات موجود ہین، کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے اُن کو وجود دیا ہے، تو موجود کیون نہ ہوتے۔ مگر وجود حق کے

Marfat.com

سامنے ان کا وجود نہایت ناقص وضعیف وحقیر ہے، اس لیے گو اس کو عدم نہ کہیں، مگر کالعدم ضرور کہیں گے۔ تو جب یہ کالعدم ہوا تو واقعی ومعتدبہ وجود ایک ہی رہ گیا۔ یہی معنیٰ ہین وحدۃ الوجود کے۔ کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا۔ سو ایک ہونے کے معنی یہ ہین کہ دوسرا ہے سہی مگر اس کا ہونا ایسا ہی ہے جیسا نہین ہے، اسی کو مبالغۃً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ شیخ سعدی نے خوب ہی فرمایا ہے۔

یکے قطرہ از ابر نیسان چکید — خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم — گر او ہست حقا کہ من نیستم
ہمہ ہرچہ ہستند از و کمترند — کہ با ہستیش نام ہستی برند

شیخ نے تو تصریح کر دی کہ ہست تو سب ہین، مگر اُن کی ہستی حق تعالےٰ کے سامنے ہستی کہنے کے قابل نہین مولانا (روم) نے دوسرے مصرعہ (زندہ معشوق است عاشق مردہ) مین اس کو ایک مثال سے بیان کیا ہے کہ حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو، اور ممکن کو مثل مردہ کے کہ گو لاش بھی کسی درجہ کا وجود رکھتی ہے، مگر زندہ کے روبرو اس کی ہستی قابل اعتبار نہین[1]۔

اسی طرح توحید وجودی کی ایک اور تقریر مولانا روم ہی کے ان دو اشعار کے تحت فرمائی گئی ہے۔

---

[1] الکشف جلد سوم صفحہ ۳-۴-۱۲

Marfat.com

چونکہ بیرنگی اسیر رنگ شد　　موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد
چون بہ بیرنگی رسی کان داشتی　　موسی و فرعون ذارند آشتی

"یہ ظاہر ہے کہ موجودات عالم مطلق وجود مین باہم مشترک ہین اور انواعِ وجود مین جن کو ظہورات کہتے ہین باہم مختلف و متغائر ہین۔ یعنی ہر موجود مین وجود کا ظہور جداگانہ آثار کے ساتھ ہے، مثلاً پانی مین وہی وجود اس طرح کا ظاہر ہوا کہ آگ کا بجھا دینا اس کے آثار سے ہین۔ اور اہل کشوف کو محقق ہوگیا ہے کہ یہ وجود جو تمام موجودات مین مشترک ہے ماہیت واحدہ ہے۔ یعنی ہر موجود کا حصۂ وجود دوسرے موجود کے حصہ سے وجود و ماہیت مین مختلف نہین، صرف آثار و عوارض کا اختلاف ہے۔

"باقی وجود مشترک تمام موجودات مین حال یعنی حق تعالیٰ کی وجود بخشی کا ظل یا فیضان ہے۔ بالفاظ دیگر حق تعالیٰ اس فیضان مین سب کے ساتھ یکسان ہے۔ حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ جب مختلف موجودات یا ممکنات سے نظر مرتفع ہوگی تو وجود واجب ہی نظر مین رہ جائے گا۔

"تو اب سمجھنا چاہیئے کہ مذکورۂ بالا دو اشعار مین حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریق حق پر ہونا اور فرعون کا ناحق پر ہونا بیان کیا گیا ہے پھر بطور انتقال الی التوحید خود مسئلہ توحید کی تحقیق فرماتے ہین کہ جب وجود مطلق نے تقید و تعین اختیار کیا تو ایک ہادی کو دوسرے

Marfat.com

ہادی سے اختلاف وتمایز پیدا ہوگیا (جیسا کہ انبیاء علیہم السلام فروع شرائع مین مختلف ہین گو وہ اختلاف محمود ہے) اسی طرح جب تم مختلف ومقید موجودات سے اپنی نظر اٹھاکر اس وجود مطلق پر پہنچ جاؤ تو وہان ہادی ومضل بھی باہم نفس وجود مین مشترک ومتحد نظر آئین گے۔

"مقصود توحید کی ترغیب ہے کہ حوادث کے اختلاف پر نظر محدود مت کرلو تاکہ اصلی علت ذات وصفات وافعال حق کا مشاہدہ ہو۔

(تکشف جلد سوم ص۴۴)

ان دونون تقریرون مین وحدۃ الوجود کی ایسی تفہیم ہے کہ ایک طرف عامی بھی آسانی سے سمجھ لے سکتا ہے، دوسری طرف فلسفی کے تفلسف کی بھی تشفی ہو جاسکتی ہے۔ نیز اس مین کسی طرح کے غلو وگمراہی کا اندیشہ نہین۔ ساتھ ہی وحدۃ الوجود کا اصل مدعا بھی محفوظ ہے۔ کیونکہ علمی یا فلسفیانہ وحدۃ الوجود کی بھی نہ کوئی ایسی صورت ہے نہ ہوسکتی ہے، کہ واجب یا حق تعالیٰ کے سوا ممکن یا خلق کا سرے سے کسی طرح اور کسی درجہ کا کوئی وجود ہے ہی نہین۔ کسی نہ کسی طرح کا ظلی ومثالی یا علمی وتصوری وجود ممکنات کا ماننا ناگزیر ہے۔ حتیٰ کہ فرضی وجود بھی اگر کہا جائے تو وہ بھی ایسا ہے کہ آخر فرض تو کرنا ہی پڑتا ہے یا دو وجود نہ سہی تو کم از کم دو ذاتین ہی موجود ماننا پڑتی ہین۔

علمی وحدۃ الوجود سے قرب مطلوب حاصل نہین ہوتا | رہی ظلی ومثالی، علمی وتصوری یا ایک وجود ذات وغیرہ کی سی فلسفیانہ تعبیرات، تو کلام وفلسفہ مین یا فلسفی مزاجون کے لیے اس کی جو کچھ قدر وقیمت ہو، لیکن اسلامی تصوف کے وہ بالذات

Marfat.com

مقاصد مین داخل نہین، نہ اس کا حصول کوئی مطلوب کمال ہے۔ خود احقر کو بھی اس قسم کی تعبیرات سے ذہنی و فلسفیانہ دلچسپی بہت رہی، اور بعض تعبیرات نصوص سے بھی اقرب معلوم ہوتی ہین، تاہم یہ خیال غلو سے خالی نہین کہ کسی خاص فلسفیانہ یا علمی تعبیر کا نفس جان لینا "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ" والا وہ قرب ہے جو کتاب و سنت کی رو سے مطلوب ہے، یا اس سے بڑھ کر یہ کہ یہی وہ خاص تعلیم ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ طور پر فرمائی تھی، اور جو سینہ بسینہ چلی آتی ہے۔ حد یہ کہ علم دین کے مقابلہ مین اس علم قرب کو ایک الگ اور اعلیٰ علم سمجھ لیا گیا! تو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کوئی بڑے راز کی بات نہین فلسفہ مین ہمیشہ اس طرح کی باتین ہوتی رہین اور رہین گی[1]۔ ورنہ پھر جو فاسق و فاجر بلکہ جو کافر و فلسفی بھی اس مسئلہ کو جان لے یا اس کا قائل ہو جائے بس وہ مقرب ہو گیا، یہ تو وہی زندقہ و اباحت کا دروازہ کھول دینا ہے۔

دوسرے اگر وہ قرب مطلوب جو دراصل دین کا سب سے بڑا مطلوب و مقام ہے یہی تھا اور پھر بھی عام تعلیمات سے اس کو الگ رکھ کر بطور خاص راز کے تعلیم کیا گیا، تو گویا اصل دین اور دین کے اہم مقصد بلکہ کمال دین کو مخفی

---

[1] سورت کانفرنس کے موقع پر راقم نے جب مذہب و عقلیات پر تقریر کی تو وہان بہت سے خوجے حضرات تشریف فرما تھے خود سر ابراہیم رحمۃ اللہ صدر تھے۔ چونکہ اس تقریر مین جدید فلسفہ کی بعض باتین ایسی تھین جن سے اُن کے نام نہاد اسرار کی تائید ہوتی ہے، تو ان خوجہ حضرات مین سے بعض نے بہت راز مین دریافت فرمایا کہ یہ باتین آپ کو کہان سے معلوم ہوئین "مدد حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید" مین نے عرض کیا "حضرت آپ کے یہ راز اب فلسفہ کے ہر حرف شناس کی زبان پر ہین!" "نہان کے ماند آن راز کزو سازند محفلہا"۔ ۱۲

Marfat.com

اور راز رکھا گیا شیطان بنیھما ! ایسے دعوے سے دین کی عام تعلیمات پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، کہ نہین معلوم صیغۂ راز مین اور کیا کیا تعلیم کیا گیا ہو، یا اس راز کی تعلیم و تعبیر کے متعلق جس مدعی کا جو کچھ جی چاہے کہدے۔ اور کہنے والون نے کیا، الحاد و اباحت تک کی باتون کو اسرار بتا اور بنا کر لوگون کو گمراہ نہین کیا؟

سارے مفاسد کا سدباب حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان سارے مفاسد کا سدباب ایک ہی جملہ مین فرمادیا کہ "اس مسئلہ کو مرتبۂ تحقیق علمی مین توحید، کہتے ہین، جس کی تحصیل کوئی کمال نہین" یعنی توحید کی محض اس علمی یا فلسفیانہ و متکلمانہ تحقیق کا نفس جان لینا کوئی مطلوب کمال نہین۔

"غرض وحدۃ الوجود کی حقیقت تحقیق علمی کے درجہ مین تو ہم سب سمجھ سکتے ہین۔ لیکن اس سے عارف نہین ہو سکتے۔ کیونکہ عارف کا وہ حال ہوتا ہے، ہمارا محض قال جیسے طوطے صاحب نبی جی بھجو نبی جی بھجو رٹ رہے تھے، مگر جب بلی نے دبوچا تو سوائے ٹین ٹین کے کچھ منہ سے نہ نکلا"

(الافاضات حصہ ہفتم صفحہ ۳۶۰)

ہان بلاشبہ قال کے بجائے

"جب یہ سالک کا حال بن جائے تو اس مرتبہ مین فنا کہلاتا ہے یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے۔ اور یہی حاصل وحدۃ الشہود کا ہے، جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کا ترجمہ ہے شہود کا ایک ہونا، یعنی واقع مین تو ہستی متعدد ہے، مگر سالک کو ایک ہی مشاہدہ ہوتا ہے، اور سب کا لعدم معلوم ہوتے ہین جیسا کہ اوپر کی مثالون سے

Marfat.com

ظاہر ہو چکا۔ ایک اور سب سے واضح تر مثال شیخ سعدی نے بیان فرمائی ہے ؎

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ — تبایدبشب کرکے چون چراغ
یکے گفتش اے مرغک شب فروز — چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز
بہ بین کاتشین کرمک خاکزاد — جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز شب جز بصحرا نیم — ولے پیش خورشید پیدا نیم

تو اس حال کے "صاحب حال" کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اس کو نہ کسی سے نفع کی توقع نہ ضرر کا خوف۔ رہے یہ نقال جو تصوف بگھارتے ہین" ان کو پکڑنے اگر کوئی کانسٹبل بھی آجائے تو ڈر کے مارے کانپنے لگین اور یہان سارے دنیا کے بادشاہ بھی ہجوم کرکے آجائین، تب بھی قلب مین ذرہ برابر اثر نہ ہو۔ امید و ہراسش بنا شد ز کس اور یہ حال اگر حاصل کرنا ہو تو اس کی تدبیر تحقیق علمی نہین، بلکہ اس کے لیئے شیخ کی ضرورت ہے (الافاضات حصہ ہفتم صفحہ ۳۶۶)

"پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مین اختلاف لفظی ہے (کما قال مرشدی) مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنیٰ عوام مین غلط مشہور ہو گئے تھے، اس لیئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔ جو نسبت عنوان متروک کے اس معنیٰ مین زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت معنیٰ مذکور پر مجازی ہے، اور وحدۃ الشہود کی دلالت اس معنیٰ پر حقیقی ہے۔ اور دلیل نقلی اس مسئلہ کی یہ آیت ہو سکتی ہے۔ کل شیئ ھالک الا وجھہ جیسا شارح عقائد نسفی نے تفسیر کی ہے[1]۔

[1] الکشف جلد سوم صفحہ ۱۲

Marfat.com

لیکن وحدۃ الوجود کی تائید مین جن دیگر آیات کو زیادہ پیش کیا جاتا ہے، وہ قرب و اقربیت، احاطت و معیت اور ظاہریت و باطنیت، اولیت و آخریت کی آیات ہین، مگر ان آیات سے جس طرح جزم و قطعیت کے ساتھ وحدۃ الوجود کی کسی خاص علمی و فلسفیانہ تعبیر و تفسیر پر استدلال کرنا اگر تحریف نہین تو تفسیر بالرائے ضرور ہے اسی طرح دوسری طرف علمائے ظاہر کا ذاتی اقربیت و معیت وغیرہ کا انکار بھی بمالا یرضیٰ بہ قائلہ کی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرمائین کہ مین تم سے قریب و اقرب ہون۔ تمھارے ساتھ ہون یا وہ تمام چیزون کو محیط ہے وہ سب کا اول و آخر ظاہر و باطن ہے۔ اور ہم کہین کہ نہین معاذ اللہ اللہ تعالےٰ سے کہے نہین بنا مین اور وہ سے خود "وہ" یا اُن کی ذات نہین، بلکہ ہر جگہ بلا کسی قرینہ کے اُن کی صفات علم و قدرت و نصرت وغیرہ ہی مراد ہین۔ یہ تو حق تعالےٰ کے قرب سے جان بوجھ کر اپنے کو محروم کرنا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے معیت ذاتیہ کے اعتقاد کو صرف ایسے عوالناس کے لیے احتیاطاً ممنوع فرمایا ہے، جن سے اندیشہ ہے کہ اس کو جسمانی معیت یعنی ایسی معیت سمجھ نہ بیٹھین گے جیسی کہ دو جسمون مین ہوتی ہے، ورنہ فی نفسہ اس ذاتی قرب و معیت کے خلاف نہ کوئی عقلی و نقلی دلیل ہے اور نہ بلا تکیف اس کے قائل ہونے مین کوئی محذور و خرابی ہے۔ کسی نے انھین آیات نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور ھو معکم وغیرہ کے پیش نظر سوال کیا کہ

قرب ذاتی و وصفی

"بعض لوگ اس سے قرب ذاتی و وصفی کے قائل ہین، اور بعض کہتے ہین کہ نہین اس سے مراد محض قرب وصفی ہے۔ تو ان

Marfat.com

دونون فریق مین حق پر کون ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو یہ قرب استوا علی العرش کے ساتھ کیسے جمع ہوگا؟ نیز جو لوگ اس قرب کو قرب وصفی کہتے ہین، وہ قرب ذاتی کے قائلین کو کافر کہتے ہین کیا یہ جائز ہے؟"

جواب یہ ہے کہ

"چونکہ عوام الناس معیت ذاتی سے معیت جسمانی سمجھ جاتے ہین، اس لیئے علما نے اس کا ابطال کیا اور بعض نے اس کے قائلین کی تکفیر کی۔ لیکن اگر معیت ذاتی سے مراد بلا کیف ہو تو اس مین کوئی محذور نہین، نہ استوا علی العرش کے ساتھ اس کا اجتماع ممتنع ہوگا کیونکہ نہ وہ ذات متناہی ہے (جو یہ دشواری ہو کہ عرش پر ہو کر فرش پر یا ہمارے ساتھ یا ہمارے قریب کیسے ہو سکتی ہے) اور نہ اس کی معیت کو کسی خاص کیفیت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

"البتہ جس کو بلا کیفیت کی قید کے ساتھ اعتقاد پر قدرت نہ ہو اس کے لیئے سلامتی اسی مین ہے کہ معیت وصفی کا قائل رہے[1]۔"

مطلب وہی ہے کہ وحدۃ الوجود یا ذاتی قرب و معیت کی محتمل و مشیر آیات و نصوص کی تفسیر کو اپنی عقل و راے کی کسی علمی و فلسفیانہ تعبیر و توجیہ کے ساتھ مقید کرنا نصوص پر زیادتی بھی ہے اور خلافِ احتیاط و موجب مفاسد بھی۔

---

[1] بوادر ص۵۲ و ۵۳ ۱۲

Marfat.com

اور حضرات صوفیہ کا تحقیقی مسلک بھی قرب یا اتصال کے باب میں یہی ہے۔
جیسا کہ عارف رومی فرماتے ہیں ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

Marfat.com

قربِ مطلوبؑ

پھر خالق کے مخلوقات یا اللہ تعالےٰ کے کائنات کے ساتھ "اس بے تکیف اتصال" و قرب کی حقیقت خواہ وہ ذاتی ہو یا صفاتی، محض قرب واقعی کی ہے نہ کہ قربِ مطلوبی کی، اور قربِ واقعی یا نفس الامری مومن و کافر صالح و فاسق، انسان و حیوان، نباتات و جمادات غرض ساری کائنات کے ساتھ ثابت و یکسان ہے، کسی کی تخصیص نہیں۔ اور قرب کی جو آیات مسئلہ وحدۃ الوجود یا قرب ذاتی و صفاتی کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں وہ دراصل اسی قربِ واقعی کی نصوص ہیں۔ مثلاً سب سے اہم آیت "ھوالاول والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم" کی ہے، تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیت ساری اشیاء کائنات سے متعلق ہے اور "وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" کے تحت سموات والارض (یعلم ما فی السموات والارض) کی ساری چیزیں بلا تخصیص اس کی معلوم ہیں۔ اسی طرح نحن اقرب الیہ من حبل الورید کی اقربیت یا ھو معکم کی معیت جس طرح مومن و صالح کے لیئے ثابت ہے، اسی طرح کافر و فاسق کے لیئے و قس علی ھذا۔

البتہ مومن ہونے کے لیئے جس طرح قرآن کی دیگر آیات یا اُن کی صحت و واقعیتِ نفس الامری کا ماننا لازم ہے، اسی طرح اس قرب کی صحت و واقعیت

Marfat.com

کا ماننا بھی لازم ہے، خواہ اس کی حقیقت و ماہیت سمجھ مین آئے یا نہ آئے، اور بفرض آ بھی جائے، تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی، جیسے کسی بے نمازی کی سمجھ مین اقامت صلوٰۃ کی حقیقت و نوعیت یا اس کی حکمت و مصلحت واقعیہ سب کچھ آجائے، مگر رہے وہ بے نمازی کا بے نمازی تو بس جیسے بے نمازی مومن نے نماز کا فلسفہ جان لیا، ویسے ہی ہم نے قرب کا بھی ایک فلسفہ جان یا بنا لیا۔ ورنہ اس قرب و معیت یا وحدۃ الوجود کے ایمان و علم کا بھی اصل مقصود و مدعا وہی وحدۃ الشہود ہے، کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا حضور دوام یا مقام احسان حاصل کیا جائے، یعنی اس کا ماننے اور جاننے والا اپنی زندگی کے سارے اعمال و افعال حرکات و سکنات مین اس طرح اللہ تعالےٰ کو قریب و اقرب یا حاضر و ناظر جان کر انجام دے کہ گویا وہ خدا کے سامنے ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے۔ ورنہ کم از کم خود خدا تو اس کو دیکھ ہی رہا ہے۔ اس استحضار سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و ناراضی یا معصیت سے بچنے کی فکر ہوگی اور دوسری طرف فرمانبرداری و رضاجوئی یا اطاعت مین مقام احسان نصیب ہوگا جو اسلام و ایمان کا کمال مطلوب ہے۔ ورنہ اگر "اقیموا الصلوٰۃ" پر خالی ایمان کے ساتھ ہم نے اس کی حقیقت و اہمیت کا کچھ فلسفہ بھی جان لیا، اور رہے پھر بھی اقامت صلوٰۃ سے محروم کے محروم، تو الٹے اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی یا ناراضی کا اندیشہ بالذات جنت بھی مطلوب نہ ہو | غرض قرب مطلوب یا قرب کا اصلی مقصود بقول حضرت علیہ الرحمہ کے نعوذ باللہ خدا کی گود مین جا بیٹھنا نہین ہے، بلکہ یہ محققین حضرات صوفیہ کی اصطلاح مین رضاجوئی کے اس بلند ترین مقام کا نام ہے، جس مین بندہ کا

Marfat.com

مطلوب خود اللہ تعالیٰ یا ان کی رضا جوئی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جنت بھی بالذات مطلوب نہین رہتی۔ اسی درجۂ سبقت (یا عام اہل ایمان سے آگے نکل جانے والون) کو اللہ تعالیٰ خود اپنے فضل واحسان سے "اصحاب میمنہ" (یا طالبین جنت کے مقابلہ مین) اپنا مقرب خاص بناتے ہین، جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیات ذیل مین ارشاد ہے کہ

"فاصحٰب المیمنۃ ما اصحٰب المیمنۃ واصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب المشئمۃ" ظاہر ہے کہ یہان اصحاب المیمنہ (داہنی طرف والون) سے مراد کل اصحاب جنت نہین، بلکہ صرف عامہ مسلمین مراد ہین۔ اور خواص کا ذکر آگے السابقون السابقون اولئک المقربون[1] مین ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ تیسری قسم اصحاب جنت سے بھی ممتاز ہے۔

"مگر یہ مطلب نہین کہ یہ جنت سے کہین الگ رہین گے۔ سکونت کے اعتبار سے یہ بھی اصحاب جنت ہین، مگر طلب کے اعتبار سے ان سے الگ ہین۔ پس اصحاب جنت کی دو قسمین ہین ایک طالب جنت، دوسری طالب حق اور سابقون کی تکرار سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دونون مذکورہ طبقون سے سابق ہین، لہٰذا اصحاب جنت سے بھی سابق ہوئے۔ یہی معنیٰ اہل جنت سے ان کے ممتاز ہونے کے ہین۔

"اور اہل طریق کے کلام مین تو اس کی بہت تصریح ہے۔ بزرگان

---

[1] آگے بڑھ جانے والے آگے بڑھ جانے والے وہی تو مقربین ہین۔ ۱۲

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ طلب کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو، نہ جنت کا نہ دوزخ سے بچنے کا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہین کہ جنت کو طلب نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بالذات طلب نہ کرے[1]"۔

وصال و ہجر چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

ایک شبہہ یہ ہوتا ہے کہ حدیث مین ہے کہ اللّٰھم انی اسئلک رضاک وجنتک[2]، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود جنت مطلوب ہے۔

"جواب یہ ہے کہ اس سوال جنت کی مثال ایسی ہے، کہ جیسے کوئی سوال کرے کہ فلان صاحب سے کہان ملاقات ہوگی اور معلوم ہو کہ باغ مین ہوگی اس پہ وہ شخص اگر باغ مین جانے کا آرزومند ہو تو حقیقت مین وہ باغ مقصود بالذات نہ ہوگا، بلکہ مقصود وہ صاحب ہون گے۔ مگر چونکہ وہ باغ مین ملین گے، اس لیے باغ کی تمنا ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث مین مقصود اصلی رضا ہے، جس کو جنت پر مقدم فرمایا، مگر چونکہ اس کا حصول جنت مین ہوگا۔ لہذا جنت کا بھی سوال کیا۔ اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہین ورضوان من اللہ اکبر، جہان رضا کو جنت سے اکبر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز رضا ہی ہے۔ اس اکبر کی تحصیل کا ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہیئے سو

---

[1] اشرف المسائل ص۴۴ ۱۲،

[2] اے اللہ مین آپ سے آپ کی رضا اور آپ کی جنت مانگتا ہون - ۱۲

Marfat.com

فرماتے ہین ولذکراللہ اکبر معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکراللہ ہے۔ اور تمام احکام پر عمل کرنے کا مقصود ذکراللہ ہی ہے (اشرف المسائل ص۱۰۱)

"غرض طاعات مین صرف خدا کو مطلوب سمجھو، بلکہ جس کو وصال سمجھ رہے ہو اس پر بھی نظر نہ رکھو۔ صرف اُس عمل کو (مقصود سمجھو جس سے خدا راضی ہے) اور ہمّت سے اسی مین لگے رہو حتیٰ کہ اگر رضا فراق مین ہو، تو وصال کا خیال ہی ترک کر دو۔

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

(اشرف المسائل ص۱۰۲)

باقی گو دین جا بیٹھنے والے وصال یا قرب و معیت کا اہل فلسفہ کے ہان جو فلسفہ ہو ہو، مگر اہل دین کے فلسفہ مین معتبر و مطلوب قربِ رضا ہے۔ اور اس کا ذریعہ ایمان و عمل صالح کی معیت کاملہ ہے۔ خود قرآن ہی مین ارشاد ہے کہ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت اولئک ھم خیر البریۃ جزاءھم عند ربھم جنات عدن تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" اس مین ایک تو بلند ترین مقام و درجہ کو اولئک المقربون کی طرح خیر البریۃ (بہترین مخلوق) سے تعبیر فرمایا اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے ان کا امتیازی تعلق رضا کا فرمایا۔ دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ مقرب بننے ہی کا ذریعہ ایمان و عمل صالح کے جمع و کمال کو فرمایا۔ کیونکہ ناقص ایمان و عمل یا محض تھوڑا بہت ایمان تو عامۂ مسلمین"

Marfat.com

کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ بہرحال اس آیت کے تحت کہ ما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من اٰمن وعمل صالحا فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا وھم فی الغرفات اٰمنون"۔ ارشاد ہے کہ

"یہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ اسمین خدا تعالیٰ نے اپنے بندون کو ایک بڑی دولت (قرب) کا پتہ اور اس کے حصول کا طریقہ تبلایا ہے اور جو غلطیان اس مین واقع ہوتی ہین ان پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور یہ دولت قرب خداوندی ہے مگر وہان قرب جسمانی تو ہے نہین کہ فاصلہ کم ہو جائے۔ کیونکہ یہ خواص جسم سے ہے۔ اور یہان سے اُن عوالناس کی غلطی معلوم ہوگی جو خواص یعنی مشائخ وصوفیہ کی صورت بناتے ہین، اور حقیقت مین عامی یا جاہل ہین۔ وہ سمجھتے ہین قرب خداوندی قرب جسمانی ہے، جس کا پتہ ان کی مثالون سے چلتا ہے۔

"اگر محققین سے اس قسم کی کوئی مثال منقول ہو، تو ہم اس مین تاویل کرین گے۔ لیکن یہ عوام اس قسم کے اقوال مین تاویل بھی نہین کرتے، بلکہ ظاہری معنی مراد لیتے ہین۔ اور اس قسم کے اقوال بولنے والون مین بعض تو خدا کو دریا اور اپنے کو موج کے ساتھ تشبیہہ دیتے ہین اور بعض قطرہ اور دریا کی تشبیہہ دیتے ہین، تو ایسی تشبیہات اگر کسی معتبر کلام مین پائی جائین گی تو ہم اس کی تاویل کرین گے"۔

انکار تشبیہہ غلو ہے "کیونکہ نفس تشبیہہ پر انکار کرنا تو غلو ہے۔

Marfat.com

خود قرآن شریف مین تشبیہہ موجود ہے کہ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب الایۃ - اس آیت مین تصریح ہے کہ نور خداوندی کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک طاقچہ ہو، جس مین ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ مین ہو اور چراغ کی یہ حالت ہو جیسے ایک درخشان ستارہ الی اخرالایہ تو اگر مطلق تشبیہہ مذموم ہوتی تو قرآن مین یہ تشبیہہ کیون مذکور ہوتی -

"یہ اس واسطے ذکر کر دیا کہ بعض متشددین بہت غلو کرتے ہین کہ معنیٰ پہ غور نہین کرتے محض ظاہری الفاظ دیکھ کر کفر و بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہین - حالانکہ ارشاد خداوندی ہے کہ لا تغلوا فی دینکم غیر الحق، کہ حق سے آگے نہ بڑھو - مثلاً جس چیز کی نظیر قرآن مجید مین موجود ہے، اس کو علی الاطلاق حرام کہدیا جائے"

تو چونکہ تشبیہات خود کلام مجید مین موجود ہین، اس لیے ظاہر ہے کہ اس پر اتنا زور دینا درست نہین ہو سکتا کہ تشبیہہ کو بالکلیہ حرام قرار دیدیا جائے۔

"ہان وجہ شبہ متعین کرنی چاہیئے - تشبیہہ نام ہے دو چیزون مین کسی خاص امر کی باہم مشارکت کا - مثلاً کسی کے چہرے کو چاند کہین تو مطلب یہ ہوتا کہ جس چیز مین چاند اور چہرہ شریک ہین، اس سے چہرہ چاند کا سا ہے، نہ یہ کہ چہرہ بھی اس قدر بڑا جسم ہے جس قدر چاند یا چاند مین بھی آنکھ ناک کان خد و خال موجود ہین، یا جیسے چاند

Marfat.com

کے ہاتھ پاؤن نہین اس شخص کے بھی نہین۔

"علی ہذا خدا تعالیٰ نے جو تشبیہہ دی ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کمال نورانیت مین اس کے مشابہ ہے۔ اگرچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ دونون کے کمال کا بھی ایک درجہ نہین، جس طرح کلی مشکک کے سب افراد برابر نہین ہوتے، مگر کوئی امر ان مین مشترک ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً شدت حیا۔ نیز مشبہ بہ کا (یعنی جس سے تشبیہہ دی جاے) اس کا مشبہ سے زیادہ کامل ہونا بھی ضرور نہین، البتہ زیادہ واضح و مشہور ہونا ضروری ہے، تو اس طرح اگر کسی محقق کے کلام مین خدا کو دریا اور اپنے کو موج کے ساتھ تشبیہہ دی ہو، تو وہ تشبیہہ بھی صرف کسی خاص امر مین ہوگی۔ جیسا مغربی نے کہا کہ

ز دریا موج گونا گون برآمد
ز بے رنگی بہ رنگ چون برآمد

حالت یہ ہے کہ جنھون نے ایک پارہ قرآن کا نہین پڑھا، ان اشعار کو پڑھتے اور وجد کرتے ہین، حالانکہ سمجھتے خاک نہین اور اگر سمجھتے ہین تو یہی کہ خدا پھیلا ہوا ہے اور ہم اس سے نکلے ہین اور یہ سمجھ کر اپنا دین برباد کرتے ہین۔ ان کے سامنے ایسے اشعار پڑھنا بھی جائز نہین[1]"

غرض یہ تو جاہل اور نام کے صوفیون کو ایسی تشبیہات اور ان کے

---

[1] الرفیق ص۲۳۲ - ۱۲

Marfat.com

ظاہری اور لغوی معنیٰ کی گمراہیوں پر ضروری تنبیہ تھی کہ "قرب کے معنی یہ نہیں، جو دریا اور قطرہ میں سمجھے جاتے ہیں، اور ایسے الفاظ کا لغوی معنیٰ پر محمول کرنا غلطی ہے"

"بلکہ مراد اس قرب سے جو آیت میں مذکور ہے رضا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا راضی ہونا مراد ہے۔ قرب کے مختلف درجے ہیں، ایک قرب علمی ہے، جو خدا تعالےٰ کے ساتھ ہر چیز ہی کو حاصل ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لاتبصرون یا نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور ایک قرب رضا ہے جو بعض کو حاصل ہوتا ہے۔ اور مذکورہ آیت میں بھی رضا کا قرب مراد ہے، نہ کہ قرب علم کیونکہ وہ مومن و صالح کے ساتھ خاص نہیں۔

"اور یہ قرب رضا بڑی دولت ہے، مگر اس کو اہل دنیا تو کیا مقصود سمجھتے، بہت سے اہل دین بھی پورے طور سے مقصود نہیں سمجھتے"[1]

حصول رضا کا طریقہ یہ معلوم ہو چکنے کے بعد کہ قرب کی جو دولت مطلوب ہے، جس کے حصول کا ہم سے مطالبہ ہے، وہ قرب علمی نہیں بلکہ قرب رضائی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھا جائے۔ اب زیادہ غور و توجہ سے سمجھنے کے لائق وہ طریقہ ہے جو قرآن مجید نے اس رضا کے حاصل کرنے کا بتلایا ہے۔

"پس اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس کا طریق بیان فرمایا ہے۔

---

[1] المرفیق ص ۲ ۱۲

Marfat.com

ارشاد ہے۔ ملا اموالکم الایۃ یعنی مال و اولاد جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہین یہ قرب کا ذریعہ نہین ہو سکتے، بلکہ اس کے ذرائع ایمان و عمل صالح ہین۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان و عمل صالح مین وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو کیونکہ ناقص (تو ادنیٰ سے ادنےٰ مومن کو بھی حاصل ہے) وہ پورا پسندیدہ نہ ہوگا، اور جو پورا پسندیدہ نہ ہو، وہ پسند یا رضا کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے[1]۔

مطلب یہ کہ قرآن مجید کی رو سے جو قرب مطلوب ہے، اور جس کو اولئک المقربون" مین انسانیت کا بلند ترین مقام قرار دیا گیا ہے، وہ کمال ایمان و عمل یا بالفاظ دیگر کمال دین ہی کا نام ہو سکتا ہے، اس لیے اگر اصطلاحًا علم احسان کی طرح تصوف کا دوسرا نام **علم قرب** رکھ لیا جائے تو مضائقہ نہین بلکہ اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے، کہ اسلامی تصوف چونکہ نام ہی احسان یا کمال دین کا ہے اور اسی کمال دین کے درجہ کا قرآنی نام **قرب** ہے۔ البتہ ہے یہ عین دین ہی یعنی کمال ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا تمام و کمال اجتماع۔

درجہ کمال کے تین اجزا "ایمان و عمل صالح کا یہ درجۂ کمال موقوف ہے تین چیزون پر (۱) علم (۲) عمل دائم (۳) اور حال۔ اور دین کے یہی تین شعبے ہین۔ اگر علم نہین تو احکام کی اطلاع ہی نہ ہوگی۔ اور اگر عمل نہین تو اس اطلاع سے کیا نفع ہوا، اور اگر عمل ہے اور بظاہر

---

[1] الرفیق ص۱۳۱ ۱۲

Marfat.com

عمل ہونا کافی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد یہ حالت بھی کچھ مفید نہین، کیونکہ اس مین خلوص و بقا کی امید نہین۔ اور حال سے مراد ملکہ ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کسی سے محبت ہو جائے اور اس کو کھلا دُ پلا دُ تو یہ عمل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی محبت مین بے چینی ہونے لگے تو یہ حال ہے۔

"ترا عمل بدون حال کے پائدار نہین ہوتا اور حال ہو جانے کے بعد پائدار ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز، روزہ کرتا ہے، لیکن صاحب حال نہ ہونے کی وجہ سے نفس پر جبر کر کے کھینچ تان کر کرتا ہے۔ اگر ایک وقت چھوٹ جائے تو کچھ زیادہ قلق نہین ہوتا۔ اور دوسری حالت یہ ہے کہ ایک وقت بھی چھوٹ جائے تو زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ تو یہ دوسرا صاحب حال ہے۔ اسی کو کہتے ہین ؎

بر دل سالک ہزار ان غم بود
گو ز باغ دل خلالے کم بود

اور گو اس حالت کا پیدا کرنا واجب نہین۔ کیونکہ اگر اخلاص ہو اور تکلف سے بھی اعمال کرتا رہے، تو خدا کے ہان مقبول ہے، اس مین کچھ کمی نہین۔ لیکن ہے یہ حالت خطرناک۔ کیونکہ جب قلب مین تقاضا نہین تو خدا جانے گاڑی کہان اٹک جائے، اور کہان پہنچ کر عمل کا خاتمہ ہو جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حال کو بھی پیدا کرے اسی کو کہا ہے

منارہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز دور دیدم رہ و سم پارسائی

Marfat.com

دراز دور کے یہی معنیٰ کہ عمل ہو اور حال نہ ہو تو رشتہ قطع تو ہو جائیگا لیکن بڑی دشواری و مشکل سے۔ اور اسی معنیٰ مین مولانا فرماتے ہین "قال را بگذار مرد حال شو" آگے اس کا طریقہ بتلاتے ہین کہ "پیش مردے کاملے پامال شو"۔ یعنی یہ حالت لکھنے پڑھنے سے پیدا نہین ہوتی بلکہ محض صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ملکہ ہے اور ملکہ صحبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ارژنگ چین لے کر خط کی مشق کرے تو کبھی وہ ملکہ پیدا نہ ہوگا، جو کسی ماہر خوشنویس کی صحبت سے پیدا ہوگا۔ یہی کیفیت باطنی حال کی بھی ہے، کہ بے صحبت کے پیدا نہین ہوتا۔ لہذا

علم و عمل اور حال تینون چیزون کی ضرورت ہوئی۔ اور یہی دین ہے۔ اس حال کی تعلیم اس آیت مین ہے۔ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ مطلب یہ کہ اس طرف جلد توجہ کرو ایسا نہ ہو کہ ایک زمانہ گذر جانے سے قلب مین قساوت پیدا ہو جائے اس آیت سے ثابت ہوا کہ حال کی تاکید بھی کس درجہ مین قرآن سے ثابت ہے۔

"اور یہی وہ شان ہے جس کو حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کان خلقہ القران کہ قرآن آپؐ کا امر طبعی بن گیا تھا، آپ کا جی اسی چیز کو چاہتا تھا، جس کو خدا چاہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ انشاء اللہ راجح کبھی نہ ہوگا واقف (ٹھہرا ہوا) بلکہ برابر ترقی کرتا

Marfat.com

چلا جائے گا۔ کیونکہ اول تو قلب مین ایک محرک موجود ہے دوسرے اس حالت کی برکت سے یہ محب ہونے کے ساتھ محبوب بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اس کی یہ حالت ہوتی ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے لیئے فرماتے ہین کہ اللھم ادر الحق حیث دار یعنی جس طرف چاہین حق بھی اُسی طرف جائے[1]۔

بظاہر یہ مستبعد بلکہ معکوس بات معلوم ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت مین تو سب کچھ ہے، وہ اپنے محبوب کے لیئے الٹی بات کو بھی سیدھی بنا دے سکتے ہین

"مثلاً اگر دو شخصون مین لڑائی ہو جائے اور ایک ایسا ہی محبوب اپنے اجتہاد سے ان مین کسی ایک طرف ہو جائے جو واقع مین حق پر نہ ہو تو خدا تعالیٰ حق اس طرح اس کے ساتھ کر دیتے ہین کہ وہ شخص تائب ہو کر حق پر ہو جائے، اور ان کو اپنی رائے سے پھرنا نہ پڑے[2]"

قرب نام ہے کمال دین کا | ماحصل یہ نکلا کہ قرب نام ہے کامل ایمان و عمل صالح یا کمال دین کا، خصوصاً جب وہ امر طبعی کا سا حال بن جائے، کہ دینی زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون مین وہی بات بالطبع مرغوب و پسند ہو اور کرنے کا جی چاہے، جو خدا و رسول کو پسند اور اس کی مرضی ہو۔ ایسی صورت مین قدرۃً نہ دین سے کسی قسم کی رجعت و ارتداد کا اندیشہ ہے، اور نہ اس راہ مین ترقی کے کسی مقام پر ٹھہر جانے کا، بلکہ طبعی مرغوبات و مطلوبات کی طرح اس مین بھی مزید کی طلب اور برابر آگے بڑھنے ہی کی دھن

---

[1] الرفیق ص۱۳۴ ۱۲ [2] الرفیق ص۱۳۲ ۱۲

Marfat.com

لگی رہے گی - دین کی لازم یا متعدی کسی زندگی مین کسی درجہ پر قناعت نہ ہو گی' جس طرح طبعی و نفسانی مرغوبات و مطلوبات یا دنیاوی ترقیون مین آدمی کسی درجہ پر نہ ٹھہرتا ہے' نہ قانع ہوتا ہے - پھر خدا رسی کے درجات کی تو بجائے خود بھی حد و نہایت نہین ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست
ہر چہ بر دے میرسی بر وے مایست

"پس علم و عمل اور حال کا جمع کرنا یہ طریقہ ہے قرب و رضا کا جو بہت بڑی دولت ہے - کیونکہ دولت کا مقصود راحت قلب ہے تو اس سے بڑھ کر کیا راحت ہو گی کہ محبوب حقیقی راضی ہو اور قریب ہو" محبوب و معشوق کے قرب و رضا یا نزدیکی و خوشنودی مین تو ایسی مستی و لذت ہوتی ہے کہ کلفت بھی عین راحت معلوم ہوتی ہے -

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من

جان تک دینے مین پس و پیش نہین ہوتا -

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

"مجنون کو اس کے اقارب خانۂ کعبہ مین لے گئے اور کہا کہ دعا کرو کہ اے اللہ رحم فرما لیلیٰ کی محبت سے نجات دے' تو وہ کہتا ہے کہ اے اللہ لیلیٰ کی محبت اور زیادہ کر - غور کرو کہ عورت کی محبت مین یہ حالت ہے تو عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود[1]

---

[1] الرفیق ص ۱۳۲ - ۱۲۰

Marfat.com

عبدیت | شریعت کی اصطلاح مین اس عشقی و طبعی حال یا ایمان و عمل کے کمال کا نام عبدیت یا غلامی ہے، یعنی خدا و رسول کی ہر بات کو بے چون و چرا ماننا اور کرنا اور اس کی رضا اور خوشی مین اپنی خوشی دیکھنا اور پانا۔

"شریعت کے احکام کے ساتھ ہمارا بالکل وہ مذہب ہو جانا چاہیئے جو عاشق کا معشوق کے ساتھ اور مملوک یا غلام کا اپنے مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے، کہا جو آپ مقرر کرین، پھر پوچھا کہ تو کیا کھایا کرتا ہے، کہا جو آپ کھلائین اسی طرح لباس کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا جو آپ پہنائین"

غرض غلامی کی حقیقت ہی یہ ہے کہ مالک و مولیٰ کے حکم و مرضی کے سامنے اپنی خواہش و مرضی کو فنا کر دینا۔ جب مجازی غلامی کا یہ اقتضا ہے؛

"تو کیا خدا کے ساتھ جو علاقہ ہے وہ غلامی نہین، بلکہ اگر غور کرو تو خدا کے ساتھ تو ہم کو حقیقی غلامی کا تعلق ہے انسانی غلامی سے تو انسان آزاد بھی ہو سکتا ہے برخلاف خدا کی غلامی کے کہ اس کا طوق ہماری گردن سے کبھی نہین نکل سکتا کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی یہی صورت ہے، کہ نعوذ باللہ ہم بندے نہ رہین اور خدا خدا نہ رہے"۔

انسان کی آفرینش کا مدعا عبدیت ہے ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

"پس معلوم ہوا کہ دنیا مین اس کو جس بات کے حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، وہ یہی عبدیت کی حالت ہے۔ یعنی دنیا مین انسان کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اوامر و نواہی کو پورا کر کے عبدیت حاصل کرے۔ کیونکہ جب تک اس عالم مین نہ آیا تھا، محض روح تھا، اور

Marfat.com

روح بوجہ مجرد ہونے کے نہ قیام پر قادر نہ قعود پر نہ رکوع پر نہ سجود پر[1]

اوامر و نواہی کا تعلق ہی زیادہ تر افعال و اعمال سے ہے، خواہ وہ اصطلاحی عبادات ہون یا معاملات و معاشرات و اخلاق سب کو پورا کرنا ہی عبدیت یا بندگی ہے۔ لہٰذا کمالِ عبدیت کی ترقی جو "موقوف ہے ان عبادات خاصہ پر وہ اس جسمانی و نفسانی دنیا مین آے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔

علیٰ ہذا عبد کی حیثیت سے ہم کو اوامر و نواہی کے اسرار و مصالح معلوم کرنے کا بھی نہ حق ہے، نہ اس کی فکر مین پڑنا چاہیئے، بس جو کچھ حکم ہو بے چون و چرا ماننا اور پورا کرنا اور اس کو عین حکمت و مصلحت جاننا چاہیئے۔

"بلکہ مین کہتا ہون اگر خلاف مصلحت بھی ہو تب بھی ہم کو دم مارنے کی گنجایش نہین۔ کیونکہ ہم عبد یا غلام ہین۔ بلکہ اس نیت کی بھی مجال نہین کہ یہ ہمارے لیئے مصلحت ہے۔ آخر ہم ہین کیا چیز، کچھ بھی نہین۔

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش — کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطافست

زبان تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو

وحدۃ الوجود سے بھی اصل مین عبدیت ہی کا حال و کمال مطلوب ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات و احکام کے سامنے نہ صرف دنیا اور نفس کی خواہشات فنا ہو جائین، بلکہ اس حال کا اتنا غلبہ ہو جائے، کہ حق کے مقابلہ مین اپنا یا خلق کا وجود ہی سرے سے نظر نہ آئے۔

"یہی وہ کیفیت ہے جس کو اہل فن نے وحدۃ الوجود کہا ہے۔ یہ

---

[1] الرفیق ص۱۵۹ ۱۲

Marfat.com

معنی نہین جو عوام مین مشہور ہین کہ مین بھی خدا تو بھی خدا اور در و دیوار بھی خدا، یہ بالکل غلط ہے۔ اور بعضے یہ سمجھتے ہین کہ خدا کے سوا کوئی بالکل موجود ہی نہین۔ یہ بھی بالکل غلط اور قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ خالق کل شئ وھو علی کل شئ وکیل۔

"حقیقت مین یہ مسئلہ حالی ہے قالی نہین۔ وہ حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات پیش نظر ہوتی ہے تو دوسرون کا اور اپنا وجود کالعدم معلوم ہوتا ہے بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر ایک شخص کسی خیال مین منہمک ہو، تو اس کو دوسری چیزون کی طرف مطلق التفات نہین ہوتا۔ اگر کوئی آواز دیتا ہے، تو وہ سنتا نہین، بلکہ بعض اوقات اس قدر انہماک ہوتا ہے، کہ کوئی سر کے پاس آکر آواز دے (یا کھڑا ہو جائے) تو بھی مطلق خبر نہین ہوتی۔ اس کیفیت مین وہ محاورہ مین مجازاً کہہ سکتا ہے کہ لا موجود الا من الفلانی[1]"

قرب نوافل | غرض تصوف کی اصطلاح مین وہی وحدۃ الوجود ہے، وہی وحدۃ الشہود ہے، وہی فنا ہے، وہی قرب ہے وہی وصال ہے جو شریعت کی اصطلاح مین عبدیت یا بندگی ہے۔ اور جس کو مشہور احادیث کے اتباع مین قرب نوافل و قرب فرائض کے عنوانات سے صوفیہ نے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ

---

[1] الکشف ص۲۰۲ ۱۲

Marfat.com

"جب بندہ ریاضت ومجاہدہ کرتا ہے تو اس کے صفات رذیلہ اور شہوت وغضب کے دواعی یا محرکات زائل ہوجاتے ہین اور نفس مین مرضیات سے محبت اور نامرضیات سے بغض کا ایک راسخ ملکہ پیدا ہوجاتا ہے، جس سے اعمال حسنہ وافعال محمودہ بے تکلف صادر ہوتے اور اعمال قبیحہ وافعال ذمیمہ قریب قریب معدوم ہوجاتے ہین ایسے شخص کی نسبت حدیث مین آیا ہے کہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا (رواہ البخاری) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہین کہ مین اس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ اور پاؤن بن جاتا ہون جن سے وہ سنتا، دیکھتا پکڑتا اور چلتا ہے"

جب وہ مرضی حق کے خلاف نہ کان سے کچھ سنتا ہے، نہ آنکھ سے دیکھتا ہے، نہ اس کے خلاف ہاتھ پاؤن ہلاتا ہے، بلکہ جو کچھ بھی دیکھتا سنتا یا کرتا ہے بالکلیہ حق تعالیٰ ہی کی مرضی اور حکم کے تابع رہ کر تو ظاہر ہے کہ اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤن اپنے کیا بلکہ عملاً خدا ہی کے ہوگئے" ورنہ ظاہری معنی اعتقلا وشرعاً محال ہین، مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس کے اعضا وجوارح سے سارے افعال اللہ ہی کی مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہین" اس لیے یون فرمایا کہ "گویا مین ہی اس کے اعضا (یعنی کان آنکھ ہاتھ پاؤن) بن جاتا ہون"

"چونکہ مجازاً اس حدیث مین حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے، اس لیے صوفیاء کرام نے اس کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا

Marfat.com

ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ بن جاتے ہین - اور چونکہ حدیث
مین اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پر موقوف ہے - اور مجاہدہ و ریاضت
مین تکثیر نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا کثرت مراقبات یا تقلیل
شہوات ، اس لیئے صوفیہ حدیث کی پیروی مین اس مرتبہ کو قرب نوافل
کہتے ہین - اور چونکہ اس مین صفات و افعال رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے اس
لیئے فناء صفات سے تعبیر کرتے ہین "

قرب فرائض | اس کا درجہ قرب نوافل سے بھی اعلیٰ ہے اور مطلب یہ کہ
" عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جائے کہ اپنی قدرت و ارادہ کو حق کی
قدرت و ارادہ کے سامنے ذوقی طور پر کالعدم جاننے لگے اور افعال و
اعمال مین محض بمنزلہ آلۂ حق کے ہو جائے اور حق کی مستقل مؤثریت پیش نظر
ہو جائے - چونکہ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول مین صرف فنائے رذائل
تھا فنائے اختیاری تھا - اس لیئے اس سے اعلیٰ ہوا -

" اور حدیث مین تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و
افضل کہا گیا ہے - چنانچہ اس حدیث کا سب سے اول جزیہ ہے وما
تقرب الی عبدی بشیی احب الی مما افترضت علیہ - اس لیئے
حدیث ہی کی موافقت مین صوفیہ اس کو قرب فرائض کہتے ہین - اور
چونکہ اس مین سالک کو اپنے ذاتی صفات قدرت و اختیار پر بھی نظر
نہین ہوتی ، اس لیئے اس کو فناء ذات سے تعبیر کرتے ہین[1] -

---

[1] التکشف ص۳۸ ۱۲

Marfat.com

تفویض و دعا | خلاصہ سب کا وہی بندگی و غلامی یا عبدیت ہے کہ مالک کے سامنے ہم ہماری ذات و صفات کچھ بھی ہمارا نہین سب اسی کی ملک ہین، اور ہم ترے غلام۔ اسی عبدیت کا ایک اور عنوان تفویض ہے، اور بظاہر تفویض و دعا مین تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کی مجدّدانہ تحقیق سنئے جو یاد رکھنے کے لائق ہے۔

"کہ تفویض کے یہ معنی نہین کہ مانگے نہین، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگنے پر بھی نہ ملا، تو اس پر بھی راضی رہون گا۔ ورنہ مانگنے کا امر نہ فرمایا جاتا البتہ عین دعا یا مانگنے کے وقت بھی اس کا استحضار رہے کہ مانگنے پر بھی نہ ملا تو اس پر بھی دل سے راضی رہون گا۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ بڑے بڑے فضلا کو شبہ ہو گیا کہ دعا و تفویض کیسے جمع ہون۔ مگر مین کہتا ہون کہ خوب مانگے اور خوب الحاح و زاری کر کے مانگے مانگنا ہرگز تفویض کے منافی نہین"

"اور ایک کام کی بات بیان کرتا ہون جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عبدیت اس مین زیادہ ہے، کہ سمجھ کر مانگے کہ یہ چیز ضرور ہم کو ملے اور ضرور ہی دین گے۔ کیونکہ یہ شان عبدیت کے لیے لازم اور مانگنے کے آداب مین ہے۔ آگے ان کو اختیار ہے، اگر بندہ کے لیے مصلحت و حکمت دیکھین گے عطا فرمائین گے۔ نیز مانگنے کا جب خود حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تو نفس دعا یا مانگنے کو بھی مقصود سمجھو۔

"تو مقصود دو ہوے ایک وہ چیز جو مانگ رہے، دوسرے خود

Marfat.com

مانگنا - بلکہ نہ مانگنے مین اندیشہ ہے[1] - اس لیئے کہ حکم مانگنے کا تھا، جس مین استغنا سے کام لیا۔ بعض لوگ خود دعا کو تو مقصود سمجھتے ہین، لیکن جس حاجت کی دعا مانگتے ہین اس کو مقصود نہین سمجھتے یہ غلطی ہے، اور درحقیقت بڑی غلطی۔ جس کو لوگ تفویض سمجھ بیٹھے ہین، اس لئے کہ یہ استغنا ہے حق تعالےٰ کے سامنے جو عبدیت کے سراسر خلاف ہے۔

"خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد دعا مین یہ اضافہ فرمایا کرتے تھے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا یعنی ہم اس کھانے کو رخصت نہین کرتے، نہ اس سے مستغنی ہین - صدہا حدیثین ہین، جن مین حضور سے حاجتون کا مانگنا ثابت ہے، تو ایسی چیز تفویض کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے، لہٰذا مانگنے کو تفویض کے خلاف سمجھنا سخت غلطی ہے گو اجتہادی غلطی ہے، جس کا سبب غلبۂ حال ہے"

دعا کے بجائے وظائف لوگ حاجتون اور مرادون کے لئے دعا کے بجائے وظائف زیادہ پوچھتے ہین اور ان کو زیادہ موثر جانتے ہین، اس کی نسبت ایک ملفوظ مین بڑی دقیق تنبیہ فرمائی۔ کسی نے بے روزگاری کی شکایت کی اور تعویذ مانگا تو فرمایا کہ

"روزگار کے لیئے تعویذ نہین ہوتا پڑھنے کے لیئے بتا دیتا ہون کہ یا بامط دو اور پر ستر مرتبہ پانچون نمازون کے بعد پڑھ لیا کرو، اسی سلسلہ مین فرمایا کہ آج کل لوگ وظائف کے پیچھے پڑے ہین۔ اور اصل چیز یعنی دعا کو

---

[1] جیسا کہ حدیث مین ہے کہ نہ مانگنے سے اللہ تعالےٰ ناراض ہوتے ہین ۱۲

Marfat.com

اختیار نہین کرتے جو روح اور مغز ہے تمام عبادات کی۔ اور ایک کام کی بات بیان کرتا ہون کہ وظائف پڑھنے سے قلب مین ایک دعوے کی شان پیدا ہوتی ہے، کہ ہم ایک تدبیر کر رہے ہین، بس ثمرہ گویا ہمارے قابو مین ہے اور دعا مین شان عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے، کہ اللہ تعالےٰ سے مانگ رہے ہین وہ چاہین گے تو دین گے [1]

شان عبدیت کا جن بزرگون پہ غلبہ ہوتا ہے، ان کا رنگ ہی عجیب ہوتا ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ یہی تھا۔ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت مین کوئی صاحب حاضر ہوے اور عرض کیا کہ

"کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ خواب مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو۔ حضرت نے فرمایا آپ کا بڑا حوصلہ ہے۔ ہم تو اس قابل بھی نہین، کہ روضۂ مبارک کے گنبد شریف کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اللہ اکبر کس قدر شکستگی و تواضع کا غلبہ تھا۔ یہ سن کر ہماری آنکھین کھل گئین۔ حضرت کی عجیب شان تھی، اس فن کے امام تھے۔ ہر بات مین حقیقت و حکمت کی شان ٹپکتی تھی۔ ع۔ ہر کجا پستی است آب انجا رود۔

پس وہان تو مٹ جانے اور فنا ہو جانے کا سبق ملتا تھا۔ یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنے والون کے قدمون کی زیارت کو اپنے لیئے ذریعۂ نجات سمجھتا ہون حضرت پر شان عبدیت کا غلبہ رہتا تھا [2]

---

[1] الافاضات الیومیہ ص ۲۰۴ ج ۲ [2] ایضاً ص ۲۱۲ ج ۲

Marfat.com

شریعت وطریقت دونون کا کمال مقصود بندگی وعبدیت ہی ہے جس کو اوپر قرب رضا کہا گیا ہے۔ یعنی مرضیات نفس کو مرضیات حق مین فنا کر دینا اور اپنے اعمال کو بالکلیہ حق تعالےٰ کے احکام کے تابع کر دینا۔ اس لیئے اس وصول و قرب کا حصول بے صرف اسلام ہی کی راہ سے ممکن ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ کے صحیح و مستند احکام یا مرضیات کا علم کہین اور موجود ہی نہین۔ اور بے ان کے علم و اتباع کے اگر کوئی قرب و وصول ہوگا تو وہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی باغی یا چور کسی چور دروازہ سے بادشاہ کے خلوت خاص مین داخل ہو کر اپنے کو بادشاہ کے مقربین مین سمجھ بیٹھے۔ یا اس سے بڑھ کر اسی حقیقت کی تفہیم مین خود حضرت نے ایک لطیف قصہ سے مثال دی ہے کہ

وصول بلا رضا کی عجیب مثال | "اصل مقصود رضا ہے محض وصول مقصود نہین یعنی جو وصول یا قرب حق تعالیٰ کی رضا کے ساتھ نہ ہو وہ مقصود نہین۔ وصول بلا رضا کی مثال ایسی ہے، کہ دہلی کے شاہی زمانہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کوئی غریب دیہاتی دہلی آیا۔ اس کو شوق ہوا، کہ بادشاہ کو دیکھون۔ ایک شخص ملے ان سے کہا کہ کوئی ایسا طریقہ بتلاؤ کہ بادشاہ کا دیدار کر لون۔ انھون نے کہا یہ کیا دشوار ہے کسی بھلے مانس کو پیٹ پاٹ دو وہ خود پکڑ کر دربار مین لے جائے گا، بس دیدار ہو جائے گا۔ دیہاتی نے کہا اجی بس تم سے زیادہ بھلا مانس کون ہوگا۔ اور یہ کہہ کر ان کو پیٹ دیا۔ وہ چونکہ معزز آدمی تھے بڑی بے عزتی ہوئی، اس لیئے ان کو بڑا غصہ آیا، اور اس دیہاتی کو پکڑ کر خود دربار مین

Marfat.com

لے گئے۔ اس طرح اس کو بادشاہ کا دیدار ہوگیا۔ تو کیا کوئی ایسے دیدار کو مستحسن سمجھے گا۔ اس طرح تو ہر شخص ہی بادشاہ کا دیدار کرسکتا ہے۔ یہ تو سراسر مجرمانہ دیدار ہوا" دیدار وہی محمود ہے جو بادشاہ کی خوشی کے ساتھ ہو، اسی طرح وصول بھی مقصود ہے جو رضا کے ساتھ ہو[1]" ایک وعظ مین اسی بحث کے سلسلہ مین انسان کو عالم ارواح سے عالم اجسام مین لانے کا راز ہی یہ ہے کہ اس کو اتباع احکام یا اعمال کی راہ سے قرب رضا مین ترقی کی دولت نصیب ہو، اس کو واضح فرمایا ہے کہ قرب مقصود کا مدار تمامتر اعمال ہی پر ہے۔ اور اکثر اکابر صوفیہ کے ہان عالم ارواح سے جدائی کی جو شکایت ہے جیسے مثنوی شریف کی اسی سے ابتدا ہے ؎

بشنو از نے چون حکایت می کند
و از جدائی ہا شکایت می کند

اسی غلبۂ حال پر محمول فرمایا ہے۔ اس وعظ مین مومن کی موت کو اصل زندگی اور خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو اصل حیات یا ولادت ملکوتیہ قرار دیا گیا ہے۔ فرماتے ہین کہ

یہ حیات دراصل موت ہے | "حیات و موت کے متعلق ایک لطیف نکتہ عرض کرتا ہون۔ ابتک مین نے موت کا حیات ہونا ثابت کیا تھا اب حیات کا موت ہونا بتاتا ہون۔ موت حقیقۃً ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہین۔ جس طرح اس حیات ناسوتی کا انقطاع یعنی

---

[1] افاضات حصہ ہفتم صفحہ ۱۰۱ ۱۲

Marfat.com

ولادت ملکوتیہ اس لیئے موت ہے، کہ اس سے عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف انتقال ہوتا ہے، اسی طرح ولادت ناسوتیہ بھی اس لیے ایک قسم کی موت ہے، کہ اس سے عالم ارواح سے عالم اجسام کی طرف انتقال ہوتا ہے، بلکہ اس کو موت کہنا زیادہ زیبا ہے۔ کیونکہ موت سے (جس کو عام طور سے موت کہا جاتا ہے) وطن اصلی کی طرف انتقال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وطن کی طرف جانا تو اصل مطلوب ہی ہوتا ہے۔ اس کو موت کہنا محض عرف ہے۔ ورنہ اصل موت تو یہی ہے کہ وطن اصلی کو چھوڑ کر وطن عارضی میں آجائے، مگر چونکہ عام طور پر لوگ وطن اصلی سے غافل ہیں اس لیئے اس حیات ناسوتیہ ہی کے انقطاع کو موت کہتے ہیں اور ولادت ناسوتیہ کو موت نہیں کہتے۔ مگر جس کی نظر وطن پر ہے وہ اس کے خلاف سمجھتا ہے۔

اس لیئے حضرات صوفیہ اکثر

"وطن اصلی کو یاد کرتے، اور وہاں سے جدا ہونے پر تاسف کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا جامی اس وطن کا پتہ دیتے اور وہاں سے مفارقت پر رنج کرتے ہیں ؎

چرا زان آشیان بیگانہ گشتی　　چو دونان چغد این ویرانہ گشتی

اصلی وطن عالم ارواح ہے جس کے سامنے یہ عالم ناسوت ویرانہ ہے۔ لہٰذا حزن اس کی جدائی پر ہونا چاہیئے نہ کہ یہاں سے جدا ہونے پر مولانا روم اس کو یاد کر کے فرماتے ہیں ؎

Marfat.com

بشنو از نے چون حکایت می کند وز جدائی ہا شکایت می کند

پھر یہ حیات کیون عطا ہوئی

"جب یہ حیات بھی موت ہی ہے اور ہم اپنے اصلی وطن عالم ارواح مین تھے، تو سوال یہ ہوتا ہے کہ وہان سے نکال کر ہم کو یہان کیون بھیجا گیا۔ وہان کی حیات یہان سے افضل ہی تھی۔ اور یہان سے زیادہ قریب بھی وہان حاصل تھا۔

"جواب یہ ہے کہ یہان اعمال کے لیے بھیجا گیا، اور اس وجہ سے موجودہ حیات کو گذشتہ حیات پر ترجیح ہے۔ اس کو محققین نے سمجھا ہے، ورنہ مغلوب الحال تو یہی چاہتے ہین کہ عالم ارواح ہی مین رہتے۔ کیونکہ بظاہر وہان آرام بھی تھا اور قرب بھی تھا۔

کیا ہی چین خواب عدم مین تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور نشور نے مجھے کس ہوس مین پھنسا دیا

وجہ یہ خیال عادۃً فراق مین ہوتا ہے نہ کہ وصال و قرب مین۔ حضرت عارف جامی نے مثنوی کے ابتدائی اشعار کی شرح مین اس مضمون کو ایک خاص عنوان سے ادا کیا ہے۔

حبذا روزے کہ پیش از روز و شب فارغ از اندوہ و آزار و تعب
متحد بودیم با دشاہ وجود حکم غیریت بکلی محو بود
نے ز حق ممتاز و نے از یکدگر غرق در دریاے وحدت سر بسر
امتیاز علمی آمد درمیان بے نشانے را نشانہا شد عیان
واجب و ممکن ز ہم ممتاز شد رسم و آئین دوئی آغاز شد

Marfat.com

ان کا بھی وہی حاصل ہے، جو مثنوی کے ابتدائی اشعار کا کہ اُس عالم کی تمنا ہے اور یہان آنے پر تاسف۔

اس حیات سے بیزاری غلبۂ حال ہے | اب آگے حضرت مجدد کی تجدید و تحقیق ملاحظہ ہو کہ۔

"یہ غلبۂ حال ہے تحقیق نہین، کیونکہ اُس عالم کی تمنا کیون ہے، اسی لیئے تو کہ وہان قرب تھا، (جیسا کہ متحد بودیم باشاہ جود وغیرہ سے ظاہر ہے) لیکن قرب کی حالت یہ ہے کہ اس کی کوئی حد نہین۔ ہر درجہ کے آگے بھی درجات ہین اور ظاہر ہے کہ قرب طبعًا محبوب ہے، تو اس کا ہر درجہ محبوب ہے۔ خصوصًا عشاق کو کہ وہ تو اگر یہ جان لین کہ قرب کے اور بھی درجات ہین، تو ان کو موجودہ حالت پر کبھی صبر نہین ہوسکتا

نہ گویم کہ بہ آب قادر نیستند کہ بر ساحل نیل مستقی اند

"غرض زیادت قرب سے ان کا پیٹ نہین بھرتا۔ جب یہ سمجھ مین آگیا تو اب سمجھئے کہ اس عالم مین قرب تو تھا، مگر ایک خاص حد تک ہی تھا بڑھتا نہ تھا۔ کیونکہ عادت یہ ہے کہ قرب بڑھتا ہے جانبین کے تعلق سے۔ اور حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ اُن کو بندہ کے ساتھ تعلق اس وقت بڑھتا ہے جب بندہ کی طرف سے طلب ہو۔ اور طلب کی حقیقت ہے عمل وہان عمل تھا ہی نہین، اس لیئے قرب بڑھتا نہ تھا۔

طلب سے ترقی | اس لیئے عالم ارواح سے عالم اجسام مین بھیجا کہ طلب سے عمل پیدا ہو اور اس سے ترقی کا دروازہ کھلے۔ حدیث قدسی مین

Marfat.com

خود فرماتے ہین کہ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ اوکما قال کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا، یا قریب ہوتا ہے، اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا (یا قریب) ہوتا ہون، اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے مین دو ہاتھ بڑھتا ہون۔ اور جو میری طرف چل کر آتا ہے اس کی طرف دوڑ کر آتا ہون، سبحان اللہ کس قدر عنایت ہے کہ بندہ کی ذراسی طلب پر کس قدر توجہ فرماتے ہین۔

مگر شرط وہی ہے کہ طلب وسعی کی ابتدا بندہ کی طرف سے ہو، جیسا کہ خود حدیث بالا سے واضح ہے۔

"غرض مزید قرب کے لیے طلب اور طلب کے بعد سعی کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم تو ہین نہین جو نعوذ باللہ کسی مکان مین ہون، کہ دوڑکر انتقال مکانی کے ذریعہ مسافت کو طے کر لیا جائے اور اللہ میان کی گود مین جا بیٹھین۔ ان کے ساتھ قرب حاصل کرنا یہی ہے کہ ان کی رضا حاصل کی جائے کہ ان کو اپنے سے خوش کیا جائے، اور ان کی عنایات وتوجہ کو اپنی طرف مائل کیا جائے۔ بس یہ ہے قرب حق کا حاصل۔

"اور حق تعالیٰ کی رضا وتوجہ صرف ایک چیز پہ منحصر ہے۔ وہ کیا اعمال صالحہ۔ جب بندہ اعمال صالحہ اختیار کرتا ہے، اس وقت حق تعالیٰ کی توجہ اس پر منعطف ہوتی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہین ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک جزاءھم عند ربھم جنت عدن تجری

Marfat.com

من تحتها الانهار خالدين فيها ابدا رضی اللہ عنهم ورضوا عنه - ذلك لمن خشي ربه - ان آیات مین رضا یا قرب رضا کو ایمان واعمال صالحہ پر ہی مرتب فرمایا ہے۔

جب یہ سمجھ مین آگیا کہ قرب کے معنیٰ رضا ہین اور رضا اعمال صالحہ پر موقوف ہے - اب اعمال کی دو قسمین ہین اعمال قلب[1] اور اعمال قالب[2] جو جوارح سے متعلق ہین پھر اعمال کی بھی دو قسمین ہین ایک مکسوب ایک موہوب - مثلاً اصل محبت اصل خشیت، اصل شوق (یعنی انسان کے اندر ان چیزون کی استعداد و صلاحیت) یہ تو موہوب قلبی اعمال ہین، جن کو بڑھایا ذکر اور مراقبات و ریاضات وغیرہ سے جا سکتا ہے، جو قلب کے اعمال مکسوبہ ہین۔

"اور ظاہر ہے کہ اصل اعمال قلبیہ وہی ہین جن مین اکتساب و اختیار کو دخل ہو - باقی اعمال موہوبہ کو اعمال کہنا مجاز ہے اور وہ قرب بھی جس کو قصد سے حاصل کیا جا سکتا ہے، ایسے ہی اعمال سے حاصل ہوتا ہے، جو اختیاری ہین پس عالم ارواح مین قالب کے اعمال سے تو مطلقاً محرومی تھی، (کیونکہ وہان قالب یا جسم تھا ہی نہین) اور ایسے اعمال قلب سے بھی تھی جن کا مدار کسب و اختیار پر ہے - کیونکہ آلات اکتساب ہی سرے سے موجود نہ تھے۔

"اس لیئے قرب تو وہان بیشک تھا، مگر ایک حد پر رکا ہوا تھا، جس سے آگے ترقی نہین ہو سکتی تھی کیونکہ وہان اعمال پر قدرت ہی نہ تھی

Marfat.com

سو محققین کو تو عالم ارواح کے تصور سے بیچینی ہوتی ہے کہ وہان کیا خاک چین تھا۔ آرام و راحت تو یہان ہے کہ رات دن جتنی ترقی چاہو اعمال کے ذریعہ کر سکتے ہو۔ کوئی اس کے لیے حد ہی نہین کسی درجہ پر پہنچ کر ترقی بند نہین ہوتی۔ عاشق کو بھلا اس پر کہان چین آسکتا ہے کہ محبوب سامنے ہو اور یہ کہدے کہ خبردار آگے نہ بڑھنا۔ وہ تو چاہتا ہے کہ محبوب سے لپٹ جاؤن۔ بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ وہ مجھ سے لپٹ جائے۔

اس ترقی کا دنیوی کمال | بندہ تو اپنے اعمال سے خدا کو لپٹ سکتا یا اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے، لیکن یہ تڑپ پورے ہونے کی کیا شکل ہو سکتی ہے، کہ خدا بندہ سے لپٹ جائے۔ اس کی عجیب تشریح فرمائی ہے کہ

"لپٹنے مین ہوتا کیا ہے یہی تو ہوتا ہے، کہ محبوب عاشق کو غایت قرب کے ساتھ اپنے احاطہ مین لے لیتا ہے۔ سو قرب تو اوپر (نحن اقرب الیہ من حبل الورید وغیرہ سے) ثابت ہو چکا۔ باقی احاطہ سو وہ بھی موجود ہے۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہین ان اللہ بکل شئ محیط یہ بڑی تسلی کی بات ہے، ان جذبات کو اہل عشق خوب سمجھتے ہین گو مجازی ہی ہون، نیز تقربت الیہ بھی اس معنی پر دال ہے، بلکہ آیت سے بھی زیادہ دال ہے۔ کیونکہ آیت تو احاطہ تکوینی کو بھی شامل ہے اور حدیث نفس ہے۔ کیونکہ قرب بھی رضا ہے، گو اس مین احاطہ کی تصریح نہین۔ تو آیت سے احاطہ لیا جائے اور حدیث سے رضا کو تو مجموعہ مدعا مین نص ہو گیا۔ بہرحال حق تعالیٰ آپ کو اپنے احاطہ مین لیئے ہوئے ہین اس

Marfat.com

قرب مین تو پہلے ہی سے قریب ہین ۔ اعمال کے بعد پھر دوسرا قرب میسر ہو جاتا ہے، جس کا ادراک ذاتی طور پہ آپ کو بھی ہو سکتا ہے

"بہر حال یہ تعلق تو اُدھر سے ہوا اور آپ کی طرف سے تعلق یہ ہے کہ

یک چشم زدن غافل ازان شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

یعنی ہمیشہ احکام الٰہی پر نظر رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہون ۔ پھر تو جانبین سے قرب کی وہ کیفیت ہوگی، جس کو اردو کا شاعر کہتا ہے۔

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمھارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمھارے سامنے"

اُخروی کمال | جب یہ جانبین کا قرب اس دنیا مین حاصل ہو سکتا ہے، تو پھر سوال ہوتا ہے کہ آخرت کے لیئے کیا رہا ؟ جواب یہ ہے کہ

"ظہور تام اس قرب کا اور اس سے کامل تمتع آخرت ہی مین ہوگا۔ یعنی دنیا مین اگر عبد و حق کے درمیان جو قرب ہو جاتا ہے، گو یہ عالم ارواح کے مقابلہ مین زیادہ ہوتا ہے، تاہم یہ کمی رہ جاتی ہے کہ اس سے کامل تسلی نہین ہوتی، اور آخرت مین پوری تسلی ہو جائے گی ۔ یعنی ہر شخص کو اس کی تمنا کے موافق انکشاف میسر ہوگا۔ کیونکہ تمنا کے موافق تجلی عطا ہو جائیگا

"مگر یہ ضرور ہے کہ تمنا استعداد سے زیادہ نہ ہو گی ۔ اور یہی راز ہوگا درجات قرب مین تفاوت کا، کہ جس کی استعداد کا جتنا مقتضا ہوگا

Marfat.com

آتنا قرب اس کو عطا ہو جائے گا، اور اس وجہ سے اس کو تسلی ہو جائے گی اور دنیا مین بوجہ حجابات کے کچھ پردہ رہتا ہے، جس سے تمنا کے موافق انکشاف نہین ہوتا، اس لیے تسلی مین کمی رہتی ہے۔

ایک غلط فہمی اس سلسلہ مین بعض صوفیہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ فرمایا گیا ہے وہ سمجھتے ہین کہ آخرت مین بھی رویت یا دید حق کی تڑپ ہی تڑپ ہو گی، نہ حور ہون گی نہ قصور، بس اَدِنِیْ اَدِنِیْ کی بیتابی ہو گی۔ یعنی کامل تسلی وہان بھی نہ ہو گی۔

"گو عشاق کی ایسی غلطی بھی معاف ہے۔

گر خطا گوید ورا خاطی مگوئے ور شود پر خون شہید او را مشوئے

ان پر ملامت نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ رد جائز ہے۔ اور اصل مین یہ ان کی کشفی غلطی ہے، کہ ان کو اس سے آگے مکشوف نہین ہوا۔ ممکن ہے کہ بعض عشاق کی یہ حالت وہان کسی وقت ہو مگر تجلی سے بہت جلد ان کی تسلی کر دی جاے گی۔ چونکہ ان لوگون کو اس تسلی کی اطلاع نہین اس لیے سمجھ لیا کہ جنت مین جاکر بھی بیتابی ختم نہ ہو گی۔

"پھر اسی غلطی کی تائید ایک قیاس سے ہو گئی، کہ جنت کی حالت کو یہان کی حالت پر قیاس کر لیا۔ یہان کی حالت تو یہ ہے کہ محبوب کا حسن بالفعل غیر متناہی ہے، اور ہمارا عشق بھی باین معنی غیر متناہی کہ کسی حد پر قرار نہین۔ بس وہ حال ہے کہ

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی

Marfat.com

تو سمجھے یہ کہ محبوب کا حسن تو آخرت مین بھی غیر متناہی ہوگا، اور ہمارے عشق کو کسی حد پہ قرار ہے نہین تو پھر وہان بھی چین کیسے آئے گا۔

"مین کہتا ہون کہ وہان چین اس طرح آجائے گا، کہ محبوب کا حسن تو غیر متناہی رہے گا مگر تمھارا عشق متناہی ہوجائے گا، یعنی ایک حد پر ٹھہر جائے گا۔ اور جتنا قرب تمھاری استعداد کا مقتضا ہے، وہ میسّر آجائے گا، اس لیے ہر شخص کو میری وآسودگی ہو جائے گی۔ خوب سمجھ لو کہ جنت مین بیچینی ہرگز نہ ہوگی وہان سب کو چین آجائے گا۔ بیچینی یہین تک ہے۔

"بہرحال دنیا مین ہم کو اس لیئے بھیجا گیا ہے کہ اعمال کے ذریعہ ترقی حاصل کرین[1]"

تصوف بے عملی کا نہین کمال عمل کا نام ہے | جس دین کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد اور ترقی کا مدار ہی تمامتر اعمال ہون، بلکہ جس نے ایمان کی روشنی و رہنمائی مین سارے اعمال صالحہ کو عین عبادت قرار دیدیا ہو۔ پھر ان اعمال صالحہ سے نماز روزہ وغیرہ کے عرفی عبادات ہی مراد نہ ہون بلکہ انفرادی واجتماعی زندگی کے سارے معاملات، اخلاق و معاشرت، حکومت وسیاست، جہاد وقتال امن وصلح، تہذیب و تمدن غرض پوری عملی زندگی کے جزئی سے جزئی اعمال اس کے دائرہ مین داخل ہون اور معمولی سے معمولی نشست وبرخاست، اکل وشرب تک کے آداب واحکام اس کی رہنمائی سے محروم نہ ہون اور تصوف نام ہو

[1] المورد الفرشتی ص ۱۲

Marfat.com

اسی دین کے درجۂ کمال کا تو ایسے تصوف کے معنیٰ ایمان کے ساتھ کمال عمل کے سوا ہو ہی کیا سکتے ہین۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اس کمال عمل تصوف کو اس کے غیر محقق معتقدین و منکرین دونون نے مسائل زندگی سے فرار و بیزاری رہبانیت و خانقاہ نشینی باور کر رکھا ہے۔

استخفافِ عمل کی غلطی معتقدین نے تو عشق و محبت، قرب و معیت، وجودیت و عینیت وغیرہ کی فنی اصطلاحات کے معنی بزعم خود خدا جانے کیا کیا قرار دے لیے کہ معاملات و معاشرت اور اخلاق کے دینی احکام و اعمال کا ذکر ہی کیا صوم و صلوم وغیرہ عبادات تک کا ان کے قلب مین استخفاف پیدا ہو گیا پھر بعض بزرگون کے ہان کسی غلبۂ حال یا عذر خاص کی بنا پہ اعمال کے اہتمام مین اگر کچھ کمی دیکھی تو اس حال یا عذر کو تو سمجھے نہین، الٹے حیلہ جو نفس کے فریب مین آکر اس مغلوبیت و معذوری ہی کو عین کمال سمجھ لیا، جس کی نقالی مین دین و دنیا دونون سے مارے گئے۔

دوسری طرف اس طرح کے اپنے پرائے غیر محقق منکرین نے ایسی باتون سے بدگمان ہو کر خود تصوف کو سراپا بے عملی، رہبانیت و خانقاہ نشینی یا صبر و توکل، ترک و تجرد، زہد و قناعت، تحمل و تواضع وغیرہ کو پست ہمتی کی تعلیمات اور بزدلانہ سلبی اخلاق کا مجموعہ سمجھ کر سرے سے انکار کر دیا۔ یا اسلامی تصوف کو بھی جوگیون اور اشراقیون، ہندؤن اور نوفلاطونیون کی طرح، بلکہ انھین سے ماخوذ و مستفاذ نرے گیان و دھیان کا کوئی نظام یا سرّیت (مسٹسزم) کا کوئی فلسفہ قرار دے کر دادِ تحقیق دی۔

Marfat.com

پھر عشق و محبت، قرب و وصال، وجودیت، و شہودیت، عینیت و غیریت کے سے مسائل و مضامین تصوف کی بڑی بڑی کتابون اور بڑے بڑے صوفیہ کے کلام مین اس کثرت و شدت سے داخل و پیوست ہین، کہ ظاہر بین نگاہون مین، احکام و اعمال کے بجائے تصوّف تمامتر نام ان ہی چیزون کا ہو گیا۔ نیز جن گوناگون دقیق و فلسفیانہ عنوانات اور نوبنو رنگین و شاعرانہ تعبیرات سے ان مضامین کو بیان کیا جاتا ہے، وہ اور بھی بظاہر کتاب و سنت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم کی عملی و اتباعی حیات کے برعکس ایک خالص نظری شاعری و فلسفہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کو عملی زندگی سے کوئی سروکار نظر نہین آتا۔

لہذا ان مضامین سے متعلق حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدیدات و تحقیقات کو اوپر جو ذرا شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا، وہ ان تہ بتہ پیدا ہونے والی غلطیون کے ازالہ اور اسلامی تصوف سے ان چیزون کے صحیح تعلق کی فہم کے لیے ازبس ضروری تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عشق و محبت قرب و معیت، وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود، سب دراصل ایک ہی معنون ایک ہی حقیقت یعنی **عبدیت** کی (جو خالص کتاب و سنت کا نچوڑ ہے) تعبیر و تفہیم کے مختلف عنوانات و اسالیب یا فنی اصطلاحات ہین۔ اور تقریب فہم کے لیے نئی نئی تعبیرات و عنوانات یا اصلاحات دینی و دنیوی کس علم و فن مین مناسب وقت و موافق حاجت اختیار اور وضع نہین کر لی جاتی ہین۔

اصل مدعا عبدیت ہے جو عمل و اطاعت کا کمال ہے	ورنہ بڑا منشا و مدعا ان سب عنوانات و اصطلاحات کا عبد و رب کے اسی ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

Marfat.com

والے منصوص تعلق عبادت وعبدیت یا بندگی وسرافگندگی کو واضح کرنا اور عملی زندگی مین اس کو پیوست کرنا ہے۔ تاکہ حق تعالیٰ سے ہمارا وہی تعلق پیدا ہوجائے، جو کسی ہمہ وقت کمربستہ وبے عذر غلام کو اپنے مالک سے ہوتا ہے، نیز ذات وصفات، احاطت ومعیت وقرب واقربیت کی معرفت سے کانک تراہ فان لم تکن تراہ فھو یراک" کا وہ احسانی رنگ پیدا ہوجائے، جو کسی غلام کو اپنے مالک کی عین حضوری وپیشی مین حاصل ہوتا ہے، کہ اس کے چھوٹے بڑے احکام سے سرمو تجاوز نہین کرتا اور یہی عمل واطاعت کا کمال ہے۔

کمال عبدیت کمال تسلیم ورضا کو مستلزم ہے

مالک بھی کیسا جو ہر طرح "کمال وجمال ونوال" کا مالک وجامع ہے، جس کے ساتھ نہ صرف خشک غلامانہ بلکہ عاشقانہ وابستگی بھی لازم ہے۔ اگر عبدیت وبندگی کا یہ تعلق عشق ومحبت کے جذب وشوق سے بالکل خالی اور نرا ملوکانہ ومجبورانہ نوعیت کا ہو، تو بری بھلی طرح احکام کی عملی اطاعت تو ہوگی، لیکن قلبی رضا کا رضا کارانہ علاقہ مفقود ہوگا، اور "ہرچہ دوست می رسد نیکوست" کا مقام تسلیم ورضا نصیب ہوگا۔ بلکہ طبیعت کے ناموافق احکام مین لامحالہ بددلی وشکایت کا خطرہ رہے گا اسی لیے "حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تک حبی وعشقی تعلق کا رنگ کچھ نہ ہو مراقبۂ توحید کی اجازت نہین مرحمت فرمایا کرتے تھے کہ ہر خیر وشر رنج وراحت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے دیکھ کر خلافِ طبع ناقابل تحمل باتون مین شکایت وناشکری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے"۔ کمال عبدیت وبندگی کے ساتھ کمال تسلیم ورضا کا تو یہ عالم ہونا چاہیے کہ

Marfat.com

ناخوشِ تو خوش بود برجان من — دل فدائے یار دل رنجان من
نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

حضرات صحابہؓ کی عملی زندگی مین خدا و رسول کی محبت نے یہی عاشقانہ رنگ تو غالب کر دیا تھا، جس کی بدولت احکام کے سامنے جان ہتھیلی پر لیئے پھرتے تھے۔ نہ تیر سے ڈرتے تھے نہ تلوار سے۔ نہ اہل و عیال کی محبت مزاحم اتباع و اطاعت ہوتی تھی، نہ وطن و دیار کا انس مانع غربت و ہجرت ہوتا تھا۔

عشق و محبت وجودیت و شہودیت سب کا بڑا مقصود وہی **عبدیت** کی عملی زندگی اور اس کے کمال یعنی مقام **احسان و رضا** کا حصول ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کا وجود نظر مین رہ جائے، نہ اس کے احکام کے مقابلہ مین دوسرون سے خوف و رجا کا خیال ہو، نہ اپنے نفع و ضرر کا پاس۔ ہر حال و خیال پر احکام کی اطاعت و فرمانبرداری غالب ہو۔

Marfat.com

سلوک و تربیت

احکام و اعمال کی اطاعت مین لگے رہنا یہی بندگی **عبدیت** یا سرافگندگی ہے جو **اسلام** کے لفظی معنیٰ ہین اور یہی **اسلامی تصوّف** کی روح ہے اور اسی کی **تربیت** حضرت مجدد وقت کا سارا **سلوک** ہے کہ کتاب و سنت کے اتباع اور شریعت کے احکام و اعمال اصول و فروع مین اختیار بھر کوتاہی نہ ہو۔ **تربیۃ السالک** کے ہزارون صفحات اور بے شمار مکتوبات کا محور و مرکز یہی نقطہ ہے۔

لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اعمال سے مقصود **عمل، عمل** کا شور و غل ہرگز نہین جو آج کل مچایا جاتا ہے۔ اور جس سے مراد حیوانی یا طفلانہ و مجنونانہ اور مشرکانہ عمل و حرکت ہے۔ جس طرح بچون کی نظر مین رشد کی مستقل یا نسبتہً "اعلیٰ والبقیٰ" حیات پر نہین ہوتی۔ اور اگر والدین و اولیا کی خیر خواہانہ و دانشمندانہ رہنمائی ان کی دستگیر نہ ہو تو سارا وقت بچپن کے کھیل کود کھانے پینے اور اس کے لئے لڑائی جھگڑے کے **عمل و حرکت** مین گنوا دین۔ یا جس طرح چرند و پرند یا حیوانات کے پیش نظر کوئی جانا بوجھا مستقبل اور بلند تر مقصد زندگی نہین ہوتا۔ بس صبح سے شام تک اندھی جبلیت کے تحت کھانے پینے توالد و تناسل کی دوڑ دھوپ یا باصطلاح حاضر کشمکش حیات و تنازع للبقا کے عمل و حرکت مین فنا رہ کر مرجاتے ہین۔ یا پھر یہ کہ

Marfat.com

کسی کو ڈھیلا مار دیا، کسی کو گالی دیدی، یعنی کوئی معقول مطلب و مدعا کسی عمل و حرکت کا بھی نہ ہوگا، جیسا دیوانون کا حال ہوتا ہے۔

مشرکانہ عمل و حرکت ایک اور اسی قسم کے عمل و حرکت کی ذرا دقیق و مغالطہ آمیز شکل مشرکون کے اعمال و افعال کی ہے، جنھون نے کائنات و انسان کے اصل خالق سے اپنے علم و عمل کا رشتہ توڑ لیا ہے۔ اور مذہب ہی کے نام سے کوئی آتش پرستی کو مذہب بنا کر اس کے افعال و اعمال مین گم ہے۔ کوئی آفتاب پرستی کی دھن مین لگا ہے کسی نے کائنات ہی مین سے شجر و حجر حیوان و انسان جاندار و بے جان مخلوقات کو دیبی دیوتا بنا کر اپنی زندگی و بندگی کا محور بنا رکھا ہے۔ اس سے بھی دقیق تر اور زیادہ پر مغالطہ یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ کے شرک کی وہ جدید ترین و تازہ ترین صورت ہے، جس نے بالکلیہ کفر و انکار و لادینی کی راہ سے زور پکڑا ہے، جس کو معبود حقیقی کی بندگی و فرمانبرداری سے بغاوت و سرکشی کی سزا یہ ملی ہے کہ انسان نے اپنے ہی جیسے انسان کو رب بنا کر اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہین۔ کوئی کسی کی اشتراکیت و اشتمالیت کی دعوت کے پیچھے دیوانہ وار بے تحاشا بھاگا چلا جا رہا ہے! کوئی جمہوریت و عمومیت کے نعرون و جیکارون سے بیہوش ہوا جا رہا ہے کوئی آمریت و قسطائیت کے داعی کی آواز پر جان دے رہا ہے، اس طرح ساری دنیا مین انسان نے خدا سے منھ موڑ کر کسی دکسی انسان ہی کو اپنے سعی و عمل کا محور و مرجع بنا لیا ہے[1]۔ پھر مشرکانہ مزاج و سرشت کا جیسا خاصہ و لازمہ ہے، کہ جہان ایک

---

[1] زیادہ حسرت و غم مسلمانون کے حال پہ ہے، کہ جن کے سپرد ان طوفانون مین انسانی بیڑے کی ناخدائی تھی انھون نے خود اپنے بیڑے کو کہین اتاترک کے حوالہ کر رکھا ہے، کہین جناح و جواہر لال کے ۱۲

Marfat.com

خدا کی خدائی سے قدم باہر نکلا تو پھر چھوٹے بڑے دیبی دیوتاؤن کے آگے بندگیون اور سرافگندگیون کا سلسلہ کسی حد و شمار پہ رک نہین سکتا - یہی زنگ اس جدید لادینی یعنی انسان کو انسان کا رب بنا دینے والے شرک کا ہے کہ چھوٹے بڑے سیکڑون ہزارون خداؤن (لیڈرون، اڈیٹرون پلیڈرون کی) دیوانہ وار بندگی سے چارہ نہین، اور ہر چھوٹا بڑا خدا اپنے ان مخبوط بندون سے جان و مال عزت و آبرو کی بڑی سے بڑی نذر و قربانی، انتہائی درندگی و بے رحمی کے ساتھ وصول کرنے مین دریغ نہین کرتا - کیا پرانے مشرکون کے مشرکانہ مذاہب کے پرانے دیوتاؤن نے بھی اپنے پجاریون سے جان و مال کی اتنی مہیب بھینٹ مانگی اور پائی ہوگی، جتنی جنگ عظیم اور اس سے بڑھ کر جنگ اعظم یعنی نئے مشرکون کے نئے (ماڈرن) دیوتان نے وصول کی - یا جتنی خود ہمارے گھر ہندوستان و پاکستان کے یہ نئے دیوتا ۱۵ اگست کی حریت و آزادی کے بعد مہینون سے روزانہ جنون و دیوانگی و وحشت و درندگی کی انتہائی آزادیون اور شرمناکیون کے ساتھ وصول کر رہے ہین !-

خدا کا دامن چھوٹ جائے تو پھر شیطان انسان کو پاگل ہی بنا چھوڑتا ہے (یتخبطہ الشیطان من المس) گویا انسان ایک فٹ بال ہے، جو حرکت و عمل مین تو مسلسل ہے، لیکن ہر حرکت نام ہے کسی نہ کسی کھلاڑی (لیڈر) کی پاؤن کی ٹھوکر کا - قرآن مجید نے مشرکانہ عمل و حیات کی اس آوارگی و سرگردانی کی ہلاکتون کا اپنی بلیغ ترین تمثیل مین عجیب نقشہ کھینچا ہے کہ توحید کی بلندی سے گر کر مشرک کا حال یہ ہوتا ہے کہ جیسے کوئی آسمان سے گرا ہو، جس کی بوٹیان یا تو راستہ ہی مین مردار خوار پرندون نے نوچ ڈالی ہون یا پھر ہوا نے اس کو

Marfat.com

کسی دور دراز جگہ جا پٹکا ہو[1]۔ آجکل مردار خوار گدھون کی جگہ طرح طرح کے سیاسی واجتماعی معاشی ومعاشرتی داعیون اور ان کی دعوتون (ائیڈیالجیون) نے لے رکھی ہے۔ جن مین سے ہر ایک جسم انسانیت کی بوٹیان نوچ نوچ کر اپنا اپنا پیٹ بھرنا چاہتی ہے۔ یا پھر انسان کو حقیقی وابدی زندگی اور اس کے اسباب حیات وعمل سے اتنا دور جا پٹکا ہے، کہ اب بازگشت عملاً ناممکن ہو رہی ہے اور ابدی ہلاکت سامنے ہے۔

عمل سے مراد عمل صالح ہے بہر حال زندگی اور عمل کی جو تفسیر اب اخبارون اور رسالون کالجون اور یونیورسٹیون مین سنی سنائی اور پڑھی پڑھائی جا رہی ہے، اس کی اس مختصر تشریح کا مدعا نقطہ یہ ہے کہ اسلام یا اسلامی تصوف کی تعلیمات کی رو سے انسان جس **عمل** کے لیئے پیدا کیا گیا ہے، اس سے **عمل عمل** کے شور وغل کی ہلاکت آفرین یہ آوارگی یا سوفسطیانہ سرگردانی قطعاً مقصود نہین۔ اس کے مقابلہ مین تو بدنام **خانقاہی** بے عملی کی موت ہی عین حیات ہے۔ مراد وہ **عمل صالح** ہے، جو غیر یقینی علم کی اس آوارگی وسرگردانی سے نکال کر بلا رنگ ونسل، ملک وقوم کی تفریق یا بلا غنی وفقیر **بورژوا** اور **پولتاری** کی تقسیم کے ساری انسانیت کو اس کے **الٰہ واحد** خالق سموات والارض کے بخشے ہوئے **کلمۂ توحید** اور ایمانی علم ویقین کی یک جہتی حنیفیت سے نصیب ہوتا ہے۔ (وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)

---

[1] من یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفه الطیر او تهوی به الریح فی مکان سحیق - ۱۲

Marfat.com

سمٰوات وارض کے اس خالق وعالم (یعلم ما فی السموات والارض) کے غیر مشکوک ومحیطِ کل علم وہدایت کے قبول کا نام ایمان اور اس ایمان کے مطابق عمل و حرکت کا نام اسلام کی تعلیم وشریعت مین عمل صالح ہے۔

عمل صالح کی تکمیل ہی تصوف ہے لیکن شریعت اسلام جس طرح صرف صوم وصلوٰۃ کے احکام واعمال کا نام نہین، اسی طرح اس کا تصوّف نرے گیان دھیان یا اذکار واشغال ریاضات ومراقبات کا نام نہین۔ وہ نام ہے انفرادی واجتماعی زندگی کے سارے شعبون سے متعلق اعمال واحکام کا۔ اور حضرت جامع المجددین کی تجدیدِ دین کا جس طرح بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ عبادات وریاضات، معاملات ومعاشرات کے سارے شعبون کو جامع وحاوی ہے، اسی طرح حضرت کی تجدید تصوفِ کا ماحصل شریعت ہی کے ان تمام ظاہری وباطنی اعمال واحکام کی حسب ہدایات وارشادات شریعت **اصلاح وتکمیل** ہے البتہ جس طرح شریعت کے ایک شعبہ **فقہ** کو خاص تعلق ظاہر وقالب کے اعمال واحکام سے ہے، اسی طرح شریعت ہی کے ایک دوسرے شعبہ **تصوّف** کو باطن یا قلب کے اعمال واحکام یا اخلاق باطنہ سے خاص تعلق ہے۔ لیکن اعمال باطن کی اصلاح وتکمیل کے لیے اعمال ظاہر کی اصلاح وتکمیل نہ صرف ضروری بلکہ مقدم ہے[1]۔

بہشتی زیور کی بنیادی اہمیت اسی لیے حضرت علیہ الرحمۃ کے تجدیدی واصلاحی نظام تعلیم مین بہشتی زیور وبہشتی گوہر کے فقہی مجموعہ کو بنیادی جگہ حاصل ہے، جس مین نہ صرف دیانات ومعاملات کے ضروری ضروری فقہی مسائل جمع فرمائیے گئے ہین، بلکہ

---

[1] بلکہ وہ اعمال باطن انھین اعمال ظاہر کی اصلاح وتکمیل کا دوسرا نام ہے یا اس کے لوازم سے ہے۔ منہ

Marfat.com

فقہ کی عام و متداول کتابون کے خلاف معاشرات کے بھی ضروری ضروری اصول و مسائل کا اضافہ فرمایا گیا، اور اخلاق و تصوف کو بھی شریک فرما دیا گیا ہے تاکہ شریعت و طریقت کی دوئی یا دوری کی غلط فہمی عملاً دور ہو۔ پھر اسی نہج کی دوسری کتاب **تعلیم الدین** مین دیانات و معاملات و معاشرات کے احکام و مسائل کے اجمال کے ساتھ تصوف کے مسائل کی نسبتہً زیادہ تفصیل فرمائی گئی ہے۔

تعلیم و تربیت سے متعلق حضرت کا سارا تقریری و تحریری سرمایۂ تجدید درحقیقت انھین دو کی تفصیل و تشریح ہے۔ خاص تصوف و سلوک پر **قصد السبیل** کے نام سے جو رسالہ تحریر فرمایا گیا ہے، اور جو خصوصیت کے ساتھ اُن طالبین و سالکین کے لیئے ہے، "جو درویشی کی راہ" یا طریقت کا قصد و ارادہ کرین۔ اس کی تسہیل کے ایک ضمیمہ مین اُن باتون کو بیان فرمایا گیا ہے جن کا سالک کے لیئے کرنا یا نہ کرنا ضروری ہے جس کی ابتدائی دفعات ہی یہ ہین کہ

(۱) بہشتی زیور کے (معہ بہشتی گوہر جس مین خاص مردون کے احکام ہین) گیارہ حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کرکے پڑھنے یا سننے پڑین گے (۲) اپنی سب حالتین بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑین گی (۳) جو کام کرنا ہو اور اس کا جائز و ناجائز ہونا معلوم نہ ہو، کرنے سے پہلے سچے عالمون سے پوچھنا پڑے گا، اور ان کے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا"

جن باتون کا کرنا یا چھوڑنا ضروری ہے، ان مین بھی اس قسم کے اعمال صراحۃً مذکور ہین مثلاً لڑکیون کا حصہ نہ دینا، اہل حکومت و ریاست کا غربا پر ظلم کرنا، جھوٹی نالش کرنا رشوت کی آمدنی کھانا۔ جھوٹ بولنا، تجارت مین دغا کرنا، بدون سخت مجبوری کے

Marfat.com

ناجائز نوکری کرنا یا جائز نوکری مین کام خراب کرنا وغیرہ۔

اس کے علاوہ مکتوبات وغیرہ مین اس کی بکثرت تاکید ملتی ہے۔ کسی صاحب نے صوفیانہ محاورہ مین عرض کیا کہ "کیا آپ براہ کرم میرے لیئے کچھ عنایت نہین فرما سکتے؟ جواب مین ارشاد ہوا کہ

"اس طریق مین دو چیزین ہین **اعمال** اور احوال۔ اعمال مقصود اور اختیاری ہین احوال غیر مقصود اور غیر اختیاری ہین۔ اگر احوال پیدا نہون تو مقصود مین خلل نہین۔ اور کبھی پیدا ہون تو اعمال ہی سے پیدا ہوتے ہین۔ پس ہر حیثیت سے اعمال مین مشغول ہونا ضروری ہے۔"

کیسی الٹی بات ہے کہ عام طور سے لوگ تصوف کا مقصود احوال ہی کو سمجھتے اور انھین کے خواہان رہتے ہین۔ یہ اکثر طالبین کی یہی غلطی ہے کہ احوال کے طالب رہتے ہین۔ اور اعمال کا اہتمام نہین کرتے، لیکن حضرت مجدد کا تجدید فرمودہ خالص اسلامی تصوف خالص عمل ہی عمل ہے یعنی دن رات شریعت کے موافق کام یا اعمال مین لگے رہنا۔ اس لیئے احوال کو تصوف سمجھنے کی غلطی کے ازالہ کے ساتھ ارشاد ہے کہ

"اس کے بعد نمبر عمل کا ہے اور عمل دو قسم کے ہین، ظاہر اور باطن۔ اول فقہ مین مذکور ہین اور بہشتی زیور و بہشتی گوہر اس کے لیئے کافی ہین۔ ثانی کتب سلوک مین مذکور ہین اور رسالہ تبلیغ دین اور میرے مواعظ اس کے لیئے کافی ہین۔"[1]

حقوق عباد کی اہمیت انسانی اعمال کی اگر تحلیل کی جائے، خواہ وہ انفرادی ہون

---

[1] النور بابت صفر ۱۳۴۳ھ صـ ۱۲ ۱۲

Marfat.com

یا اجتماعی سیاسی ہون یا معاشی، تمدنی ہون یا تہذیبی سب کا تعلق بالاخر کسی کسی طرح انسانون کے باہمی حقوق و فرائض یا **حقوق عباد** سے ضرور ہوگا۔ اور دنیا کے سارے فتنے اور فساد بندگانِ خدا کے ان حقوق ہی کی ناشناسی، ان کی عدم ادائی یا ان مین کوتاہی سے پیدا ہوتے ہین۔ ان کی نسبت قصد السبیل کے دوسرے ہی صفحہ پر دوسری ہدایت ملاحظہ ہو کہ

"درویشی مین قدم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سب گناہون سے توبہ کرے ..... اور اگر اس کے ذمہ لوگون کے کچھ حقوق ہون تو ان کو ادا کرنے کی فکر مین لگ جائے۔ یا حق والون سے معاف کرائے۔ کیونکہ بدون اس کے کہ حق والون کے حق سے ہلکا ہو اگر عمر بھر مین محنت و مشقت کریگا ہرگز ہرگز اللہ تک نہ پہونچے گا۔"

نسبت باطنی کی علامت | تصوف مین جس کو نسبت باطنی کہا جاتا ہے، اسی قصد السبیل صفحہ ۲۸ پر اس کی علامت بھی یہ پڑھیے کہ

"علامت نسبت باطن کے حاصل ہونے کی دو ہین ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل مین ایسی جم جائے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے حکمون پر چلنے کی طرف، چاہے وہ احکام ایسے ہون، جن مین اللہ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہین، اور چاہے وہ احکام ہون جن مین بندون کو آپس مین معاملہ کرنے کے طریقہ بتلائے ہین اور چاہے وہ احکام ہون جن مین بات چیت کا طریقہ بتلایا ہے اور چاہے وہ احکام ہون جن مین نشست و برخاست اور تمام کامون کا طریقہ بتلایا ہے، ان سب حکمون کی طرف ایسی رغبت ہو جائے

Marfat.com

اور جس سے منع فرمایا ہے ان باتون سے ایسی نفرت ہو جائے، جیسی کہ ان چیزون کی طرف رغبت ہوتی ہے، جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہین، اور جیسی ان چیزون سے نفرت ہوتی ہے، جو اپنے جی کو بری معلوم ہوتی ہین[1]

اور اس کی سب عادتین مطابق قرآن شریف کے ہو جاوین"

اعمال کے بغیر خدارسی ناممکن ہے یہ ہے اسلام کے تجدیدی و صحیح تصوف کا لب ولباب کہ وہ نام ہے "قرآن شریف کے موافق سارے اعمال مین کمال کا۔ البتہ ان اعمال مین جس طرح فقہ کا خاص موضوع اعمال ظاہرہ ہین۔ تصوف کا خاص موضوع اعمال باطنہ ہین (مگر وہی اعمال ظاہرہ کے تقدم ولزوم کی شرط کے ساتھ) یعنی بغیر ظاہر جوارح کے اعمال کے محض باطن وقلب کے اعمال واحوال مین کوئی شخص "عمر بھی محنت ومشقت کرے گا ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ تک نہ پہونچے گا" ۔ اسلامی تصوف کے معنی مین صوفی ہوگا اس لیئے کہ اسلامی تصوّف کی رو سے

"اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکمون پر پورے طور سے چلنا۔ ان حکمون مین بعضے متعلق ظاہر کے ہین، جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ (عبادات) اور جیسے نکاح و طلاق، ادائے حقوق زوجین وغیرہ (دیانات) جیسے لین دین، دیوری مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیم ترکہ وغیرہ (معاملات) اور جیسے

---

[1] جیسا کہ قرآن پاک کی حسب ذیل آیت کہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنون کے دلون مین ایمان کو محبوب ومزین بنا دیا اور کفر اور اللہ کی نافرمانی اور گناہ کی نفرت پیدا کر دی۔" س"

Marfat.com

سلام و کلام و طعام و قیام و قعود مہمانی و میزبانی وغیرہ (معاشرات) ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہین۔ اور بعضے متعلق باطن کے ہین جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم کرنا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت مین دل کا حاضر رکھنا، دین کے کامون کو اخلاص سے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو **سلوک** کہتے ہین۔

احکام باطن پر بھی عمل فرض ہے پس اور فضل احکام ظاہری کے ان احکام باطن پر عمل کرنا فرض و واجب ہے نیز ان باطنی خرابیون سے اکثر ظاہری اعمال مین خرابی آجاتی ہے۔ جیسے محبت حق کی کمی سے نماز مین سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی۔ یا بخل سے زکوٰۃ و حج کی ہمت نہ ہوئی۔ یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا، حقوق تلف ہوگئے۔ و مثل ذلک۔

"اور اگر ان ظاہری اعمال مین احتیاط کی بھی جاوے، تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہین ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہین چلتی"۔ لہذا نفس و باطن کی اصلاح نہ صرف اعمال باطنہ کے لیے ضروری ہے، بلکہ اعمال ظاہرہ کو کمال و دوام کے ساتھ ادا کرنے کے لیے بھی لازم ہے۔

پیر کی ضرورت "لیکن باطنی خرابیان ذرا سمجھ مین کم آتی ہین، اور جو سمجھ مین آتی ہین ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے، اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکش سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتون سے پیر کامل

Marfat.com

کو تجویز کیا جاتا ہے، کہ وہ ان باتون کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج وتدبیر بھی تبلاتا ہے، اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات مین سہولت اور تدبیرات مین قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اشغال واذکار کی بھی تعلیم کرتا ہے اور ذکر بذات خود بھی عبادت ہے۔

سالک کے دو کام | پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہین ایک ضروری یعنی ظاہری وباطنی احکام شرعیہ کی پابندی اور دوسرا مستحب یعنی کثرت ذکر۔ پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور کثرت ذکر سے زیادت رضا وقرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق ومقصود کا"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تصوف و درویشی کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی ہے، جس کا انحصار ظاہری وباطنی اعمال کی پوری پوری پابندی ہے۔ اور ان اعمال کے دو درجے ہین ایک فرائض وواجبات کا جن کی پابندی ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے، لہٰذا اس درجہ کے تصوف یا درویشی کا حصول بھی لازماً ہر مسلمان پر فرض ہے جس کا نام **ولایت عامہ** ہے۔ دوسرا درجہ "وہی کثرت ذکر یا زیادت رضا وقرب کا ہے۔

"جس مین ظاہر کو نفل عبادتون مین اور باطن یعنی دل کو اللہ کی یاد مین ہمیشہ مشغول رکھے کسی دم غافل نہ ہو۔ یہ درجہ مستحب ہے! اور لوگ اسی کو فقیری کہتے ہین۔

لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ

ناجائز درویشی | " اگر اس دوسرے درجہ مین مشغول ہونے کے

Marfat.com

سب پہلے درجہ کی باتون مین سے کوئی ضروری بات چھوٹ جائے یا اُن مین کسی قسم کا نقصان پڑ جائے، تو پھر اس دوسرے درجہ مین مشغول ہونا منع اور نا جائز ہے۔ جیسے بعض جاہل کرتے ہین کہ بیوی بچون کو چھوڑکر درویشی کا دم بھرتے ہین۔

اسی طرح بہت سے جاہل اذکار واشغال ومراقبات وریاضات با احوال کو درویشی وولایت کا اصل مقصود جانتے ہین۔ یہ نرا جہل ہے۔ مقصود صرف ظاہر وباطن کے اعمال ہین۔ باقی متعارف اذکار واشغال یا ریاضات ومراقبات محض اصلاح اعمال کی تدابیر ہین۔ اور احوال محض ثمرات یعنی ایسے ثمرات، جن کا مرتب ہونا ضروری نہین، نہ ان کا حصول ضروری ومقصود ہے

رسمی بیعت ضروری نہین

پیری ومریدی یا بیعت کو بھی بہتون نے جو درویشی کے لئے لازم یا خالی بیعت ہی کو کافی سمجھ رکھا ہے یہ سراسر جہل ہے۔ پیری ومریدی کی اصلی غرض ظاہری وباطنی اعمال کی اصلاح خصوصًا نفسانی امراض کا علاج ہے۔ اگر پیر ومرید دونون کی جانب سے اصلاح وعلاج کا اہتمام پوری طرح ہو تو نفس رسمی بیعت قطعًا ضروری نہین۔ البتہ جیسے آدمی جسمانی بیماریون مین تا بامکان بہتر سے بہتر حاذق وشفیق معالج وطبیب کو تلاش کرکے اسکی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح باطنی ونفسانی بیماریون کے معالج یا شیخ مین بھی اس کا اہتمام لازم ہے۔ اسی لئے شیخ کامل کی پہچان معلوم کر لینا البتہ ضروری ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

(۱) بقدر ضرورت دین کا علم رکھتا ہو (۲) عقائد واخلاق مین شرع کا پابند ہو (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو کمال کا دعوے

Marfat.com

نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کا ایک شعبہ ہے (۴) کسی شیخ کامل کی صحبت مین چندے رہا ہو۔ (۵) اس زمانہ کے منصف علما و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہون (۶) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم و دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہون (۷) اس سے جو لوگ بیعت ہین ان مین سے اکثر کی حالت باعتبارِ شرع و قلتِ حرص دنیا کے اچھی ہو (۸) وہ شیخ تعلیم و تلقین مین اپنے مریدون کے حال پر شفقت رکھتا ہو۔ اور ان کی بری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کی صحبت مین چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت مین کمی اور حق تعالیٰ کی محبت مین ترقی محسوس ہوتی ہو (۱۰) خود بھی ذاکر و شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم مین برکت نہین ہوتی۔

اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہین یا نہین۔ کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہین۔ اصل مین یہ نفسانی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے۔ غیر حقی بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے۔ اور اس سے چندان نفع بھی نہین۔ کیونکہ اس کا اثر باقی نہین رہتا۔ صرف بعض مرید کے لیئے جو ذکر سے بالکل متاثر نہ ہوتا ہو چند روز تک شیخ کے اس عمل سے اس مین قبول آثارِ ذکر کا یک گونہ تاثر و انفعال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ نہین کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جائے[1]

شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کی تفسیر بھی اس سلسلہ مین کچھ مختصراً سُن لینی

[1] بتوب تربیۃ السالک صفحہ ۱۲

Marfat.com

چاہیئے۔ کسی سائل کے جواب مین ارشاد ہوا کہ

"شریعت نام ہے، احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا، جس مین اعمال ظاہری و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح مین لفظ **فقہ** کو اس کا مرادف سمجھتے تھے۔ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے معرفۃ النفس ما لہا و ما علیہا پھر متاخرین کی اصطلاح مین ظاہری اعمال سے متعلق شریعت کا جو جزو تھا اس کا نام فقہ ہو گیا۔ اور باطنی اعمال سے متعلق دوسرے جزو کا نام **تصوف** ہو گیا[1]۔

ان اعمال باطنی کے طریقون کو **طریقت** کہتے ہین۔ پھر ان اعمال باطنی کی درستی سے قلب مین جو جلا و صفا پیدا ہوتا ہے، اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الٰہیہ صفاتیہ و ذاتیہ بالخصوص معاملات فیما بین اللہ و بین العبد منکشف ہوتے ہین۔ ان مکشوفات کو **حقیقت** کہتے ہین، اور انکشاف کو **معرفت** اور صاحب انکشاف کو **محقق و عارف** کہتے ہین۔

"پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہین۔ اور عوام مین جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف احکام ظاہرہ کے جزو کو کہنے لگے ہین، یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہین۔ اور عوام مین اس کا منشا بھی صحیح نہین کہ

---

[1] لیکن یہ دونون باہم متضاد نہین، بلکہ ثانی اول ہی کی اصلاح و تکمیل کا نام ہے، خاکسار کا ایک شعر ہے جس مین حضرت کے اس تجدید کی تمثیل ہے ؎

اب تو مینوشی ہے عین شرع بہ فتوائے شیخ — اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مینوش ہے

Marfat.com

وہ اعتقاد ہے ظاہر و باطن کی تنافی کا واللہ اعلم [1]

ولایت عامہ و خاصہ | غرض شریعت یا اس کے دونون قسم کے ظاہری و باطنی اعمال کے ہی جمع و اہتمام کا نام تصوف ہے۔ فرائض و واجبات کی حد تک ان دونون کے جمع و اہتمام کو اصطلاح مین **ولایت عامہ** کہتے ہین۔ جس کا حصول ہر مومن پر فرض ہے۔ دوسرا درجہ فرائض و واجبات کے تقدم و لزوم کے ساتھ نوافل و مستحبات خصوصًا ذکر کثیر کے اہتمام کا ہے۔ یعنی "اذکر اللہ ذکرا کثیرًا" اور یذکرون اللہ قیامًا و قعودًا و علی جنوبھم" وغیرہ آیات و احادیث کے مطابق زندگی کے تمام حرکات و سکنات، نشست و برخاست مین اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھیان یا ذکر و استحضار سے خالی و غافل نہ ہو۔ سارے اعمال مین **احسان عبادت** کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ جو کچھ بھی ہم کرین اس طرح کرین گویا اللہ تعالیٰ کو ہم سامنے دیکھ رہے ہین۔ کیونکہ اگر ہم نہ بھی دیکھین تو وہ تو بہرحال ہم کو دیکھ رہے ہین۔ یہ درجہ **ولایت خاصہ** کا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ولایت و بزرگی سے یہی درجہ مراد لیا جاتا ہے۔ **قرب و حضور** وغیرہ بھی اسی کی تعبیرات ہین۔

سالک و مرید نام ہے کمال دین کی اس راہ کے رہ رو و طالب کا اور پیر و شیخ اس راہ کا رہبر ہے۔ سلوک کی حقیقت ان دونون درجون کے ظاہری و باطنی اعمال مین سرگرمی اور ان کی اصلاح و درستی ہے۔ "تصوف کی حقیقت ہے تعمیر الظاہر والباطن ظاہر کا درست کرنا یہ ہے کہ اقوال و افعال سب شریعت کے موافق ہون اور باطن کی درستی یہ کہ قلب کی حالت درست ہو" (الرفیق ص۱۲) مرید اس سرگرمی و

---

[1] بتوب تربیۃ السالک ص۱۱ ۱۲

Marfat.com

عمل اور اصلاح کا ارادہ و عہد کرتا ہے اور پیر اپنے تجربہ و بصیرت سے علماً و عملاً اس کی اعانت و رہنمائی کا وعدہ کرتا، اور ظاہر و باطن کی تمام علمی بیماریون کی دیکھ بھال رکھتا اور حاذق و شفیق طبیب کی طرح ان کا علاج کرتا ہے۔

مریض روح کے مرض کا تعدیہ جس طرح جسم کا مریض ذاتی و جماعتی وظائف حیات کما حقہ بجا نہین لاسکتا، بلکہ اکثر ان کی بجا آوری مین زیادت مرض کا اندیشہ ہوتا، اور مرض کی نوعیت متعدی ہو، تو عملی زندگی مین شریک ہوکر اپنے ہی لیئے نہین ساری جماعت کے لیئے خطرہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح قلب و نفس یا روح کے مریض سے دینی اعمال و فرائض کے حقوق صحیح طور پہ نہین ادا ہوسکتے، بلکہ نفس کے امراض اکثر جسم کے امراض سے بھی زیادہ متعدی ہوتے ہین۔ جن کے تعدیہ و فساد سے انفرادی و اجتماعی سارا نظام ہی مختل ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح بجائے خود کوئی صالح سے صالح غذا بھی بعض امراض مین الٹے مرض کو بڑھاتی ہے، اور معکوس اثر پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح باطنی امراض کی موجودگی مین ظاہری **اعمال صالحہ** بھی بہت سی صورتون مین محض بس ظاہری یا ریائی ہوتے ہین اور بے جان یا نام نہاد دین داری سے الٹے بے دینی بلکہ دین فروشی کے مفاسد و امراض دق کے مریض کی طرح خود مریض کے رہے سہے دین کو بھی گھلا گھلا ختم کر دیتے ہین اور وبا کی طرح جماعت مین پھیل جاتے ہین۔

جسمانی چھوٹی بڑی بیماریون کے لیئے، تو آدمی طبیبون اور ڈاکٹرون کے پاس بھاگا پھرتا ہے۔ گلی گلی ان کے لیئے شفاخانے اور دواخانے کھولے جاتے ہین۔ مرض ذرا سنگین ہو تو مریض کو گھر بار سے دور اسپتال مین رکھا جاتا ہے تاکہ باقاعدہ و بروقت

Marfat.com

دوا و غذا پرہیز و احتیاط کی پوری پابندی و نگرانی ہو سکے۔ متعدی امراض کے مریضون کو خصوصًا جداگانہ سب سے الگ تھلگ دور دراز آبادی سے باہر اسپتالون مین رکھا جاتا ہے جو ان کے اور دوسرے دونون کے لیئے مفید و ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

روحانی و باطنی علاج سے توحش | لیکن کتنی ستم ظریفی ہے کہ نفسانی و روحانی یا باطنی و قلبی بیماریون کے علاج کا نام لیا جائے تو لوگ بھوچکے ہو کر منھ تکنے لگتے ہین! گویا نہ سرے سے یہ بیماریان ہین نہ ان کا علاج ضروری ہے۔ نہ قرآن کی اس آیت "فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا" مین قلوب کی بیماریون کا ذکر ہے، نہ الا من اتی اللہ بقلب سلیم مین قلب کی سلامتی و صحت مامور و طلب ہے، نہ حدیث کی کتابون مین یہ حدیث ہے کہ "جسم مین ایک مضغہ ہے اگر وہ صحیح و درست ہوا تو سارا جسم درست ہے وہ خراب ہوا تو سارا جسم خراب ہوا آگاہ رہو کہ وہ قلب ہے"۔

خانقاہ امراض روحانی کا شفاخانہ ہے | پھر اگر کہین امراض قلب کے کسی خاص اسپتال و شفاخانہ یعنی **خانقاہ** کا نام لے دیا گیا تو دیکھا کہ بہت سے اچھے اچھے ذی علم و مخلص دیندارون کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہین۔ اصلاح قلب و باطن سے اس عام و حالگیر اجنبیت و غفلت کی بدولت یہی نہین کہ دینداروں کا دین بھی ظاہری علم و عمل کے باوجود بے جان و نیم جان رہتا ہے، بلکہ جہل بالائے جہل یہ ہے کہ خود اپنی بیماری و علاج سے بے فکر ہو کر دوسرون بلکہ ساری دنیا کے معالج و مصلح بن جاتے ہین۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسی ہر اصلاح اصلاح سے بڑھ کر طرح طرح کے مفاسد اور گوناگون بے اعتدالیون کا منبع ہو جاتی ہے۔ اور اکثر صورتون مین

Marfat.com

سراپا فتنہ و فساد!

حضرت جامع المجددین کی **تجدید تصوف** مین سب سے زیادہ اہمیت اعمال خصوصًا اعمال قلب کو حاصل ہے، اور سارا سلوک حضرت کا ظاہر و باطن کے اعمال کی پوری جامعیت کے ساتھ تربیت و تہذیب ہے۔ اگر جدید اصطلاح مین کہا جائے، تو اصلاح نفس کے اس فن کو حضرت نے نفسیاتی طور پر اتنا **سائنٹیفک** یا مرتب و منضبط فرما دیا ہے، کہ کسی **سالک** کے لیے راہ مین کوئی پیچ و خم باقی نہین رہ گیا۔ ہر راہ رو بے خطر شاہ راہ پر پڑ کر منزل مقصود کو پا سکتا ہے۔

کلیدی و بنیادی اصول اس فن کے کل تین پین (۱) مقصود و غیر مقصود کی تمیز (۲) اختیاری و غیر اختیاری کی تمیز اور (۳) طبعی و عقلی (یا اعتقادی) کی تمیز۔ **منزل مقصود** صرف **رضائے حق** ہے اور اس کے وصول و حصول کا راستہ ظاہر و باطن یا قلب و قالب کے **اختیاری** اور **عقلی** یعنی شریعت کے تکلیفی اعمال کا اتباع ہے۔ بالعموم لوگون نے اختیاری اعمال کے بجائے غیر اختیاری احوال کو مقصود بنا اور بتا کر اور ان کے حصول کے لیے غیر معمولی مجاہدات و ریاضات کی مشقت مین پڑ اور ڈال کر سیدھے سادھے راستہ کو پیچ در پیچ کر دیا ہے۔ ایسے ہی کسی غیر اختیاری کی فکر سے پریشان حال اور از خود گرفتار مشقت طالب کو تحریر فرمایا کہ

"خود مشقت مین پڑنے کا شوق ہو تو اس کا علاج ہی نہین۔ باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر مین نہ پڑین اختیاری مین ہمت

Marfat.com

سے کام لین اگر کوتاہی ہو جائے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل کی تجدید ہمت سے کام لینے لگین اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھین اور بہت لجاجت کے ساتھ۔"

ماضی و مستقبل کی حسرت و فکر اور کد و کاوش مین بھی اعتدال لازم ہے مثلاً

"اعمال صالحہ کے فوت ہونے کا عوام جس قدر چاہین قلق کرین ان کو مفید ہے۔ لیکن سالکین زیادہ اس کا بھی قلق نہ کرین۔ بلکہ تھوڑی دیر رنج کر لین پھر جی بھر کے توبہ کر لین۔ اور ماضی کی فکر مین نہ پڑین کہ ہائے یہ کام کیون فوت ہوا۔ ہر وقت یہ شغل سالک کو مضر ہے۔ کیونکہ یہ فکر تعلق مع اللہ کی ترقی مین حجاب ہے۔ راز یہ ہے کہ تعلق مع اللہ بڑھتا ہے نشاط قلب سے اور یہ قلق نشاط کو کم کر دیتا ہے[1]۔"

اسی لیے تفصیلی علاج و ریاضت کو اہل تحقیق نے خصوصاً اس زمانہ کے قوٰے و حالات کے لحاظ سے پسند نہین فرمایا کیونکہ اس مین قلب و اخلاق کے ایک ایک مرض کے الگ الگ بالتفصیل معالجہ و ازالہ کی ادھیڑبن مین پڑ جاتا ہے، جس کی بدولت

"ہر وقت تین سو ہان روح تیار رہتے ہین، ماضی کی حسرت[1]، حال کے تبہات[2] اور مستقبل کا خوف[3]۔ جب محققین محدثین فی الطریق نے (ومنہم[2] مرشدی الحاج امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ[3])

---

[1] اشرف السوانح حصہ دوم ص۲۰ ۱۲ [2] اشرف المسائل ص۲۲ ۱۲ [3] ومنہم اشرفہم مرشدی حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ ۱۲

Marfat.com

دیکھا بلکہ حق تعالیٰ نے ان کو دکھلایا کہ اس طریق مین بوجہ تعب شدید اور مشقۂ تربیت کے حصول مین زمان مدید بعض اوقات اس مشہور مصرعہ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ ع

تا تو بمن میرسی من بخدا می رسم

"پھر اہل زمانہ کے قویٰ ضعیف، ہمتین قاصر ان سب امور پر نظر کرکے بالہام حق ایک دوسرا طریق تربیت کا اختیار فرمایا وہ یہ کہ سب ماضی مستقبل حجاب عن الحق ہے۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اپنے مشاہدہ کے لئے پیدا کیا ہے، نہ کہ ماضی و مستقبل کے مطالعہ کے لیئے۔ مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "ماضی و مستقبلت پردہ خداست"[1]

اور اہل زمانہ کی قوتون کے ضعف اور ہمتون کے قصور ہی کی بنا پر۔

"ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب طالبین سے اتنے حالات معلوم کرتے تھے کہ فرصت کتنی ہے، آمدنی کتنی ہے، صحت کیسی ہے، تعلقات کیا کیا ہین۔ قوت کتنی ہے۔ کیونکہ قوت سے زیادہ کام نہین بتانا چاہیئے۔

خستگان را چو طلب بود قوت نبود
گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

تفاوت تربیت کے اعتبار سے چار طبقات

اور ہمارے حضرت حکیم الامت نے تو اپنے نہایت حکیمانہ سائنٹیفک طرز مین لوگون کے حالات و مصروفیات

---

[1] اشرف المسائل ص۴۷ ۱۲ ۵۲ ایضاً ص۲۴ ۱۲

Marfat.com

ضعف وقوت اور قصور ہمت کو ملاحظہ فرماکر تعلیم و تربیت مین حسب حال تفاوت کو ملحوظ رکھنے کے لیئے طالبین و سالکین کو چار طبقات مین تقسیم فرما دیا ہے" (۱) ایک وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچون کے حقوق ادا کرنے سے بے فکر ہے (۲) دوسرا وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچون کے حقوق ادا کرنے کی فکر مین لگا ہوا ہے (۳) تیسرا وہ عالم جو دنیا کے کامون سے خالی ہے (۴) چوتھا وہ عالم جو روزگار کے کام مین لگا ہوا ہے" ان مین سے ہر ایک کا دستور العمل الگ الگ تجویز فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل قصد السبیل مین ملاحظہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ

"قرب کو مقصود سمجھا اور جو طریق اس کے لیئے موضوع ہے یعنی بعد تصحیح عقائد کے اعمال اختیاریہ جس وقت مین جو عمل ہو خواہ ظاہری صلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ خواہ باطنی جیسے خوف و رجا شکر و صبر وغیرہ۔ اور ذکر و فکر کہ وہ بھی عمل کرنے کی قسم سے ہے، اکثر اوقات بس اس مین مشغول رہے اور جو اسباب بعد کے ہین یعنی معصیت ظاہری یا باطنی اس سے مجتنب رہے۔

"نہ اس کی ضرورت کہ اسباب قرب مین ملکہ پیدا کرنے کی فکر کرے، نہ اس کی حاجت کہ اسباب بعد کے مادہ کو منقطع کرے۔ بس امور اختیاریہ جس مین کوتاہی ہو جائے اس کو مضر و مہتم بالشان سمجھے اور اس کی اصلاح کرے۔ باقی امور غیر اختیاریہ کے وجود و عدم پر التفات ہی نہ کرے۔ اصلاح مین بھی زیادہ کد و کاوش نہ کرے۔ مثلاً اگر کسی ضروری عمل مین خلل واقع ہو گیا اس کی قضا کر لے۔ اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا، اس سے

Marfat.com

استغفار کرلے۔ اور پھر اپنے کام مین مشغول ہو جاوے۔ اس کے پیچھے نہ پڑجاوے کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیون فوت ہوا یا یہ کام مجھ سے کیون صادر ہوا۔

"یہ غلو و مبالغہ ہے، جس سے کتاب و سنت نے منع فرمایا ہے (۱) لا تغلوا فی دینکم (۲) من شاق شاق اللہ علیہ (۳) سددوا و قاربوا واستقیموا ولن تحصوا (۴) من غلبہ النوم فلیرقد لا تفریط فی النوم فانما التفریط فی الیقظہ۔ حضرت عارف شیرازی فرماتے ہین۔ ع

سخت گیرد جہان بہ مردمان سخت کوش"[1]

سلوک سنون | غرض وہی کہ اصل مقصود یعنی رضائے حق کا طالب رہے اور ناراضی سے ہارب۔

"جس امر کو رضا مین دخل ہو، جس کا انحصار واجب و مستحب مامورات مین ہے، ان پر عمل رکھے۔ اگر فوت ہو جاوے قضا کرلے۔ اس سے بڑھ کر دین کی کیا آسانی ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج (دین مین کوئی تنگی و دشواری اللہ نے نہین رکھی ہے) اسی طرح جس امر مین حق تعالیٰ کی ناراضی کو دخل ہو، جس کا انحصار منہیات مین ہے، ان سے اجتناب رکھے، اگر صدور ہو جاوے استغفار کرلے۔

---

[1] اشرف المسائل ص ۴۷ و ۴۸ ۱۲

Marfat.com

نہ اپنے کو خواص مین سمجھے کہ عام آدمیون کے احوال سے گھبرا وے۔ نہ ثمرات کا عاجلہ مین اور نہ مراتب عُلیا کا آجلہ مین طالب۔ رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا مین اعمال کی توفیق اور آخرت مین جنت عطا فرماوین اور دوزخ سے نجات بخشین۔ بس ہو گیا سلوک مسنون[1]۔"

اختیاری و غیر اختیاری کا گر | واقعی اگر آدمی اس اختیاری و غیر اختیاری کے گر کو گرہ باندھ لے تو دین ہی نہین کمال دین یا اسلامی تصوف و سلوک بھی کتنا صاف و آسان ہو جاتا اور راستہ کیسی سرعت اور بے فکری کے ساتھ طے ہو سکتا ہے۔ حد اس بے فکری کی یہ ہے کہ قرب و رضا جو عین مطلوب و مقصود ہے، اس کے حصول کی فکر بھی مقصود نہین۔ کیونکہ وہ اختیار مین نہین۔ اختیار مین سعی و طلب یا عمل ہے، اس لیئے بس فکر کی چیز طلب و عمل ہے نہ کہ ثمرات و نتائج یا وصول و حصول[2]

روح سلوک | اہل طریق کے ہان مقرر و مسلم ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہین۔ شرح یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب مین تقاضا نہ رکھے کہ یہ بھی حجاب ہے۔ کیونکہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے۔ اور جمعیت و تفویض ہی شرط

---

[1] اشرف المسائل ص۴۹ ۱۲

[2] حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔ ؎

ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے | پر تجھ کو چاہیئے کہ تگا دو لگی رہے

اور اس طلب و تگ و دو کا ہر قدم منزلِ مقصود ہے، اسی کو خاکسار نے اس شعر مین ادا کرنا چاہا ہے

منزلِ مقصود ہے راہ طلب کا ہر قدم | وہ سرِ منزل ہے جو اب تک رہِ منزل میں ہے "س"

Marfat.com

وصول ہے۔ اس کو خوب راسخ کرلیا جاوے کہ روح سلوک ہے۔

"پورا کامل بجز انبیا کے اور کوئی نہین اور وہ بھی اپنے کو کامل نہین سمجھتے سب کو اپنے نقص نظر آتے ہین، خواہ حقیقی ہون یا اضافی .... لہٰذا کمال کی توقع ہی چھوڑنا واجب ہے ہان سعی کمال کی توقع بلکہ عزم واجب ہے .... اس کی مثال وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہو لیکن فکر صحت اور تدبیر کا ترک جائز نہین سمجھا جاتا۔ اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہین، فکر تکمیل پر موعود ہے" ؎

حاصل آید یا نہ آید آرزوے می کنم　　یابم او را یا نیابم جستجوے می کنم

یہی نہین بلکہ سعی و طلب کا حق ادا کرنے کے بعد بھی اگر کامیابی نہ ہو، تو حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمۃ کے نزدیک انشاء اللہ دُہرا اجر عطا ہوگا۔

"ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر دو شخصون نے کسی نیک کام کرنے کا ارادہ کیا اور کوشش بھی کی، مگر ایک دینی کوشش مین کامیاب ہوا اور دوسرا ناکام رہا تو ثواب دونون کو برابر ملے گا یا کم و بیش۔ مثلاً دو شخصون نے کلام مجید سیکھنا شروع کیا ایک تو اپنی کوشش مین کامیاب ہوگیا یعنی تلاوت پر قادر ہوگیا، اس کے بعد برابر تلاوت کرتا رہا اور دوسرون کو بھی پڑھاتا رہا۔ اور دوسرا بوجہ اپنے ضعف یا مرض یا غباوت وغیرہ کے ناکام رہا، مگر ساری عمر اسی کوشش اور سیکھنے مین گذار دی"۔

"حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ دونون کو ثواب برابر ملے گا، بلکہ عجب نہین ناکام کا اجر جس نے کوشش مین کمی نہین کی کامیاب سے بڑھ جائے"

Marfat.com

چنانچہ حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرء القرآن ویتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران متفق علیہ اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وہان تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے لگاؤ کس کو ہے۔ بس اس کی قدر ہے۔ لہٰذا کام میں لگا رہنا چاہیئے۔ اگرچہ ساری عمر بھی کامیابی نہ ہو (افاضات حصہ ہفتم ص۱۱۱)

احضار قلب کی حقیقت "ان لوگوں سے پوچھو جو عمل کرتے ہیں (کہ ان کو کیسی آسانی اور اطمینان نصیب ہوتا ہے) ان سے نہ پوچھو جو ہر کام کو بدون عمل ہی کے دشوار کہہ دیتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ (حضرت کے استاد) نے ایک بار اس کی یہ حقیقت فرمائی کہ نماز ایک مرکب فعل ہے، جس کے مختلف اجزا ہیں۔ قیام و قعود، رکوع و سجود اور قرأت و اذکار وغیرہ پس احضار قلب یہ ہے کہ نماز کے اعمال و اقوال کو محض یاد سے ادا نہ کرو، بلکہ ارادہ و توجہ سے ادا کرو کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں اور اب رکوع میں جاتا ہوں اب سجدہ کر رہا ہوں۔ ہر ہر فعل اور ہر ہر لفظ پر جدید ارادہ کرو اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا کے اس ارشاد کی تائید ایک حدیث[1] سے بھی ہوتی ہے کہ من صلی رکعتین

---

[1] راقم ہذا کے نزدیک تو خود قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے "حتی تعلموا ما تقولون" کہ زبان سے جو کچھ کہہ رہے ہو (ما تقولون) اس کو علم کے ساتھ یا جان جان کر کہو (حتی تعلموا) حتی کہ بعضوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ معنی و مطلب سمجھ کر پڑھے۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آیندہ)

Marfat.com

مقبلا علیھما بقلبہ اس مین علیھما کی ضمیر کا مرجع رکعتین یعنی صلوٰۃ ہے - حاصل یہ ہوا کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے، اور وہ مرکب ہے تو اس پر توجہ و اقبال وہی ہے، جو مولانا نے فرمایا - یہ تو امر اختیاری ہے، اس کو تو ہمت و عمل سے حاصل کرنا چاہیئے"

"ایک ہے حضور قلب یہ اختیاری یعنی اس کا وہ درجہ اختیاری نہین جس کی عموماً سالکین کو طمع ہوتی ہے، ورنہ حضور کا جو درجہ اخفاء کا مطاوع یا تابع ہے وہ تو اختیاری ہے - اس حضور سے زائد کے لیے صرف دعا کرنا چاہیئے - اسی طرح ذوق و شوق وغیرہ غیر اختیاری ہین، ان کے لیے بھی دعا ہی کرنا چاہیئے - مجاہدہ وغیرہ اس کی تدبیر نہین - جیسا کہ حدیث مین بھی ان کے لیئے صرف دعا آئی ہے - اللھم انی اسئلک شوقا الی لقائک سو مجاہدہ وغیرہ حصولِ شوق کی غرض سے نہ کرو، نہ شیخ سے اس کے حصول کی تدبیر پوچھو، نہ اس سے یہ شکایت کرو کہ ہمارے اندر شوق پیدا نہین ہوا - اس کے لیئے محض دعا کرو[1]"

یہ اختیاری و غیر اختیاری کا مغالطہ اتنا عام ہے کہ اچھے اچھے اس مین تفریق و تمیز نہین کرتے - اس لیئے حضرت علیہ الرحمۃ نے اس راہ سے پیدا ہونے والے مغالطات کو گوناگون عنوانات سے رفع فرمایا ہے - ایک مستقل مکتوب مین ارشاد ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ مطلب ہوتا تو تعقلون وغیرہ کا لفظ زیادہ واضح ہوتا، یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقول (ما تقولون) کا علم ہوتا ہے، اور "مقول" یعنی جو کچھ زبان سے کہا جاتا ہے وہ الفاظ ہی ہین - واللہ اعلم بالصواب ۱۲ اشرف المسائل صفحہ ۹۵-۹۳ ۱۲

Marfat.com

طریق سلوک کے دو خاص موانع

"منجملہ موانع طریق سلوک کے دو امر خاص ہین جن کا وقوع اس قدر کثیر ہے کہ شاید ہی کوئی سالک ان مین مبتلا ہونے سے بچا ہو، بلکہ اہل علم بھی ان مین مبتلا ہین - ایک یہ کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی فکر مین پڑ جاتے ہین، جیسے ذوق و شوق، استغراق و لذت، یکسوئی و رفع خطرات، سوزش و انجذاب اور عشق طبعی وغیرہ ان چیزون کو ذکر و شغل اور مجاہدات کے ثمرات سمجھ جاتے ہین - ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہین، جیسے قبض و ہجوم خطرات اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی و مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب مین رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا یا خوف کا غلبہ وغیرہ کہ ان چیزون کو طریق کے لیے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہین، اور ان کے زائل نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ سے بعد کا موجب سمجھتے ہین۔

اور مشترک ان دونون مین یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ کی تحصیل یا ازالہ کے درپے ہوتے ہین، جن مین متعدد مفاسد ہین - ایک اعتقادی مفسدہ یہ ہے کہ درپردہ اس مین حق تعالیٰ کے ارشاد لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا کی مزاحمت و مقابلہ ہے - کیونکہ قدرت و اختیار کا تعلق ضدین سے ہوتا ہے تو جس چیز کا حاصل کرنا اختیار مین نہین، اس کا زائل کرنا بھی اختیار مین نہین - اور سالک نے جب ان کے حصول و زوال پر مقصود کو موقوف سمجھا - تو گویا یہ اعتقاد رکھا کہ مقصود یا مامور بہ کا وسعت و قدرت مین ہونا شرط نہین، جو لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا کی

Marfat.com

صریح مخالفت ہوئی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔

" دوسرا عملی مفسدہ یہ ہے کہ جب امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے نہ زائل ہوں گے، ناکامی سے روز بروز پریشانی بڑھے گی۔ اس مسلسل پریشانی سے کبھی آدمی بیمار ہو جاتا ہے، جس سے بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہتا ہے۔ دوسرے پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے۔ جس سے دوسروں کو اذیت پہونچتی ہے۔ بعض اوقات غم و فکر کے غلبہ سے اہل و عیال وغیرہ کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے کبھی پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔ کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بیکار سمجھ کر چھوڑ بیٹھتا ہے، اور بطالت و تعطل محض کی نوبت آجاتی ہے۔ کبھی شیخ سے بداعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود اُن ہی کو نہیں معلوم۔ کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش و مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی نہیں ہوتی، خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا۔

" غرض یہ نمونہ ہے ان مفاسد کا جن میں کوئی مضرت بدنی و نفسی ہے کوئی مضرت دینی ہے معصیت یا کفر۔ اس وجہ سے میں نے تمہید کی اول

Marfat.com

مطرین دونون امر (غیر اختیاری کے تحصیل وازالہ) کو طریق سلوک کا مانع کہا ہے۔ اور اہل طریق نے ہر زمانہ مین ان موانع کا معالجہ حسب استعداد طالبین فرمایا ہے۔ ان ہی معالجات مین وہ بھی ہیں جو اس زمانہ کی حالت واستعداد کے موافق وقتاً فوقتاً تربیۃ السالک کا جزو بنتے رہتے ہین[1]۔

جس طرح بہت سے لوگ غیر اختیاری باتون کے پیچھے پڑکر طرح طرح کے مفاسد کا شکار ہوتے ہین، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اختیار اور ہمت وارادہ سے کام نہ لے کر اور غیر محقق پیرون کے ہاتھ مین پڑکر دین ودنیا کے جیسے جیسے مفاسد اور پریشانیون مین مبتلا ہوتے ہین اس کا اندازہ کسی کے درج ذیل خط سے فرمائیے۔

"مین چھ برس سے مختلف قسم کی بیماریون اور پریشانیون مین مبتلا ہون، علاج سے کوئی فائدہ نہین ہوتا بیماریون کا سبب کثرتِ معاصی ہے۔ غلط کاری وگناہ نے میری حالت تباہ کردی۔ خداوند قدوس سے ہدایت چاہتا ہون لیکن نہین ہوتی۔ چھ برس پہلے سلسلہ قادریہ مین مرید ہوا، لیکن پیر کی بدکرداری سے بیزار ہوکر بیعت توڑ دی اس کے بعد خود انھین گناہون مین ملوث ہوگیا۔ اب نماز روزہ کا بھی پابند نہین ایمان صحیح ہے، لیکن عمل سے دور رہون۔ یہ بھی تندرستی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ آپ خداوند عالم سے میرے لیئے دعائے خیر کیجئے یا کوئی تجویز تیار کیجئے تاکہ مصائب سے چھٹکارا ہو۔ مین گناہ کو گناہ سمجھتا ہون۔ توبہ

---

[1] النور صفر ۱۳۵۰ھ ۱۲

Marfat.com

واستغفار پڑھتا ہون، اور چاہتا ہون کہ معاصی سے چھٹکارا ہو، لیکن
کوئی تدبیر کامیاب نہین ہوتی۔"
جواب مین ارشاد ہوا کہ
"ایسی کوئی تجویز تجھ کو کیا کسی کو بھی معلوم نہین کہ افعال اختیاریہ
بدون استعمال اختیار کے صادر ہونے لگین۔ باقی شاید تصرف کے
موثر ہونے کا وسوسہ ہو تو اول تو مجھ کو اس مین کلام ہے، لیکن اگر یہ
کلام مسلم نہ ہو تو یہ واجب التسلیم ہے کہ مین اس کمال سے معرّا ہون۔"
لوگون مین یہ بڑا مرض ہے کہ دنیا کے کامون مین تو خوب جان توڑ کوشش
کرتے ہین، اور **اختیار** بھر کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھتے لیکن دین مین ہمت و اختیار
سے کام لینے کے بجائے نری دعا سے کام نکالنا چاہتے ہین۔
"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب بمبئی تشریف
لے گئے تو ایک سوداگر نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائین کہ خدا تعالےٰ
مجھ کو حج نصیب کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کرون گا کہ
جس دن جہاز چلے اس دن پورا اختیار مجھ کو اپنے نفس پر دیدو کہ
کہ تمھارا ہاتھ پکڑ کر جہاز مین تم کو بٹھلا دون۔ جب تک یہ نہ ہو صرف
میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے، کیونکہ جب تک تم قصد نہ کروگے دنیا
کے کاروبار نہ چھوڑوگے، نہ وہ خود کم ہون گے تو صرف میری دعا حج
کیونکر کرا دے گی، خود کعبہ تو تم تک آنے سے رہا اور جن کو یہ شرف
نصیب ہو چکا گیا، حج کرنے کے لئے اُن کو بھی خود کعبہ ہی مین آنا پڑا۔

Marfat.com

"خیال کیجئے کہ ابو طالب جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہین، اور بہت بڑی محب کہ جس موقع پہ تمام قریش نے مخالفت کی اور دشمن ہوگئے اس موقع پہ ابو طالب نے آپ کا ساتھ دیا اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن سے بہت محبت تھی اور آپ نے بیحد کوشش اُن کے مسلمان ہونے کی فرمائی۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ انھون نے خود ارادہ نہین کیا حضور کی کوشش و محبت کچھ بھی کام نہ آئی۔ اس پہ حضور کو بہت رنج ہوا' یہ آیت نازل ہوئی انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء" (الرفیق ص۵۳)

بس وہی جیسا کہ تسہیل الطریق کے مکتوب مین سارے طریق اور مکمل دستور العمل کو دو سطرون مین فرما دیا کہ

"غیر اختیاری کی فکر مین نہ پڑے۔ اختیاری مین ہمت سے کام لین اگر کوتاہی ہوجائے ماضی کا تدارک استغفار سے کر کے مستقبل مین پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگین۔ اور استحال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھین اور بہت لجاجت کے ساتھ"

کسی مولوی صاحب کے جواب مین "دو ہی جملون مین تمام تصوف کی حقیقت و روح "بیان فرما دی تھی کہ "اس طریق مین افعال مقصود ہین انفعالات مقصود نہین (الافاضات الیومیہ ص۱۰۶)

سبحان اللہ مقصود و غیر مقصود اور اختیاری و غیر اختیاری سب کا عطران دو جملون مین کھینچ گیا!

Marfat.com

ریاضت سے رذائل کا استیصال نہین ہوتا

اسی طرح طبعی امور بھی غیر اختیاری ہین۔ لوگ ان کے استیصال و ازالہ کی فکر مین پڑکر وقت و قوت کو بھی ضایع کرتے اور ناکامی کا ملال و پریشانی مفت خریدتے ہین۔ مثلاً یہ چاہتے ہین مجاہدہ و ریاضت سے بری باتون کا میلان ہی طبیعت سے نیست و نابود ہو جائے۔ اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔ حالانکہ

"ریاضت سے اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہین ہوتا، بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا **ابالہ** ہو جاتا ہے، یعنی ان کا مصرف یا استعمال بدل جاتا ہے مثلاً کسی شخص مین بخل و غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی جڑ نہین جاتی کہ سرے سے غضب و بخل ہی نہ رہے، بلکہ اس طرح اس کی تہذیب ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر مین بخل کرتا تھا اور نیک بندون پر غصہ کرتا تھا۔ اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مبغوضان الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا تو اس طرح (اخلاق ذمیمہ) بعد کے بجائے قرب کے اسباب بن گئے۔ (ھکذا قال مرشدی الحاج امداد اللہ رحمہ اللہ)

"اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہو سکتی ہے یا نہین۔ معلوم ہو گیا کہ تبدیلِ اصول تو نہین ہو سکتی حدیث مین ہے اذا سمعتم برجل زال عن جبلتہ فلا تصدقوہ۔ البتہ آثار و مصارف یا استعمالات بدل سکتے ہین۔ اس لیے مجاہدہ و ریاضت کا حکم ہے[1]"

---

[1] التکشف ص۷۹ ۱۲

Marfat.com

نفس کسی معصیت یا بداخلاقی کا طبعی رجحان وتقاضا جب تک اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو نہ معصیت ہے، نہ بداخلاقی۔ انسان مکلف صرف اس کا ہے کہ

"اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے۔ رہا یہ کہ اقتضاءات زائل ہو جاویں، اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے۔"

البتہ ریاضت ومجاہدہ سے نفس اتنا مہذب وشائستہ ہو جاتا ہے، کہ آسانی سے قابو میں آجاتا ہے۔ جس کی مثال حضرت یہ دیا کرتے ہیں کہ جیسے تربیت یافتہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی کبھی شوخی کرتا ہے، لیکن آسانی سے رام ہو جاتا ہے۔

مگر لوگ بالعموم چاہتے یہی ہیں کہ طبعی ونفسانی اقتضاءات سرے سے فنا ہو جائیں مثلاً ایک طالب نے لکھا کہ میری تمنا ہے کہ شبہے نہ آئیں تحریر فرمایا کہ

"کل کو یہ تمنا کرنا کہ بخار نہ آئے اس سے پہلے یہ تحریر فرما چکے تھے کہ بلا اختیار شبہہ آنا خدا رسول کو سچا سمجھنے کے منافی نہیں (اشرف السوانح صـ۱۲۲ حصہ دوم)

کسی نے امارد کی طرف میلان کی شکایت کی۔ تھے صاحب ہمت اختیاری علاج میں کوتاہی بالکل نہ تھی، جس کی طرف اس قسم کا میلان ہوتا لکھتے ہیں کہ "اس سے بلا ضرورت نہ کلام کرتا ہوں، نہ بالقصد دیکھتا ہوں، اور ضرورت کے وقت بھی حتی الوسع نظر نیچی رکھتا ہوں، اس سے تقاضائے نفس کمزور پڑ جاتا حتی کہ قریب قریب معدوم ہو جاتا ہے۔ مگر اصل مرض جاتا نہیں" یعنی وہی طبعی میلان یا نفسانی تقاضا بالکلیہ فنا نہ ہونے یا مادہ کے عدم استیصال کی شکایت ہے۔ جواب میں ارشاد ہے کہ

Marfat.com

"مادہ کے استیصال کی کوئی تدبیر نہین۔ موسمی بخار کا نسخہ پینے کے بعد کیا پھر آئندہ فصل مین بخار نہ ہوگا۔ وہ کونسی تدبیر ہے کہ صفرا ہی پیدا نہو اور اگر ایسا کیا جائے تو بہت سے منافع جو خلط صفرا سے متعلق ہین قوت ہو جائین گے۔ اسی طرح مادہ شہوانی مین بہت سے منافع ہین"۔ (النور رمضان ۱۳۴۷ھ)

اسی طرح ایک اور طالب نے خواہش نفسانی سے نجات پانے کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کرکے دعا کراتا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جائے"۔

طبعی و عقلی مین فرق نہ کرنے سے بھی سالک کیسی کیسی غلطیون کا شکار ہو جاتے ہین ایک طالب نے لکھا کہ حضور کے ساتھ غلبہ محبت کا آج کل یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دل مین سوائے آپ کی محبت کے اور کوئی محبت نہین ..... اللہ تعالیٰ کی محبت کبھی کم محسوس کرتا ہون۔ جواب مین تحریر فرمایا کہ

"صحیح نہین حق تعالیٰ کی محبت مین شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور ہم جنس کی محبت مین شان طبیعت غالب ہوتی ہے۔ اور سرسری نظر مین محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ امر بالعکس ہے۔ چنانچہ اس محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی قولی یا فعلی معاملہ ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جاوے جس سے ثابت ہوا کہ دراصل حق تعالیٰ ہی کی محبت غالب ہے[1]"

کلام مجید و حدیث سے گریہ و بکا کی فضیلت معلوم ہوتی مگر بعض طبعًا رقیق القلب ہوتے

[1] اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۳۵ ۱۲

Marfat.com

ہین بات بات پہ رونا آتا ہے اور بعضون مین طبعًا رقت قلب نہین ہوتی، لیکن یہ کیسی دقیق بات فرمائی کہ اگر ایسے شخص کو اپنی اس حالت پہ عقلاً تاسف ہو تو وہ بھی دراصل رونا ہی ہے۔

"ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یبکون ویزیدھم خشوعًا جو فرمایا گیا ہے کیا اس سے قصدًا رونا مراد ہے فرمایا کہ اس مین بکا کی صرف فضیلت مذکور ہے، اس کا امر نہین، اس لیے قصدًا رونا مراد نہین۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ جس کو رونا نہین آتا۔ فرمایا اس کو بھی آتا ہے۔ عرض کیا کہان آتا ہے۔ فرمایا رونا نہ آنے پہ افسوس ہونا بھی رونا ہی ہے[1]"

بڑون کی ایک بڑی غلط فہمی حد یہ ہے کہ عمومًا بڑے بڑے لوگ اس کو بڑا مطلوب اور کمال سمجھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ کی یاد مین اتنی محویت و فنائیت پیدا ہو جائے کہ بھولنا بھی چاہین تو نہ بھولین اور غیر اللہ کا سرے سے کبھی کوئی خیال ہی دل مین نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ عام انسانی طبیعت و فطرت کے صرف خلاف ہی نہین، بلکہ حضرت مجدد تھانوی نے کیسی مجددانہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ دراصل **اختیار** کی دولت کے بجائے، جس پر انسان کی ساری انسانی فضیلت و تخلیقی حکمت کا مدار ہے، **اضطرار** کی تمنا کرنا ہے۔

"ایک صاحب نے لکھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب مین ایسا پیوست ہو جائے کہ بھولنے کی کوشش بھی کرون تو نہ بھول سکون اور غیر کا حضور قلب مین ناممکن ہو جائے۔ جواب مین تحریر فرمایا کہ یہ تو مجھ کو

---

[1] الافاضات ص ۲۰۶ ۱۲

Marfat.com

بھی نصیب نہین نہ اس کا جی چاہتا ہے۔ کیونکہ اس صورت مین مختار نہ ہون گا، مضطر ہو جاؤن گا۔"

اس کے بعد انھین صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالہ سے لکھا کہ

"وہ تحریر فرماتے ہین کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے۔ اور گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ ماسوا کو کلی طور پر فراموش کر دئے اور تمام چیزون سے بے خبر ہو جائے حتی کہ کہ اگر تکلف سے بھی چیزون کو یاد کرے تو یاد نہ آئین، حتی کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہو جائے۔ اس معیار پر نظر کرتا ہون تو اپنے کو کورا پاتا ہون۔ الحمد للہ کہ جذر قلب مین تو ماسوا کا گذر نہین، مگر حوالی قلب مین غیر کا حضور بھی ہے اور یاد بھی۔"

اس کے جواب مین تحریر فرمایا کہ

اہل مقام کا غلبۂ حال | "اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے، تو اس وقت مسائل کی تعبیر مین بھی جوش کا اثر ہوتا ہے میرے نزدیک عنوان تیز ہے، مگر مضمون وہی ہے، جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے۔ مین اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہون، جو حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے۔ اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے وہ یہ کہ گرفتاری سے مراد مطلقاً تعلق نہین کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہین۔ بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ جس تعلق کے بعد یاد ذات سے قلب پر ایسا

Marfat.com

اثر ہو کہ اس کے تصور و حسرت مین مشغول ہو جائے اور اس مشغولی سے طاعات مین قلت و ضعف آجائے ۔ اور اگر یہ نوبت نہ پہونچے تو محض حزن کا اثر مانع نہین۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے[1]"

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد و تعلق کے غلبہ یا عدم غفلت کے معنیٰ یہ ہین کہ غیر اللہ کی یاد و تعلقات اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی پیروی اور طاعات کی بجا آوری مین کوئی کمی و کمزوری نہ پیدا کرنے پاوین ۔ وہی کہ جہان تک کہ ہمارے افعال کا تعلق ہے کوئی فعل مرضی حق کے خلاف نہ صادر ہو۔

---

[1] اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۱۵۱ ۱۲

Marfat.com

تربیۃ السالک

مقصود و غیر مقصود، اختیاری و غیر اختیاری، طبعی و عقلی (اعتقادی) افعال و انفعال، نفس کا تقاضا اور اس کے مقتضیٰ پر عمل۔ یہ امور و کلیات اگرچہ بجائے خود دینی زندگی اور خدا طلبی کی بڑی سے بڑی مشکلات کا بے خطا حل ہیں اور راستہ کے بڑے بڑے پہاڑ بھی ان کے ڈائنامیٹ سے اڑ جاتے ہیں۔ تاہم ان اصول و کلیات کا صحیح استعمال اور جزئیات پر ان کا صحیح انطباق ہر کس و ناکس کا کام نہیں اس کے لیے انسانی نفسیات (سائکالوجی) سے غیر معمولی مناسبت۔ نفس بشری کے دقائق و مکائد کی معرفت، تشخیص مرض کی حذاقت، مرض کے متشابہ علامات کی بصیرت اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی اعانت اور ایمانی فراست درکار ہے۔ یہ چیزیں حضرت جامع المجددین میں جس درجۂ کمال پر جمع تھیں اس کو صرف خدا کی دین ہی کہا جا سکتا ہے۔ کسی طور پر نہ اس درجہ کا حصول آسان نظر آتا ہے، نہ نری کتابوں سے کام چلتا ہے۔ یہ کوئی خوش اعتقادی کا دعویٰ نہیں، بلکہ کوئی غیر معتقد بھی بشرطیکہ انسانی نفسیات اور امراض باطنہ کا کچھ مبصر ہو تو حضرت کی طب باطنی کے مطبوعہ مطب (تربیۃ السالک) کے جو ہزاروں صفحات موجود ہیں ان میں سے سو دو سو کے مطالعہ سے بھی خود حضرت کے کمالات باطنی کا معتقد ہوئے بغیر نہ ہو، لیکن امراض باطنی کی تشخیص اور کمالِ معالجہ کا قدم قدم پر معتقد ہونا پڑے گا۔ احقر نے تو ایک مرتبہ جسارت کر کے

Marfat.com

یہ سوال ہی پیش کر دیا تھا کہ "حضرت کے علوم پر بیحد تعجب ہوتا ہے کاش اس مین کچھ کسب کو دخل ہوتا، کتابون مین تو یہ چیزین ملتی نہین" جواب **عارف روم** کی ایک تمثیل مین یون عطا ہوا کہ

وہبی علوم کی مثال "یہ سب آپ کی محبت وحسن وظن ہے۔ اب اس تعجب کی وجہ عرض کرتا ہون۔ وہ یہ ہے کہ ان علوم کے اس نادان کی طرف ظاہراً منسوب ہونے پر نظر گئی، تو تعجب لازم ہے، اور اگر نظر کو آگے بڑھایا جائے تو کچھ صندوق نظر آوین گے جن سے یہ کلام نکلتے ہین، اور ان صندوقون سے اوپر ایک دریا نظر آئے گا تو تعجب رفع ہو جائے گا۔ البتہ انعام الٰہی اس وقت بھی محل شکر ہوگا وہ انعام ان صندوقون کے ساتھ اتصال ہے جس کی مختصر حکایت یہ ہے۔

سینہ را صندوق سرہا کردۂ — وندران مخزون گہرہا کردۂ
ربط داری سینہ را با سینۂ — ربط این آئینہ با آئینۂ
نقش این آئینہ در دیگر پدید — کردی از صنع خود اے رب مجید
آب از جوئے بجوئے می رود — باز یکسو گشتہ در دریا رود[1]

کبھی کبھی اس حقیقت کو یون بھی ظاہر فرمایا کرتے تھے کہ "طالب کی برکت سے حق تعالیٰ عین وقت پر بات دل مین ڈال دیا کرتے ہین، پہلے سے مجھ کو علم نہین ہوتا" طلب ورسد کا عام قانون قدرت بھی اسی کو مقتضی ہے۔ ع۔

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

---

[1] النور شعبان ۵۸ھ ۱۲

Marfat.com

امراض باطنہ کا فنِ طب تاہم دینی و باطنی امراض بھی امراض ظاہری کی طرح بہرحال امراض ہی ہین، اس لیئے جس طرح ظاہری و جسمانی امراض اور ان کے معالجہ کا ایک باقاعدہ اور سائنسی علم و فن مدون ہو سکتا تھا اور ہوا، اسی طرح باطنی و روحانی امراض اور ان کے معالجہ کی بھی ایک حیثیت خالص علم و فن کی ہے جس کو ہر شخص اپنی مناسبت و صلاحیت کے بقدر حاصل کر سکتا ہے، اور جس طرح طبیب یا معالج کا بذات خود بد پرہیز ہونا اس کی فن دانی کے منافی نہین، اسی طرح حضرت علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ (یعنی امراض باطنہ کے طبیب یا مرض دان) کا بذات خود ولی و متقی ہونا لازم نہین، البتہ اس کے بغیر تعلیم و تربیت مین برکت نہین ہوتی۔ جیسے اکثر دیکھا اور سنا کہ حریص و طامع جسمانی اطبا کو بھی باوجود فنی مہارت کے دست شفا نصیب نہین ہوتا۔ تو روحانی معالج کا مخلص و متقی ہونا تو بدرجہ اولیٰ اہم و لازم ہے۔

اس کی تدوین و تجدید غرض جہان تک نفس اس علم و فن کا تعلق ہے، اس کے اصول و مبادی کتاب و سنت اور سلف سے جو کچھ معلوم و منقول چلے آتے تھے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بڑی حد تک ایک فن کی شکل مین مرتب فرمایا۔ لیکن اس مین اب اسی قدر ترمیم و تعدیل کی حاجت تھی جتنی اس زمانہ مین ابن سینا کی طبی تحقیقات مین۔ الحمد للہ کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے ہاتھون تجدید دین کی یہ خدمت بھی بوجہ اتم و اکمل پوری فرمائی گئی۔ یون تو حضرت کی جامعیت کا مقام کچھ ایسا غیر معمولی ہے کہ

نہ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

Marfat.com

حضرت کا خاص کمال لیکن اگر یہ سوال ہو کہ جامعیّتِ کمالات کے باوجود حضرت کا سب سے بڑا اور خاص کمال کیا تھا، تو راقمِ احقر کے علم و فہم میں اس کا جواب **تربیۃ السّالک** ہے۔ اس باب میں حضرت کا موہوب و مکسوب درجۂ کمال بس اہلِ نظر کے دیکھنے اور سمجھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ دین داری و خدا طلبی کے سارے نشیب و فراز نکال کر ایسی صاف و استوار **شاہ راہ** بنا دی ہے کہ ہر شخص بے کھٹکے اس پر چلا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی اس شاہ راہ سے گذرا ہوا خصوصاً حضرت کی دستگیری کے ساتھ گذرا ہوا رفیق دستگیر دستیاب ہو جائے تو کہنا ہی کیا! ورنہ نااہلوں کے ہاتھ میں پڑنے کے بجائے خود حضرت کے مرتب فرمودہ نصابِ دستور العمل پورا کر کے یعنی وہی بقدرِ ضرورت احکامِ دین کے تمام ابواب (دیانات، معاملات اخلاق و معاشرت) کا علم حاصل کر کے جس کو خود حضرت ہی نے بہشتی زیور (مع بہشتی گوہر) اور تعلیم الدین میں پورا فرمایا ہے، اس کے بعد کم سے کم چالیس پچاس حضرت ؒ کے مواعظ اور قصد السبیل کا مطالعہ کرے بلکہ کچھ نہ کچھ برابر مطالعہ کرتا رہے، اور احقر کے تجربہ میں ملفوظات کا بھی کچھ نہ کچھ مطالعہ بیحد نافع ہے (بلکہ جن کو حضرت سے کوئی سابقہ مناسبت و معرفت نہیں حاصل ان کے لیے مقدم ہے)۔ باقی امراض کی تشخیص و معالجہ کے لیے **تربیۃ السالک** کے ہزار دو صفحات کے مطلب کا استقلال و تکرار کے ساتھ برابر مطالعہ میں رکھنا کافی ہے (سب سے بڑا مرتب و مطبوعہ مجموعہ[1] بتوب تربیۃ السالک قریباً تیرہ سو صفحات کا ہے) انشاء اللہ اس سے

---

[1] لیکن یہ مجموعہ صرف تین اجزاء (سنہ ۱۳۳۲ و تا سنہ ۱۳۳۵ھ) کا ہے۔ باب احسن والبدیع ترتیب کے ساتھ کامل مجموعہ کی طباعت و اشاعت کی ضرورت ہے ۱۲

Marfat.com

راستہ کھلتا جائے گا۔ بس چلتے رہنا شرط ہے۔ باقی کوئی محروم چلنا ہی نہ چاہے تو
"چہ سود از رہبر کامل"

نا اہل یا نام کے مشائخ سے تو ہر حال مین دور ہی رہنا لازم ہے لیکن اہیت کے لیئے صرف اتنا معیار کافی ہے کہ احکام کے ضروری علم کے ساتھ اعمال صالحہ کی فکر و اہتمام رکھتا ہو، اور اپنے سے زیادہ اللہ شناس ہو۔ پھر یہ اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ میرے لیئے یہی سب سے بڑا شیخ یا مربی و پیر ہے۔ اس سے رسمی بیعت بھی ضروری نہین، البتہ "اطلاع و اتباع" لازم ہے یعنی اپنے حال و مرض کی شیخ کو برابر اطلاع اور دوا و پرہیز مین اس کا پورا اتباع کرتا رہے۔

ایک اور تنبیہ | اس موقع پر ضروری ہے کہ سعی تو ہو کامل صحت و شفا کی، لیکن نہ اس کے لیئے بے صبری و عجلت ہونا چاہیئے۔ نہ رفتار صحت کی سستی سے مایوسی۔ کیونکہ ظاہری امراض کی طرح باطنی امراض مین بھی صحت و شفا کی مقدار کا مدار بہت کچھ مرض کی نوعیت اور اس کی شدت و مدت پر ہے۔ دق کے تیسرے درجہ کا مریض اگر کسی طبیب کے علاج سے آناہی شفایاب ہو جائے کہ پلنگ پر پڑے پڑے دس بیس سال زندگی کی سانسین اور لیتا رہے، تو معالج کی کمالِ حذاقت اور علاج کی کامیابی مین کیا کلام ہو سکتا ہے۔

یہ خالی مثال نہین بلکہ ظاہری و باطنی گوناگون عویص و شدید، مہلک و مزمن دینی امراض کے راقم السطور مریض کا ذاتی حال و تجربہ ہے کہ اس کی بدحالی و بداعمالی دق کے تیسرے درجہ کے بھی آخری درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ ظاہر و باطن کے دونون پھیپھڑے سڑ چکے تھے (اس مین تواضع و مبالغہ قطعاً نہین) اس لئے اگر وہ

Marfat.com

نام کا ایمان واسلام بھی قبر تک سلامت لے جا سکے، تو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بس حضرت کے تعلق ہی کی لاج رکھ لی! اور آج بھی اپنا سرمایہ "احب الصالحین ولسعت منہم" کے سوا کچھ نہیں، جو کچھ بھی سہارا ہے، وہ "بدان رابہ نیکان ببخشد کریم" کے محض رحم وکرم کا۔ اس لیئے کہا کرتا ہون کہ اگر احقر کے حال سے کوئی حضرت کے کمال مین شک کرے گا، تو بڑا فریب اور بڑی محرومی خریدیگا حتیٰ کہ آخر آخر مین وصال سے چند ماہ قبل (بیعت کا تعلق نہ ہونے کے باوجود) جو اجازت بیعت عطا فرمادی تھی، وہ بھی اب سمجھ مین آرہا ہے کہ دوسرون کی نہین بلکہ دراصل زیادہ تر خود احقر کی **اصلاح** کے لیئے تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے چور کو چوکیدار بنا دیا جائے کہ شاید اس کی **شرم** سے چوری سے باز آجائے۔ مدت تک اس اجازت کے معاملہ مین بڑا خلجان رہا۔ آخر جب خود حضرت ہی کا یہ ارشاد کہین نظر سے گذرا کہ بعض دفعہ **اجازت خود مجاز** کی **اصلاح** کی مصلحت سے دیدی جاتی ہے، تب جاکر حضرت حکیم الامت کی یہ حکمت احقر کے حق مین سمجھ مین آئی۔ واللہ اعلم۔

سب سے جامع وکامل تجدیدی خدمت

خیر یہ تو ایک بڑی غلط فہمی کے ازالہ کے لیئے جملہ معترضہ تھا۔ اصل مین کہنا یہ ہے کہ ظاہری وجسمانی امراض کے باقاعدہ علاج ومعالجہ کی روز افزون اہمیت کے ساتھ باطنی وروحانی امراض کے علاج ومعالجہ، بلکہ ان کو سرے سے امراض سمجھنے مین جس درجہ جہل وغفلت ہے، اس کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ دین اور خصوصاً کمال دین یعنی تصوف وسلوک مین حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی سب سے جامع وکامل تجدیدی خدمت یہی ہے۔

Marfat.com

کہ باطنی طب کو بھی حضرت نے وقت کے مزاج و مذاق کے موافق باقاعدہ مکمل و مدون فن بنا دیا۔ اور صرف نظری طور پر نہیں، بلکہ عملی رہنمائی اور نسخہ نویسی تک کے لیئے ہزارہا صفحات کا مطبوعہ **مطب** اللہ تعالیٰ نے مریضوں اور مایوسوں کے لیئے محفوظ فرما دیا جو اس ہما لمگیر دورِ غفلت میں بالکل غیبی نصرت ہے۔ حد اس غفلت کی یہ ہے کہ **مشائخ** تک نے اس حقیقت کو بھلا دیا ہے کہ ان کی اصل حیثیت امراض قلب کے طبیب کی ہے، اور پیر و مرید کا اصل تعلق معالج و مریض کا ہے۔

شیخ کی حیثیت معالج کی

اور خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قلب و باطن کے امراض کو بھی امراض ہی قرار دینا یہ محض **تجدید** ہی ہے۔ کوئی **تجدد** یا نئی بات قطعاً نہیں۔ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ خود کتاب و سنت قرآن و حدیث کے نصوص میں بھی قلب و باطن کے فسادات کو **امراض** قرار دیا گیا ہے۔ اور تصوف میں تو محققین صوفیہ اور حدیہ ہے کہ حضرت **شیخ** ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ تک نے تحریر فرمایا ہے کہ **شیخ** (پیر) کے لیئے لابدیہ ہے کہ جہاں اس میں دین انبیا کا سا اور سیاست ملوک کی سی ہو وہاں **تدبیر اطبا** کی سی ہو۔ لیکن آج عوام کیا خواص بھی حضرت شیخ ابن عربی کو محض **وحدۃ الوجود** کا امام جانتے اور اسی پر سر دُھنتے ہیں۔ اور ملوکانہ سیاست یا مریدوں کی تادیب و مواخذہ روک ٹوک کو بھی اسی طرح پیر کے فرائض سے خارج (بلکہ بعضوں کے نزدیک سرے سے غیر نافع) سمجھ لیا گیا ہے جس طرح امراض قلب کے طبیبانہ علاج و تدابیر کو۔ یہ بھی حضرت جامع المجددین کا تجدیدی کارنامہ ہے کہ طبیبانہ تدابیر کے ساتھ ملوکانہ سیاست کو بھی از سر نو تعلیم و تربیت کے لیئے حسب ضرورت لازم قرار دیا۔ باقی خود حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی

Marfat.com

اس باب مین حکیمانہ و مدبرانہ تحقیق ہدایت بالفاظہ پڑھنے کے لائق ہے۔ آداب الشیخ والمرید کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس مین ارشاد ہے کہ

"فلابدّ ان یکون عند الشیخ دین الانبیاء وتدبیر الاطباء وسیاسۃ الملوک وحینئذ یقال لہ الاستاد ویجب علی الشیخ ان لایقبل مریدا حتیٰ یختبر"

(یعنی شیخ کے لیئے لازم ہے کہ اس مین دین انبیا کا سا ہو، اور تدبیر اطبا کی سی اور سیاست بادشاہون کی سی، تب کہا جائے گا کہ اب یہ استاد ہے۔ اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک مرید نہ کرے جب تک پہلے اس کا امتحان نہ کرلے)

"اور یواقیت مین ہے۔ عن ابراھیم الدسوقی لو ان الفقیہ اتی العبادۃ والمامورات الشرعیۃ بغیر علۃ کما امرہ اللہ تعالیٰ استغنیٰ عن الشیخ ولکنہ اتی العبادات بعللٍ وامراض فلذاک احتاج الی طبیب یداویہ حتی یحصل لہ الشفاء (یعنی اگر فقیہ کی عبادت اور احکام شریعت کی بجاآوری مین کوئی علت یا بیماری نہ لاحق ہوا کرتی، اور ان کو اسی طرح بجالاتا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے تو وہ بیشک شیخ یا پیر سے بے نیاز ہوسکتا تھا لیکن اس کی عبادات مین گوناگون بیماریان اور امراض پائے جاتے ہین تو لاچار وہ ایسے طبیب کا محتاج ہے جو اس کا

Marfat.com

علاج کرے تاکہ شفا حاصل ہو"

پیر و مرید کی حیثیت طبیب و مریض کی

"ان عبارتون سے معلوم ہوا کہ ان اکابر کا اصل مقصود نفس کی اصلاح اور مامورات شرعیت کا اخلاص کے ساتھ بجالانا اور منہیات سے احتراز کرنا تھا' اور شیخ و مرید مین مریض و طبیب کا سا تعلق تھا۔ اور اصلاح ایک مستقل فن تھا جیسا کہ تدبیر الاطبا سے سمجھ مین آتا ہے۔ اور مشیخت کا دعوے اس وقت سچا تسلیم کیا جاتا تھا جب کہ شیخ علل و امراض اور ان کے معالجات کے طریقون سے بخوبی واقف و ماہر ہو اور مریدکو ان باتون کی تعلیم اور ان پر کاربند کرتا ہو اور بوقت ضرورت سیاست سے بھی کام لیتا ہو' مریدون کو مطلق العنان نہ چھوڑتا ہو۔

لیکن" آہستہ آہستہ ایسا انقلاب ہوا کہ یہ فن قریب قریب مردہ ہوگیا عوام تو کیا خواص بلکہ اخص الخواص جو مسند ارشاد پر متمکن ہوتے ہین' ان مین بھی اکثر اس فن کی حقیقت سے ناواقف ہوگئے ہین جب طبیب ہی بیمار ہو یا اصول فن کے موافق علاج نہ کرتا ہو تو پھر بیمارون کے اچھے ہونے کی کیا صورت۔

"بس مشائخ کے ہان بھی ارشاد و تربیت کا انحصار صرف اذکار و اشغال کی تعلیم مین ہوگیا۔ اپنا فرض انھون نے اسی تعلیم کو سمجھا اور طالبین ان کی پابندی اوران پر جو کیفیات و احوال طاری ہوتے ہین انھین کو وصول الی اللہ سمجھا۔ خواہ باطن اکبر و حسد و ریا وغیرہ

Marfat.com

رذائل واخلاق مذمومہ سے ملوث ہو۔ حالانکہ کیفیات کا حصول
عنداللہ مقبولیت کی دلیل نہیں، کیونکہ یہ خاص تدبیرات سے فاسقون
بلکہ کافرون کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں"

یہ سب اقتباسات بتویب تربیۃ السالک کی تمہید سے ماخوذ ہیں، جو مولانا وصی اللہ صاحب نے تحریر فرمائی ہے اور جن میں اقتباسات بالا کے بعد حرف حرف صحیح تحریر فرمایا گیا کہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ

"طریق مردہ کے احیا کے لئے ہمیشہ انبیا" علما و مجددین کو قائم فرماتے رہے ہیں۔ اسی عادت مستمرہ کے موافق اس زمانہ میں بھی علما ومشائخ کو قائم فرمایا۔ منجملہ ان کے حضرت مجدد الملت محی السنۃ قامع البدعت سیدی و مولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب ظلہ العالی بلاشبہ اس صدی کے مجدد اور غزالی وقت و حکیم الامۃ ہیں۔ آپ کی شان تربیت وارشاد مشائخ متقدمین جیسی ہے۔ تصوف کی مبہم ومجمل حقیقت قرنون کے بعد ایسی صاف اور منقح و مفصل کردی ہے کہ حقیقت کے سمجھنے میں کسی قسم کا خفا باقی نہیں رہا ہے۔

"یون یہ مضامین آپ کی قریب قریب سب کتابون میں ملتے ہیں۔ مگر تربیۃ السالک اس موضوع میں خصوصیت کے ساتھ بے نظیر کتاب ہے، جو فن اصلاح وتربیت کا بیش بہا خزانہ ہے۔ آج تک فن تربیت میں کوئی کتاب ایسی مدون و مرتب نہیں ہوئی، جس میں تربیت کے اصول وفروع مدون ہوں۔ ہر قسم کے حالات جو سالکین کو

Marfat.com

پیش آتے ہین اور ان کے متعلق جو تحقیقات حضرت مدظلہ نے فرمائی ہے
اسی طرح اعمال وحالات کے متعلق سوالات اور جوابات کا اس مین
کافی ذخیرہ ہے، کہ فہیم آدمی کو اس کے مطالعہ سے کافی مناسبت اس
فن سے ہوسکتی ہے، اور فن کی حقیقت خوب منقح ہوسکتی ہے۔ مزید
یہ کہ ہر قسم کے ایسے مسائل وتحقیقات اس مین اتنے موجود ہین، جو
کم وبیش ہر شخص کے حالات پر منطبق ہوجاتے ہین، جس سے اپنے اپنے
حال کے اچھے بُرے ہونے کی کافی اطلاع ہوجاتی ہے "

تربیۃ السالک کی مرید سے زیادہ پیر کو ضرورت

اور راقم احقر کے نزدیک تو طالبین ومریدین سے زیادہ تربیۃ السالک کا ذخیرہ حضرات مشائخ ومرشدین کے حرز جان بنانے کا ہے (بشرطیکہ معاصرت وجماعتی عصبیت حاجب نہ ہو) تو انشاءاللہ نہ صرف وہ ارشاد وہدایت، اصلاح وتربیت کے حقوق کما حقہا ادا فرماسکین گے، بلکہ اعمال واخلاق، ظاہر وباطن کے اعتبار سے مسلمان مسلمان بن جائین گے۔ اس لیے کہ اس گئی گذری حالت مین بھی مسلمانون پر حضرات مشائخ کا کچھ نہ کچھ اثر باقی ہے، جس سے کام لے کر ان کی اور اپنی دونون کی دنیا وآخرت کو سنوارا جاسکتا ہے۔ مگر اب اس مین غفلت وتاخیر کی ایک آن بھی گنجائش نہین، اس لیے کہ حضرات علما ومشائخ کی اپنے اصل فرائض منصبی سے بے پروائی کی بدولت مسلمانون کے ساتھ ان کا رہا سہا تعلق واثر بھی بس رخصت ہی ہو رہا ہے!۔ الا ان یاتی اللہ بامر من عندہ۔

تربیۃ السالک کے اس ذخیرہ سے کچھ معتدبہ افادی واستفادی

Marfat.com

بصیرت حاصل کرنے کے لئے تو ہزار یا نسو صفحون کا مطالعہ کرنا اور یکھ عرصہ تک برابر کرتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ خصوصًا اگر حضرت کے سلسلہ کے کسی اچھے تربیت یافتہ بزرگ کی رہنمائی میسر ہو سکے تو سبحان اللہ، اس لیئے کہ جس طرح خالی جغرافیون، سفرنامون یا کتابی گائڈون (رہنماؤن) سے ظاہری وجسمانی سفر کے سارے تشیب و فراز کی بصیرت ہونا دشوار ہے، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ باطنی و روحانی مسافر کے لئے بلا کسی کا ہاتھ پکڑے ہوئے بے خطر منزل رسی دشوار ہے۔ باقی اس مجموعہ کی نفس افادی و استفادی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لیئے سو دو سو صفحات کا پڑھ لینا بھی انشاء اللہ منصف مزاج کے لیئے کافی ہو گا، اور ایک سرسری اندازہ کے لیئے چند نمونے پیش بھی کئے جاتے ہین۔

ایمان کی سلامتی دین کا سب سے گران اور انمول سرمایہ **ایمان** ہے، لیکن اس دور دجل و فتن کی ساری زندگی سب سے زیادہ ایمان ہی کی دشمن ہے۔ اس کے علوم عقلیہ فلسفیہ سے بڑھ کر اس کی عام تعلیم و تہذیب، سیاست و حکومت تمدن و معیشت، اخلاق و معاشرت غرض ہر ہر چیز دق کے جراثیم کی طرح اندر ہی اندر اور اکثر غیر شعوری طور پر بے خبری ہی مین ایمان کو ضعیف و مضمحل کرتے کرتے بالآخر فنا یا زندہ درگور کر کے رہتی ہے۔ بچے کھچے خالص دینی گھرانے اور خالص دینی تعلیم گاہین تک ان ایمان کش اثرات کی دست برد سے محفوظ نہین۔ اسی طرح کا ایک بالکل دینی گھرانے کا پروردش یافتہ اور دینی تعلیم گاہ کا تعلیم یافتہ فرزند دینی تعلیم سے فارغ ہوتے ہوتے ایمان سے عملاً فارغ ہو چکا تھا۔ کچھ کچھ انھین اثرات کی برکت سے انگریزی پڑھنے کا شوق دامنگیر ہوا،

Marfat.com

اور مغربی عقلیات و فلسفیات کے مطالعہ نے دامن پکڑ لیا پھر کیا تھا، کوڈ اکریلا نیم چڑھا! عملی فراغت تو ایمان سے حاصل ہو ہی چکی تھی، اب دعوائے عقلیت و فلسفیت کے کبر و غرور کے ساتھ علمی وساوس و شکوک نے بھی چھاپہ مارا۔ اور رہے سہے **ایمان** کو خیرباد کہہ کر تشکیک و ارتیابیت یا لا **ادریت** کو کمالِ دانش سمجھ لیا، جو وقت کے عقلائے مغرب کا مقبول عام مذہب تھا۔ بات یہ ہے کہ عقل اگر کچھ بھی بجا ہے تو عقلی علوم (خصوصًا علوم جدیدہ) کی تحقیقات و دلائل کی راہ سے صریح کفر و انکار کی تو گنجائش نکلتی نہیں۔ لیکن دعوائے علم و عقل کا کبر و غرور[1] اپنی کچھ نہ کچھ تشفی چاہتا ہے، اس لیے یہ مدعی عدم دعوے کا دعوے کر کے بھی ارتیابیت و لا ادریت کے مدعی بن جاتے ہیں۔ جو دراصل کفر و انکار کا محض ایک پردہ ہے۔ ورنہ نفسیاتی طور پر انسان کسی امر میں بھی خالص شک و تذبذب کے مقام پر قیام کر ہی نہیں سکتا، ذہنی ترازو کا کانٹا کسی نہ کسی ایک جانب قدرۃً جھکا رہتا ہے۔

آپ بیتی | عبرت کے لیئے عرض ہے کہ یہ سب آپ بیتی ہے۔ البتہ کم ہمتی کہئے یا عالم دین کہلانے کی شرم کہ باطن کے اس ام الامراض کو ظاہر بہت کم کیا جاتا تھا۔ اس حال میں بعض خاندانی حالات (اور اب یہ اعتقاد ہے) کہ دراصل میرے بچے اور بچے والدین کی دعاؤں نے بعض بزرگوں کے قدموں تک پہونچایا اور سب کی نظر توجہ نے اپنا اپنا کام فرمایا۔ لیکن یہاں خصوصیت سے کہنا یہ ہے، کہ

---

[1] راقم ہذا کے تجربہ و تحقیق میں علم و عقل والوں کے ابا و انکار کا اصل منشا کبر و غرور ہی ہوتا ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ ایمان کے مقابلہ میں استقلال کی بنیاد ہی "انی واستکبر" پر ہے ۱۲

Marfat.com

راقم ہذا کا یہ مہلک باطنی مرض دراصل عقل وعقلیت ہی کا پیدا کردہ تھا، جس کا مداوا اس عہد کے حکیم الامۃ ہی کے پاس تھا، بلکہ دین کی ساری تاریخ مین عقل وحکمت اور منطق کا عملاً اور اتنا صحیح استعمال شاید ہی کسی اور نے کیا ہو اور اپنا تو کم وبیش پندرہ سال کا ذاتی تجربہ ہے، کہ گو علوم نقلیہ سے بہت کم مناسبت رہی تاہم نقلیات مین بھی جو شکوک وشبہات اٹھتے تھے وہ بھی زیادہ تر عقلیات ہی کے رنگ واثر کے۔ لیکن حضرت علیہ الرحمۃ کی منطق ان کا مسکت ہی نہین ایسا شافی توڑ فرماتی تھی، کہ جس عمارت کی بنیاد چٹان پر یقین کرتا تھا وہ ریت پر کھڑی نکلتی تھی۔

دولت ایمان کی گم شدگی اس موقع پر آخر زمانہ کی ایک مکاتبت کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہون، جب کہ یکایک عقل نے یہ سوجھایا کہ تو جو یہ سمجھا ہے، کہ ایمان کی گم شدہ دولت تجھ کو ان بزرگون کی صحبت وصدقہ سے ازسرنو واپس مل گئی ہے۔ یہ سراسر خود فریبی ہے۔ اس سراسیمگی مین پہلا عریضہ حضرت کی خدمت مین یہ تھا کہ

"مین تو حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب بالکل ہی ڈوب رہا ہون اور دستگیری کا سخت محتاج ہون۔ کبھی کبھی اپنے ایمان مین تمسک تو ہوتا ہی رہتا تھا، لیکن اب تو بارہا عدم کا یقین ہونے لگتا ہے۔ اور کوئی تاویل بن نہین آتی، خصوصاً ایمان بالآخرت مین کہ کسی وقت بھی آخرت کے عذاب وثواب کی فکر نہین معلوم ہوتی، نہ جنت وجہنم کی ترغیبات وترہیبات کا دل پہ مطلق کوئی اثر محسوس ہوتا ہے۔ پھر آخر یہ کس

Marfat.com

قسم کا ایمان ہے "!

"البتہ ایک بات سمجھ مین نہین آئی تھی کہ پھر احکام یا اوامر و نواہی کا آخر کیون خیال رہتا ہے (اب سمجھ مین آتا ہے)

"کہ طبیعت کی افتاد کچھ ایسی ہی ہے کہ جس بات کو اپنے اوپر عائد کر لیتا ہون اس کے احکام و مقتضیات کو پورا ہی کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ خواہ بے یقینی و بے دلی ہی کے ساتھ ہو۔ مثلاً اگر کسی سے نہ تو ملنے کا جی چاہتا ہو نہ ملنے کا کوئی نفع ہوتا ہم اگر محض مروۃً یا بے سوچے سمجھے محض زبان ہی سے نکل جائے کہ تم سے ملنے آؤن گا تو پھر بغیر پورا کیے چین نہین آتا۔ اور اگر وہ نہین ملتا تو خوشی ہوتی ہے کہ چلو وعدہ بھی پورا ہو گیا اور خلل بھی نہین پڑا۔

"مجھ کو اپنی دینی پابندیان بھی بظاہر کچھ اسی طرح کی معلوم ہوتی ہین کہ لوگون مین دیندار مشہور ہو گیا ہون یا کسی وجہ سے اپنے اوپر دینداری عائد کر لی ہے، لہٰذا اس کی صورت پوری کر دینے کا جی چاہتا ہے۔ دوسرے لفظون مین ایمان و یقین سے خالی ایک منافقانہ دینداری ہے۔ اور اکثر اپنے نفاق کا وہم نہین یقین ہوتا رہتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آخرت کا خیال ایک احتمالِ عقلی کے درجہ مین ہے۔ اور جو کچھ کرتا ہون وہ صرف احتمالِ ضرر کی بنا پر نہ کہ ایقان آخرت کی بنا پر"

سوچیے تو سہی کہ یہ ساری منطق عقل ہی کی تو تھی جس نے ایمان سے بالکلیہ

Marfat.com

محرومی کے ایسے مقدمات و نتائج مرتب کر کے سامنے رکھدیئے کہ بظاہر حضرت کبھی ایسی حالت مین کیا علاج و تدبیر فرما سکتے ہین۔ آگے اس عریضہ مین اتنا اور تھا کہ

"البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہین کرتا ہون[1] اور دل یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح کامل ایمان و اخلاص حاصل ہوتا، اور روزانہ اس کی دعا بھی کرتا رہتا ہون۔ لیکن خواہش و دعا واقعہ تو بہرحال نہین ..... حضرت اپنے ظاہر و باطن دین و دنیا سب کی طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے .... کسی سے اپنا یہ حال کہتے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ حضرت والا تک کی خدمت مین مہینون کے ارادہ کے بعد عرض کر رہا ہون امید ہے کہ دعا اور دوا دونون سے دستگیری فرمائین گے۔"

لکھنے کو دوا و دعا کے لیے لکھ دیا۔ لیکن مایوسی جس طرح اپنے مرض سے تھی اسی طرح حضرت کی مہارت و حذاقت کے باوصف علاج سے بھی کہ آخر حضرت معدوم کو موجود کیسے کر دین گے۔ مگر حضرت کی ایمانی منطق و فراست نے مایوسی کے سارے دروازے بند فرما رکھے تھے۔ جواب آیا تو بالکل خلاف توقع یعنی بجائے کوئی علاج تجویز فرمانے کے سرے سے مرض ہی کو معدوم و موہوم تجویز فرمایا گیا۔ حیرت و مسرت کی حد نہ رہی۔ معلوم ہوا کہ چھنی ہوئی دولت پھر کسی نے لاکر ہاتھ مین رکھدی، بلکہ زیادہ صحیح یہ کہنا ہوگا کہ جس دولت کو مسلوب سمجھ لیا گیا تھا، وہ دراصل صرف

[1] اس عبارت کو زیر خط حضرت نے فرمایا جس کی مصلحت آگے آتی ہے ۱۲

Marfat.com

محجوب تھی۔ ع ؎ یار در خانہ و ما گرد جہان می گردم۔ ارشاد ہوا کہ

اس دولت کی بازیافت

"خط ہی مین جواب موجود ہے، مگر غور نہین فرمایا گیا۔ وہ جواب خط کشیدہ عبارت مین مصرح ہے (یعنی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہین کرتا ہون) کیونکہ کوئی شخص جو (واقعًا) خالی عن الایمان ہو، اس خلو عن الایمان کو ناپسند نہین کرتا، بلکہ اتصاف بالایمان کو ناپسند کرتا ہے" اور متصفین بالایمان سے عداوت رکھتا ہے۔ بس یہ کافی دلیل ہے۔

اس کے بعد ظاہری امراض ہی کی طرح باطنی امراض کے بھی ایک اور اصول پر متنبہ فرمایا کہ طبیب یا معالج پر اعتماد ضروری ہے۔

"اگر اس مین بھی ذہین شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو مریض کو بجائے اپنے فہم پر اعتماد کے طبیب پر اعتماد ضروری ہے۔ سو اگر اس ناکارہ کا یہ درجہ سمجھا جاتا ہے تو میری تشخیص کو صحیح سمجھا جائے یا اور کسی ماہر طبیب کو منتخب کیا جاوے اور اس کی تقلید جامد اختیار کی جاوے"۔

عجیب مثال

فقدان ایمان کا وسوسہ تو بہرحال موجود ہی تھا، اس کا ازالہ کیسی عجیب و دقیق فراست ایمانی اور نفسیات شناسی کی ایک مثال سے فرمایا گیا کہ

"جس کیفیت کے آثار اپنے اندر محسوس ہوتے ہین، وہ خلل دراصل قلب مین نہین ہے، بلکہ باہر کے وساوس ہین کہ ان کا عکس قلب مین نظر آتا ہے جیسے مکھی آئینہ کے اوپر بیٹھی ہوئی ہے اور اندر نظر آتی ہے۔ پس وہ حالت

عذل العواذل حول قلبا لتائه وهوى الاحبة منه فى سودائه

Marfat.com

اس عجیب وغریب مثال سے ایسی تشفی ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آئینہ کے اوپر سے بھی مکھی اڑ گئی۔ مگر "ذہین شیطان" پسپا ہونے پر بھی ابھی مایوس نہین ہوا اور ایک اعتراض یہ جڑ دیا کہ "کسی بات کا پسند یا ناپسند ہونا اس کے حصول یا عدم حصول کی دلیل کیسے ہے۔ مثلاً مین بیماری کو ناپسند کرتا ہون تو کیا بیمار نہین ہون۔ چنانچہ دوسرے ہی عریضہ مین یہ وسوسہ بھی پیش کر دیا اور یہ بھی عرض کیا کہ "اس مین شک نہین کہ میرا شیطان ذہین ضرور معلوم ہوتا ہے" جواب مین ارشاد فرمایا کہ

"آپ کو خائف دیکھ کر ذہین بننے لگا، ورنہ واقع مین انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون وان کید الشیطان کان ضعیفا"

شیطان یورپین ہے | اور کیا خوب فرمایا کہ "وہ (یعنی شیطان) اس خاصیت مین یورپین ہے"۔ سبحان اللہ یہ یورپین شناسی بھی فراست ایمانی ہی کی دولت ہے، جو نہ یورپ گردی سے نصیب ہو سکتی ہے اور نہ وہان کے علوم وفنون کی کتابین چاٹنے سے۔ آگے اس شیطانی کید کا اصل جواب سنئے کہ یہ

"یہ قیاس مع الفارق ہے۔ بیماری اضطراری چیز ہے بلا قصد طاری ہوتی ہے اس لیے ناگوار بھی ہوتی ہے اور ایمان وعدم ایمان دونون اختیاری چیزین ہین۔ اگر کفر کو ناپسند کرے گا تو اس کو اختیار کیون کریگا اور بدون اختیار کئے اس کا تحقق ہی نہ ہو گا"

لہ النور رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ اس سلسلہ کی مکاتبت کا نام حضرت نے اپنے مذاق کے موافق "اقامۃ البرہان علی سلامۃ الایمان" تجویز فرما کر اس کو ایک رسالہ کی صورت مین طبع کرا دیا تھا۔

Marfat.com

شیطان کے مقابلہ مین ارسطو دل کی منطق کام نہین دیتی

اس جواب کو پڑھ کر اپنی حماقت پر شرمایا کہ لاحول ولا قوۃ اتنے عرصہ سے حضرت کا یہ اختیاری و غیر اختیاری کا اصول برابر سُن اور پڑھ رہا ہون۔ پھر بھی اتنی موٹی بات سمجھ مین نہ آئی۔ واقعی شیطان کی منطق بھی کیسی بودی ہوتی ہے، مگر ثابت ہوا کہ اس بودی منطق سے بھی عہدہ برا ہونے کے لیئے ارسطو دل کی منطق پڑھ لینا بالکل کام نہین آتا اور حضرت بالکل سچ فرمایا کرتے تھے ؎

یار باید راہ را تنہا مرد ۔ بے قلا و زاندرین صحرا مرد

ضعف اختیار

خود اس مسئلہ اختیار کی نسبت ایک دفعہ آج کل کے لوگون کے عموماً اور اپنے خصوصاً قلبی و اعصابی ضعف کی بنا پر یہ خلجان و سوال پیدا ہوا کہ ایسے کمزور قلب و اعصاب والون کا کیا اختیار کبھی کمزور نہین ہو جاتا، اور اس لیئے جن امور کو بظاہر اختیاری خیال کیا جاتا ہے، وہ ان کے لیئے سرے سے غیر اختیاری نہین ہو جاتے۔ اس سلسلہ کی مکاتبت کو بھی حضرت نے "رسالہ التخفیف فی الاختیار الضعیف" سے موسوم فرما کر بوادر النوادر[1] مین شامل فرمایا ہے۔ ارسطو کا پہلا تعریف یہ تھا کہ

"حضرت یہ امور اختیاریہ کا جو مسئلہ ہے، اس کی نسبت اکثر ایک وسوسہ یہ ہوا کرتا ہے خصوصاً اپنے حالات پر نظر کر کے کہ کیا جسمانی امراض خاص کہ

---

[1] یہ حضرت کی خاص خاص تحقیقات و تجدیدات کا ایک ہزار سے زائد صفحات کا مجموعہ ہے، جو حضرت کے سلسلۂ تالیفات کی آخری یادگار ہے۔ اور جو بہت سے بڑے ہی نادر علوم اور عجیب و غریب مضامین پر مشتمل ہے ۱۲

Marfat.com

ضعفِ قلب و دماغ اور مسلسل خلاف طبع حالات کے پیش آتے رہنے سے یہ اختیار کبھی ضعیف و مضمحل نہین ہو جاتا۔ اور کیا پھر اس حد تک یہ اختیار امور غیر اختیاریہ مین داخل نہین ہو جاتا ہے۔

"نیز ارادہ و اختیار اور نیت مین کیا فرق سمجھوں۔ مثلاً اگر نماز مین خشوع و خضوع کی ہر وقت نیت رکھتا ہون اور پھر بھی یہ اس درجہ تک کا حاصل نہین ہوتا جس کو حضرت امر اختیاری فرمایا کرتے ہین تو ایسی نیت معتبر ہو گی۔

جواب حضرت نے خلاف معمول بڑا مفصل عطا فرمایا جو **بوادر** کے قریب دو صفحون مین منقول ہے۔ اور طالب و سالک کے لیئے بڑے نافع مضامین پر مشتمل ہے ارشاد ہوا کہ

خشوع کی تحقیق | "خشوع لغۃً مطلق سکون ہے، اور شرعًا سکون جوارح جس کی حقیقت ظاہر ہے، اور سکون قلب، جس کی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع ہے۔ اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر قدرت ہے۔ مثلاً صحیح قوی سوی اس پر قادر ہے کہ نماز مین کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ ہونے دے، وہ اس کا مکلف ہو گا۔ اور جو کسی درد مین مبتلا ہے غلبۂ درد کے وقت اس پر قادر نہین، جب درد اٹھے گا بے چین ہو کر پیچ و تاب کھائے گا، اس لیئے وہ اس درجۂ سکون کا مکلف نہ ہو گا۔ البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ از سر نو اس سکون کا مکلف ہو گا۔

"اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بقدر قدرت ہو گی۔ مثلاً جو شخص

Marfat.com

تشویش کے تمام اسباب سے محفوظ ہو، وہ حرکات فکریہ کے کلی انقطاع پر قادر ہے، اس لیئے وہ اس کا مکلف ہوگا۔ اور جو تشویش کے اسباب مین مبتلا ہو، وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہین، اس لیئے وہ اس درجہ کا مکلف بھی نہ ہوگا۔ البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسر ہوگا یعنی وہ تشویش متخیلہ پر غالب نہ ہو اس وقت مین اس کا مکلف ہوگا۔"

ذہنی و فکری حرکات کے قطع کرنے کی تدبیر

اس اصولی و کلی ارشاد کے بعد خاص طور سے اس کی جزئی تفصیل فرمائی گئی ہے۔ کہ ذہنی یا فکری حرکات کے قطع کرنے کی تدبیر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ طبیعت و تعلیم وغیرہ کے اختلاف کی بنا پر کوئی ایک ہی تدبیر سب کے لیئے کارگر نہین ہو سکتی۔ کس کے لئے کونسی تدبیر کارگر ہوگی اس کی تشخیص کوئی مبصر ہی کر سکتا ہے۔ خود صاحب معاملہ کو ایسی بصیرت شاذ و نادر ہی حاصل ہوتی ہے، اس لیئے ارشاد ہوا کہ

"اگر صاحب معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح حکیم تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے۔ کیونکہ یہ قطع فکر براہ راست حاصل نہین ہوتا بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے قلب کو کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کر دیا جائے، جو وضع صلوٰۃ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ذات حق کی طرف متوجہ ہے اگر اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرلے کہ مین کعبۂ حسنیٰ کی طرف رخ کیئے ہوئے ہون۔ یا نماز مین جو اذکار و قرأت کر رہا ہے اس کی طرف توجہ رکھے کہ مین یہ الفاظ پڑھ رہا ہون یا ان کے معانی کی طرف توجہ رکھے چونکہ نفس ایک آن مین دو طرف متوجہ نہین ہوتا، اس لیئے یہ توجہ دوسرے

Marfat.com

خطرات کے آنے سے مانع ہو جائے گی۔

"لیکن ہر شخص کی استعداد جدا ہے کسی کے لیئے ایک تصور نافع ہے، دوسرے کے لیئے دوسرا۔ بعض اوقات صاحب معاملہ عدم بصیرت وعدم تجربہ کی وجہ سے جس طریق کو اختیار کرتا ہے وہ اس کی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا، اس لیئے بار بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اس غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خشوع اختیاری فعل نہیں، اور اس کا اہتمام بالکل چھوڑ بیٹھتا اور اس کی برکت سے محروم رہتا ہے۔

"دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ تعین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے، اس میں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے، اور اس کا متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال سرے سے نہ آنے پائے، اور اس کے لیئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتیٰ کہ نوبت کلال وملال کی آتی ہے جس کا نتیجہ وہی یاس۔ اس لیئے کاوش کا ترک کرنا ضروری ہے۔ بس سرسری ومعتدل توجہ کافی ہے۔ اگر اس توجہ کے ساتھ دوسرا کوئی خطرہ آجاوے وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضر نہ ہوگا۔"

اس کی مثال کیسی عجیب وشافی اور حکیمانہ ونفسیاتی دی کہ "جیسے کسی خاص لفظ پر قصداً نظر کی جاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعین بلا قصد دوسرے کلمات پر بھی پہنچ جاتی ہیں، مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی۔" لیکن جب تک بصیرت وتجربہ نہ ہو خانی اصول وکلیات سے کام چلتا نہیں۔ مثلاً خود احقر ہی کو نماز میں حضور وتوجہ پیدا کرنے کا سب سے قدرتی سہل وبہتر طریقہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس جو کچھ پڑھا جائے

Marfat.com

اس کے معانی و مطالب کو سمجھ سمجھ کر پڑھا جائے۔ حضرت مولانا محمد حسین صاحب حیدر آبادی فرمایا کرتے تھے کہ کچھ نہیں، تو ساری نمازیں جس وقت اھدنا الصراط المستقیم زبان سے نکلے تو اسی کے معنی پر توجہ ہو جایا کرے۔ کوشش کے باوجود اس میں بھی بہت کم کامیابی نصیب ہوتی تھی۔ آخر حضرت علیہ الرحمۃ ہی کی خدمت میں مکاتبت بالا کے سلسلہ کے دوسرے عریضہ میں عرض کیا کہ

"میں بطور خود تو نماز میں جو کچھ پڑھتا ہوں اس کے معنی پر متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر اس میں کامیابی اتنی کم ہوتی ہے کہ چاہتا ہوں کہ کم از کم جس وقت اھدنا الصراط المستقیم زبان سے ادا ہوتا ہے، اس کے معنیٰ پر توجہ ہو، مگر اکثر اتنا بھی نہیں ہوتا.... بہرحال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں۔ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے، اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں"

یہ تفصیل و تحقیق قابل ملاحظہ ہے۔ نفسیاتِ توجہ پر کتابیں پڑھنے اور لکھنے والے بھی ملاحظہ فرمائیں تحریر فرمایا کہ

"اس سوال سے اس لیئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرنے کی اور جو شخص کام کرے گا اس کو یہ سوال پیش آئے گا ... اور خط سابق لکھتے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال کیا جاوے اور کیا جانے کی امید یہی تھی۔ اب جواب عرض کرتا ہوں۔

"اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک مع الخوض اگرچہ اشیاء مختلفہ کی طرف ہو، دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ

Marfat.com

بلا خوض ہو۔ اب جس شخص کو آیات واذکار کے معانی بلا خوض کے ذہن مین آجاتے ہون، وہان نہ خوض ہے، نہ جس چیز مین فکر سے کام لیا جارہا ہے، وہ شے واحد ہے، اس لیئے توجہ کی کوئی قسم نہ پائی گئی، بس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی۔ بخلاف اس شخص کے جس کو سوچنے سے معنی یاد آئے۔ اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی، اس لیئے آپ کو اس تدبیر مین کامیابی نہین ہوتی کیونکر آپ کو خوض کی حاجت نہین ہوتی۔

"پس ایسے شخص کے لیئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی شے واحد کی طرف خواہ وہ شے واحد کچھ ہو ذات حق ہو، یا رویت حق للعبد یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور۔ اور جس توجہ الی الحق کی تفصیل آپ نے دریافت فرمائی ہے، وہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کا اجمالاً تصور رکھے، جس طریق سے بھی بے تکلف ذہن مین آجاوے، زیادہ کاوش کی حاجت نہین، یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہین۔

شے واحد کی طرف توجہ کا خاص طریقہ

آگے اس شے واحد یا کسی ایک ہی چیز کی طرف توجہ کا وہ خاص طریقہ تحریر فرمایا ہے جو حضرت کا خود تجویز فرمودہ تھا، جسکی نسبت ارشاد ہے کہ۔

"توجہ الی الشی الواحد کا ایک طریق مین نے تجویز کیا ہے جو غائت درجہ سہل بھی ہے اور بیحد نافع بھی ثابت ہوا وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات صلوۃ وتلاوت واذکار بلکہ مباح افعال مین بھی اس کا تصور رکھے

Marfat.com

کہ یہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس مین پیش ہون گے، تو ان مین کوئی ایسا اختیاری فعل نہ ہو کہ پیشی کے قابل نہ ہو۔ بس اتنا ہی تصور کافی ہے، ابتداءً تو استحضار ضعیف ہوگا مگر ممارست کے بعد اس مین دوام پیدا ہو جاوے گا۔

طالب کی شیخ سے مناسبت کا نفع

حضرت کے ہان بیعت اور انتخاب شیخ کے متعلق ایک بڑی نافع شرط یہ تھی کہ مرید یا طالب کو مرشد یا شیخ سے مناسبت ہو۔ اس اعتبار سے اس تجویز کی نسبت ارشاد فرمایا کہ

"چونکہ یہ مجھ کو نافع ہوا اور کئی موقعون پہ آپ کی طبیعت کا تناسب اپنی طبیعت کے ساتھ مشاہدہ کر چکا ہون۔ امید ہے کہ آپ کے لیے بھی انشاء اللہ نافع ہوگا۔ اور اس مبحث کے متعلق جو تنبیہات رقیمۂ سابقہ مین عرض کر چکا ہون، وہ سب اس مین ملحوظ رہین واللہ الموفق امید ہے کہ سب اجزاء سوال پہ بقدر ضرورت کلام ہو چکا ہے۔ اگر کچھ رہ گیا ہو تو پھر متنبہ فرما دیا جاوے فقط۔"[1]

"کار پاکان را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر۔ گو حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ یہ تناسب طبیعت "محض شیر" اور "شیر" کے تناسب سے زیادہ نہ تھا تاہم حضرت کی غیر معمولی بصیرت و فراست اور توجہ و شفقت کی برکت سے اس کا بھی یہ اثر تھا کہ اپنے دینی و دنیوی مشکلات اور باطنی امراض مین سے جس کے لیے بھی جو حل یا علاج تجویز فرما دیتے بالکل تیر بہدف ہوتا۔ ایک عریضہ مین عرض کیا تھا

[1] بوادر النوادر ص۹۵۰ و ص۹۵۲ ۱۲

کہ" حضرت کے ارشادات تو الحمدللہ میرے لیے ہمیشہ اور ہر معاملہ مین اکسیر ہی ثابت ہوتے ہین" یہ اور بات ہے کہ دوا و پرہیز کا حق پورا ادا کرنے سے قاصر رہتا یا بعت سے امراض ایسے مزمن و مہلک درجہ تک پہنچ چکے تھے کہ ہلاکت سے بچ جانا ہی حضرت کی مسیحائی تھی۔ حضرت کے محب و محبوب حضرت **مجذوب** (خواجہ عزیزالحسن رحمۃ اللہ علیہ) نے خوب ہی فرمایا ہے کہ ؎

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہون
حقیقت اس کو تو کر دے مین صورت لے کے آیا ہون

مقبولین و محبوبین کے ساتھ صوری مناسبت و شباہت بھی انشاء اللہ جاذب رحمت و حیلۂ مغفرت ہو گی۔

خالی کتاب سے کام نہین چلتا اگرچہ کامل طور پہ کارگر یا تیر بہدف تجویز و تشخیص تو کسی شیخ کامل یا طبیب حاذق ہی کی ہو سکتی ہے، اور محض اصول و کلیات جان لینے سے یا کتابین پڑھ لینے سے کام نہین چل سکتا۔ سب سے بڑا اور بظاہر سب سے آسان اصول اختیاری و غیر اختیاری کا ہے۔ حتیٰ کہ بعضون کو شبہ ہو گیا کہ جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو شیخ کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت جو امر اختیاری ہے، اس کو "اپنے اختیار سے توکلاً علی اللہ ہمت کر کے ترک کر دون گا۔ اور اگر غیر اختیاری ہے (مثلاً وساوس وغیرہ) تو اس کا مواخذہ نہین" اس کے جواب مین ارشاد ہوا کہ

"اگر کوئی شخص کے کہ بھی کتابون مین تمام اغذیہ و ادویہ کے منافع و مضار مصرفہ مذکور ہین، جن کا مطالعہ کر کے ہر شخص مرض لاحق ہونے سے قبل کامل احتیاط کر سکتا ہے، اور جو کسی اتفاق سے مرض لاحق ہو جاوے

Marfat.com

تو طبی کتابون مین ہر مرض کی علامات دیکھ کر مرض کی تشخیص اور تدبیرات دیکھ کر مرض کا علاج کر سکتا ہے، پھر طبیب کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ سو اس سوال کا جو جواب ہوگا اس ہی سے (امراض نفسانی و باطنی کے) اس سوال کا بھی حل ہو جائے گا۔

خود اپنا سالہا سال کا تجربہ و تاثر تو احقر نے ایک عریضہ مین یہ عرض کیا تھا کہ

"سالہا سال سے حضرت والا کے قدمون سے تعلق کی سعادت حاصل ہے، اور پھر ملفوظات و تجویت وغیرہ پڑھتا رہتا ہون اور خود بھی اپنے امراض و احوال وغیرہ عرض کرتا رہتا ہون پھر بھی حضرت کے ہر جواب مین تازہ علم اور تازہ اثر پاتا ہون، اور اب تو یہ اعتقاد ہو گیا ہے کہ اگر حضرت کی ساری تصانیف حفظ کر ڈالون تب بھی حضرت کی ذات اور اس کی برکات سے استغنا نہین ہو سکتا۔"

غرض کوشش تو اس کی ہونی چاہیے کہ ظاہری بیماریون کی طرح باطنی بیماریون کی تشخیص و علاج مین بھی کسی تجربہ کار و ماہر طبیب ہی کو مرجع بنا لے، جس کا تجربہ و مہارت کم از کم خود مریض سے زیادہ ہو۔ اور اپنے سے اس کو کامل سمجھ کر اعتماد کرے۔ لیکن اگر اتنا بھی کسی پر اطمینان نہ ہو تو پھر حضرت ہی کے مطب تربیۃ السالک کو مسلسل مطالعہ مین رکھے، جس مین ایک ہی مرض کی مختلف و متعدد تدابیر ملین گی ان مین سے اگر ایک سے نفع نہ ہو تو دوسری تیسری وغیرہ سے کام لے انشاء اللہ کوئی نہ کوئی ضرور کارگر ہو گی۔ مثلاً یہی نماز مین خشوع یا حضور قلب کے لیے اس مطب مین مختلف تجاویز ملین گی۔

Marfat.com

نمازمین حضورِ قلب کی عام تدابیر سب سے ادنیٰ اور عام یہ کہ جو کچھ نماز مین پڑھے اس کے ایک ایک لفظ کو علم و ارادہ کے ساتھ جان جان کر ادا کرے کہ اب "الحمد" کہہ رہا ہون اب "للہ" کہہ رہا ہون اب "رب العالمین" کہہ رہا ہون، اسی طرح رکوع و سجود قیام و قعود وغیرہ تمام جسمانی ارکان بھی جان جان کر ادا ہون کہ اب رکوع مین ہون، اب سجدہ مین ہون۔ دوسرا درجہ یا طریقہ یہ ہے کہ معانی سمجھ سمجھ کر پڑھے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مختلف آیات و اذکار، ارکان و حرکات کی طرف توجہ کرنے کے بجائے کسی شے واحد کی طرف متوجہ رہے۔ خواہ وہ شے واحد ذات حق ہو یا رویت حق یا نظر الی اللہ یا کچھ اور ان مین سے انشاء اللہ کوئی نہ کوئی ضرور نافع ہوگا۔

ایک اور تجربہ راقم احقر کے تجربہ مین بعضون کے لیئے ایک نافع صورت یہ بھی ہے کہ ان سب یا کئی مختلف طریقون سے کام لے۔ یعنی کبھی الفاظ پر توجہ رہے۔ کبھی معنی پر کبھی رویت حق پر وقس علی ہذا۔ تربیۃ السالک وغیرہ مین تو کہین اس صورت کی تصریح نہین ملی، نہ حضرت کی حیات مین اس کا خیال آیا کہ خود عرض کرتا۔ البتہ ایک دفعہ کسی عریضہ مین ضمناً زبانی عرض کیا تھا کہ کامل یکسوئی یا کسی ایک شے پر مسلسل توجہ میسر نہین ہوتی، تو فرمایا تھا کہ "نہ ہوتی ہے نہ ہوگی"۔ اور فرمایا تھا کہ "ذہین آدمی کی حرکت فکریہ بالکلیہ منقطع نہین ہوسکتی ہے" اور احقر کے نزدیک ایک ہی شے پر بھی زیادہ دیر تک ٹھہر نہین سکتی۔ نیز ملال و کلال بھی اس کے باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگون کے لیئے ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کبھی الفاظ پر توجہ ہے، کبھی معانی پر کبھی ذات حق پر کبھی رویت حق پر کبھی یہ کہ کعبہ سامنے ہے، کبھی یہ مقام ابراہیم مین کھڑا نماز پڑھ رہا ہون۔

نماز مین کسی دوسری طاعات پر توجہ چونکہ اختیار بھر نماز مین خشوع و حضورِ قلب مامور

Marfat.com

و مقصود ہے، اس لیئے اس کی کسی قدر تفصیل مناسب محل تھی۔ ایک اور دقیق سوال اس باب مین یہ ہے کہ دورانِ نماز مین ایسی چیزون کی طرف توجہ کا کیا حکم ہوگا جو اگرچہ بجائے خود طاعت ہین، لیکن نماز کے اجزا و ارکان سے بہرحال خارج ہین

ایک دفعہ حضرت کی خدمت مین ایک طویل عریضہ قریبًا چار صفحے کا تحریر کیا، جس مین زیادہ تر خانگی پریشانیون کی تفصیل تھی۔ جواب بھی دو صفحے سے زائد مین مرحمت ہوا۔ یہان صرف ابتدا کی چند سطرین جو مقصود سے متعلق ہین منقول ہین۔

"جس ڈاک مین آپ کا خط تھا مجھ کو آج صبح دس بجے ملی سطحی نظر سے تو اسی وقت دیکھ لیا تھا مگر تفصیلی مطالعہ کے لیئے فرصت کا منتظر رہا، جو ڈاک پوری کرکے بارہ بجے میسر ہوئی۔ اس وقت سے عصر کے وقت تک جواب سوچتا رہا اور مختلف مسودات مین محو و اثبات کا سلسلہ جاری رہا۔ گو وہ سب تدبیرات بجائے خود نافع تھین اور نافع ہونا ان کا یہی ہے کہ مقلّ غم ہین مزیلِ غم نہین۔ مگر بدرجۂ کفایت اس خاصیت کے مرتب ہونے مین کسی تدبیر پہ شرح صدر نہ ہوتا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور عین اقامتِ عصر کے وقت بے ساختہ قلب پر یہ دو شعر وارد ہوئے ؎

چندان کہ گفتیم غم با طبیبان — درمان نہ کردند مسکین غریبان
ما حال دل با یار گفتیم — نتوان نہفتن درد از طبیبان

اس مکتوب مبارک کا بھی یہ لقب تجویز فرما دیا گیا تھا "سلوۃ الکئیب بصحبۃ الحبیب" اور اسی لقب سے النور[1] مین شایع ہوا تھا۔ اب اس کو پڑھ کر دل

---

[1] ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ صفحہ ۴۷ ۱۲

Marfat.com

پھر آیا کہ اللہ اکبر حضرت کو اپنے اس ادنیٰ سے ادنیٰ اور نالائق سے نالائق کفش بردار کے حال پر بھی کتنی شفقت تھی اور "عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم" کی شان کا کتنا عظیم الشان پرتو تھا۔ اسی طرح کے ایک اور عریضہ کے جواب مین تحریر فرمایا تھا کہ "خط کیا ہے دل کو گھائل کرنے کو نشتر ہے" ایک اور ایسی ہی خانگی پریشانیون کے عریضہ کے جواب مین یہانتک تحریر فرمایا کہ "سفر سے معذور نہ ہوتا تو خود آجاتا"

خیر یہ تو حضرت کا سراپا شفقت مکتوب اس وقت پڑھ کر قلب کی جو کیفیت ہوئی وہ اضطرارًا قلم سے بھی ٹپک پڑی۔ کہنا اصل مین دو باتین ہین ایک تو یہ کہ جب حضرت جیسے مبصر و حاذق کو بھی بعض امراض یا مریضون کے متعلق اتنا غور فرمانا پڑتا تھا تو "بدیگران چہ رسد" یا ایسی حالت مین صرف کتابون یا اصول و کلیات کے یاد کرنے سے آدمی خود اپنا علاج کہان تک کر سکتا ہے۔ حالانکہ حضرت کی بصیرت و حذاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک دن مین تیس تیس چالیس چالیس خطوط کے جواب تحریر فرما دیتے تھے۔ اور پھر جیسا کہ مکتوب بالا ہی سے معلوم ہو گیا کہ یہ جوابات بلا "کامل شرح صدر" محض قیاس یا اٹکل سے نہین تحریر فرمائے جاتے تھے۔

دوسری اصل بات زیر بحث مضمون سے متعلق یہ عرض کرنے کی ہے، کہ جب حضرت "اقامتِ صلوٰۃ کے وقت" تک اس عریضہ کے جواب کو سوچتے رہے۔ تو قدرۃً وسوسہ ہوتا ہے کہ غالبًا نیت باندھنے کے بعد تک کچھ نہ کچھ اس فکر کا سلسلہ جاری رہا ہوگا جو گویا تعلیم و تربیت کی ایک دینی خدمت ہی فکر اور اس لیئے بذات خود

Marfat.com

بھی طاعت تھی، لیکن نماز کے اجزاء سے تو بہر حال خارج تھی الحمد للہ کہ اس کا جواب بھی جلد ہی اور النور[1] ہی مین کسی اور طالب کے حال مین مل گیا۔ سوال یہ تھا کہ

ایک طاعت مین دوسری طاعت

کسی طاعت مین غیر طاعت کا تو قصد نہ ہو، مگر دوسری طاعت کا قصد ہو، جیسے نماز کی حالت مین قصداً کسی شرعی مسئلہ کا مطالعہ کرنا یا کسی سفرِ طاعت (مثلاً حج) کا نظام قصداً سوچنا"

اب تحقیق ملاحظہ ہو۔ کہ

"یہ مسئلہ دقیق ہے۔ قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہون۔ اس وقت دو حدیثین میری نظر مین ہین ایک مرفوع جس مین یہ جزء ہے۔ من صلی رکعتین مقبلا علیھما بقلبہ۔ دوسری موقوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جس مین یہ جزء ہے کہ انی اجھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ دونون روایتون کے مجموعے سے اخلاص کے دو درجے مفہوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس طاعت مین مشغول ہے، اس کے غیر کا قصد و استحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو۔ دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جاوے۔ اور ان دونون مین یہ امر مشترک ہے کہ دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہین ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہین کہ نماز مین یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کرین گے۔

"پس حقیقتِ اخلاص تو دونون مین یکسان ہے۔ اس مین تشکیک

---

[1] ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ ص ۱۲

Marfat.com

(تفاوت) نہین۔ عوارض کے سبب دونون مین تفاوت ہوگیا ہے۔
ان مین درجۂ اوّل اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے
اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے۔ جیسے کہ عمرؓ کو ضرورت تھی، اور
اس کا معیار اجتہاد ہے۔ میرے ذوق مین بصورت عذر خلاف خشوع
بھی نہین اگر ضرورت ہو۔"

زیادہ زور باطنی رذائل وفضائل پر | یون تو حضرت جامع المجددین کی تمام دینی
تجدیدات واصلاحات کی طرح تربیۃ السالک کبھی دینی تربیت کے کم وبیش تمام
ابواب واحکام کو جامع ومحیط ہے۔ لیکن سلوک وتصوف کا چونکہ خاص تعلق اصلاح
قلب وباطن سے ہے، اس لیے قدرۃً اس مین اعمال واخلاق باطنہ کے فضائل
ورذائل کی تربیت واصلاح پر زور وتوجہ زیادہ ہے۔ مثلاً صبر وشکر، خوف ورجا
رضا تسلیم وتوکل، شوق ومحبت، صدق واخلاص وغیرہ۔ اور رذائل مثلاً کبر وجاہ
ریا ونفاق، عُجب وغرور، بغض وحسد، بخل وحرص، حب مال یا حب دنیا وغیرہ۔
اکبر الرذائل | باطنی رذائل مین اکبر واشد بلکہ کم وبیش تمام رذائل کی جڑ یا اُمّ الرذائل
کبر ہے، جو ایک اعتبار سے کفر سے بھی اشد ہے اس لیے کہ کفر بھی دراصل کبر ہی سے
پیدا ہے۔ خود قرآن مجید کی کثیر آیات اس کی شاہد ہین مثلاً "قال الذین استکبروا
انا بالذی اٰمنتم بہ کافرون"[1] ایمان کی دولت استکبار کے ساتھ مشکل ہی سے
جمع ہوتی ہے۔ ایمان وہی لاتے ہین جن کے دل مین تواضع وتذلل ہو اور استکبار سے

---

[1] متکبرین نے مومنین سے کہا کہ تم جس بات پر ایمان لاتے ہو ہم تو قطعاً اس کے منکر ہی ہین ۱۲

Marfat.com

پاک ہون "انما یؤمن بایاتنا الذین اذا ذکروا بہا خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لایستکبرون" کافرتو کافر شیطان بھی **شیطان** استکبار ہی کی بدولت بنا "ابی واستکبر وکان من الکافرین۔ کبر نام ہے "اپنے کو صفات کمال مین دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا" یہی اپنی بڑائی کا دعوے شیطان کی شیطنت کی بنیاد تھی کہ "انا خیر منہ" (کہ مین تو اس سے بڑھ کر ہون) حدیث مین تو یہان تک ہے کہ "جس کے دل مین رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت مین نہ داخل ہوگا"۔ جو دراصل کلام مجید ہی کی ایک آیت کی تفسیر ہے جس مین ہے کہ "میری نشانیون کو جھٹلانے اور ان کے مقابلہ مین استکبار کرنے والون کے لیئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائین گے اور نہ جنت مین داخل ہوسکین گے، یہان تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ مین داخل ہوجائے" ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنہا لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط)

قبول حق سے سب سے بڑا مانع تکبر ہی ہے

بات یہ ہے کہ جنت تو اہل حق کا مقام ہے اور "قبول حق مین سب سے بڑا مانع بقول حضرت علیہ الرحمۃ کے تکبر ہی ہے۔ فرماتے ہین۔ کہ

"قبول حق اور رجوع عن الباطل سے بڑا سد راہ یہ امر ہے کہ انسان اپنے کو سب سے بڑا سمجھے۔ اسی وجہ سے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہین لاتے تھے۔ اگرچہ جانتے تھے کہ آپ پیغمبر برحق ہین... حتی کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ہم تمھاری خبر لین گے جب وہ رسول تشریف لے آئین گے۔ فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ لیکن جب آپ تشریف لائے تو آپ کے اتباع مین اپنی جاہ کا نقصان ہوتے

Marfat.com

دیکھ کر آپ کے ساتھ کفر کیا۔ سمجھیے کہ آج تو ہم احبار کہلاتے ہین مقتدا شمار ہوتے ہین، اگر ایمان لے آئین گے تو چھوٹے ہو جائین گے۔ اسی طرح رؤسا مکہ یہ کہتے تھے کہ لولا انزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم اگر یہ کلام خدا کا کلام ہوتا تو کسی بڑے شخص پر کیون نہین نازل ہوا۔ ایک یتیم پر کیون نازل ہوا۔ پھر آپ کے پاس تمول بھی نہ تھا، اس لیے رؤساء مکہ کہتے تھے کہ کسی رئیس پر کیون نازل نہ ہوا۔ تو ان کو قبول حق سے یہی تکبر مانع تھا۔

"اور اسکی بڑی مذمت آئی ہے۔ حدیث مین ہے کہ رائی برابر بڑائی بھی جس کے قلب مین ہوگی وہ جنت مین نہ جائے گا۔ اور اس مرض سے بہت کم لوگ خالی ہین کم وبیش سب مین ہوتا ہے۔ اس تکبر ہی نے شیطان کو جس نے آٹھ لاکھ برس عبادت کی تھی ایک پل مین مردود بنا دیا۔۔۔ تکبر ہی کی وجہ سے اس نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا اور ملعون ہوا۔" (الرفیق ص ۸۶ و ۸۷)

دیگر رذائل تکبر ہی کے انڈے بچے ہین | تکبر کے علاوہ جتنے چھوٹے بڑے رذائل ہین، وہ زیادہ تر تکبر ہی کے انڈے بچے ہین۔ مثلاً عجب کیا ہے اپنے کسی کمال کو خدا کی عطاء کے بجائے خود اپنا کمال سمجھنا۔ ریا کیا ہے لوگون کی نظر مین اپنی بڑائی چاہنا۔ حب جاہ کیا ہے لوگون کی تسخیر اور ان سے اپنی تعظیم کا مطالبہ۔ حب مال کا منشا بھی اکثر اپنی بڑائی کے سامان جمع کرنا ہوتا ہے۔ حتی کہ بڑا آدمی نام ہی مالدار کا ہو گیا ہے نفاق کی باتین بھی آدمی بارہا اپنی شان ہی کے لیے کرتا ہے بغض وحسد کا سبب بھی بیشتر یہی ہوتا ہے کہ اپنے مقابلہ مین دوسرے کی بڑائی نہین دیکھ سکتے۔ حرص وبخل کا بھی

Marfat.com

ایک بڑا منشا یہ ہوتا ہے کہ خود اپنی شان و شوکت کو بڑھانے یا قائم رکھنے کیلئے زیادہ سے زیادہ اندوزی کی فکر مین لگے رہتے ہین، اور مواقع خیر مین صرف مال سے دل تنگ ہوتا ہے۔

تصوف تو گویا نام ہی کبر یا خودی کو مٹانے کا ہے۔

حضرات صوفیہ کے ہان تو اس تکبر کے مٹانے پر اتنا زور ہے کہ تصوف نام ہی ہو گیا ہے اپنے کو مٹانے اور فنا کر دینے کا۔ خود حضرت فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مین نے ایک بڑے صاحب علم سے کہا کہ "اس طریق کا حاصل مٹ جانا ہے مگر انھون نے اس کی کچھ قدر نہ کی"۔ تصوف مین اس مٹنے کی حد یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے رمز شناس شریعت فرماتے ہین کہ

"مومن مومن نہین ہو سکتا جب تک کافر فرنگ سے اپنے کو بدتر نہ سمجھے۔ سائین توکل شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہیئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی توجیہ مین فرمایا کہ کتے مین اندیشہ بے ایمانی کا نہین اور مسلمان کو بے ایمانی کا اندیشہ ہے، اس لیئے مسلمان کو چاہیئے کہ اس اعتبار سے اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھے"

بات یہ ہے کہ اسلام کی نگاہ مین بدتری و برتری کا مدار انجام پر ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کافر فرنگ یا کتے کے مقابلہ مین بھی یہ دعوے کر سکتا ہے کہ میرا انجام اس سے بہتر ہوگا۔ سرآمد صوفیہ حضرت عارف رومی فرماتے ہین کہ

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلمان بودنش باشد امید

"حقیقت مین زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہین اپنے کو اچھا

Marfat.com

سمجھنے کا۔ رات دن تبدیل وتغیر ہوتی رہتی ہے کوئی آج عابد و زاہد ہے کل شیطان ہو جاتا ہے۔ کوئی آج مسلمان ہے، کل کافر ہو جاتا ہے، کوئی آج کافر ہے، کل مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس لیے زندگی مین اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا حق نہین۔ ہان مرنے کے بعد اگر اسلام پر خاتمہ ہو گیا، تو جو کچھ چاہے سمجھ لینا، اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہین کہ

گہہ رشک برد فرشتہ بپاکیِ ما　　گہہ خندہ زند دیو زناپاکیِ ما
ایمان چو سلامت بلب گور بریم　　احسنت برین چستی وچالاکیِ ما

واقعی کبر سے بڑھ کر کوئی دینی واخلاقی بیماری نہین۔ غور کرو تو دنیا مین ساری خرابیان وفسادات خواہ انفرادی ہون یا اجتماعی سب بواسطہ یا بلا واسطہ اسی بڑائی کی برائی کا نتیجہ ہین۔ اور اس بڑائی یا کبر کا علاج دین ویوم دین یا انجام وآخرت پر نظر ہونے کے سوا کوئی اور قطعًا نہین۔ اس معاملہ مین حق یہ ہے کہ حضرات صوفیہ کا مذاق بڑا دقیق وعمیق ہے۔ اور ان کا مذاق پیدا کیے بغیر خالی کتابی علم ودین سے کبھی یہ مرض ہرگز دفع نہین ہو سکتا۔ خود حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک جواب اسی مذاق کا کیسا عجیب ہے فرماتے ہین کہ

"ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ مین نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد قبر مین جائز ہے۔ جب یہ اطمینان ہو جائے کہ ہماری حالت یزید سے اچھی ہے۔ ورنہ کہین ایسا نہ ہو کہ آج اس پر لعنت کرین اور کل ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہو تو یزید کہے گا کہ سبحان اللہ آپ دنیا مین کس سرخروئی کی بنا پر مجھ پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اب گریبان

Marfat.com

مین منھ ڈال کر دیکھو۔ کسی کو کانا وہ کہے جس کو اپنے اندھے ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر یزید برا تھا تو اس کا کیا اطمینان کہ ہم اس سے اچھے رہین گے

حد اس باب مین بزرگون کے مذاق کی یہ ہے کہ

"حضرت رابعہ بصریہ شیطان پر بھی لعنت نہ کرتی تھین اور فرماتی تھین کہ جس قدر وقت لعنت مین صرف کیا جائے اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ وقت ذکر محبوب ہی مین صرف کیا جاوے۔ ہر چند کہ شیطان پر تبرا جائز ہے، مگر بزرگ اس کے درپے نہین ہوتے۔ کیونکہ مرنے تک اپنا ہی کچھ پتہ نہین پھر ضروری ہی کام مین نہ لگے، جیسا کہ حضرت رابعہ نے فرمایا۔ اس لئے اپنے کو اچھا سمجھنے کا کسی کو حق نہین[1]

اور یہ ان حضرات کی کوئی مصنوعی تواضع یا نرا قال نہین سراپا حال ہے۔ اساطین و اکابر تک کا یہ رنگ کہ

"حضرت ذوالنون مصری سے لوگون نے قحط کی شکایت کی۔ فرمایا کہ قحط کے دور ہونے کی سوا اس کے کوئی تدبیر نہین کہ مجھ کو شہر سے نکال دو کیونکہ میرے گناہون کی وجہ سے لوگ مصیبت مین مبتلا ہو رہے ہین۔ اور یہی نہین کہ محض زبان سے کہنے پر بس کیا بلکہ شہر کو چھوڑ کر چلے گئے"۔

اسی طرح حضرت علیہ الرحمۃ نے حال کے کسی بزرگ کی حکایت نقل فرمائی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب ریل مین بیٹھتا ہون تو خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہون کہ اے اللہ میرے گناہون کے سبب لوگ ہلاک نہ ہون۔ ان دونون حکایتون کی نقل کے بعد حضرت

---

[1] سلوۃ الحزین ص۲۳ و ۲۴ ۱۲

Marfat.com

فرماتے ہین کہ

بزرگون نے اس مرض کا زیادہ علاج فرمایا ہے

یہی امراض ہین جن کا بزرگون نے علاج کیا ہے۔

یکے آنکہ بر خویش بد بین مباش — دوم آنکہ بر خویش خود بین مباش

" اس کے برخلاف ہمارا رات دن سبق یہی ہے کہ ہم ایسے ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ویسا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہین کہ اے عزیز تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہین اور ایک دوسرے شخص کے بدن پر ایک مکھی بیٹھی ہے تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے، لیکن اپنے سانپ بچھوؤن کی خبر نہین .....

"حالانکہ یہ دونون مستقل عیب ہین۔ کیونکہ اپنے عیبون کو نہ دیکھنا یہ بھی گناہ ہے اور دوسرے کے عیبون کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے اور بے ضرورت کے معنی یہ ہین کہ کوئی ضرورت شرعی نہ ہو[1]" (جیسے مثلاً اصلاح کے لیئے والدین استاد و مرشد کا اپنی اولاد شاگردون اور مریدون کی کوتاہیون پر نظر رکھنا بلکہ ہر ساعی یا نگران کا اپنی رعیت یا زیر نگرانون پہ نظر رکھنا لازم ہے، ورنہ باز پرس ہو گی کلکم راع وکلکم مسئول عن راعیہ)

فرعونیت

یہی نسبتہً محدود انفرادی کبر و جاہ طلبی جب حکومت طلبی و ملک گیری کا لباس پہن لیتی ہے، اور بندہ فرعون بن کر خدائی کا دعوے اور انا ربکم الاعلیٰ

[1] الرفیق ص ۱۳ و ۱۴ ۱۲

Marfat.com

کا نعرہ مارنے لگتا ہے، تو خدا کی زمین پر بندہ کی اس علو طلبی[1] کی بدولت شخصی و انفرادی کبر کا مخدو دفساد پھیل کر ملک کے ملک کو اپنی گرفت مین لے لیتا ہے۔ پھر یہ شخصی فرعونیت حب قومی یا جمہوری فرعونیت کے بھیس مین سر اٹھاتی ہے تو ساری قوم اور جمہوریت کا ایک ایک فرد فرعون بے سامان بن جاتا ہے اور سارا کرۂ ارض شر و فساد سے بھر جاتا ہے، جیسا کہ آج کل ہر آنکھ والا دیکھ رہا ہے۔ شخصی حکومت مین تو دراصل ایک ہی بڑے **فرعون** یا اس کے معدودے چند حاشیہ نشینون اور عہدہ دارون کی گنجایش ہوتی ہے، پھر اس شخصی فرعونیت کے دعوے و بقا کے لیے بڑے بڑے فوجی و عسکری ساز و سامان اور حشم و حشم کی ضرورت ہوتی تھی۔

جمہوری فرعونیت | بخلاف آج کل کی لادینی جمہوریت و عوامیت کی گوناگون صورتون کے کہ ان کے اندر ہر ہر فرد حکومت و فرعونیت کا دعویدار اپنے کو سمجھتا اور سمجھایا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس دعوے کے اثبات کے لیے فوجی قوت کے بجائے زیادہ تر زبان و قلم کی (ایڈیٹرنہ و لیڈرانہ) چرب زبانی و سخن سازی یا محض مکر و فریب کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے جس مین اس کی کچھ بھی تھوڑی بہت صلاحیت ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی سیاسی و معاشی دعوے و دعوت (آئیڈیالوجی) کا علم لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور زبان و قلم کی شتر بے مہار آزادی کے زور سے عوام کالانعام کی کسی بھیڑ (اکثریت) کو ہمنوا بنا کر حکومت پر قابض ہو جاتا ہے۔ پھر عوام

---

[1] ان فرعون علا فی الارض ۔۔۔۔۔ انہ کان من المفسدین" (قصص) تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا۔ ان آیتون سے ظاہر ہے کہ فساد فی الارض کبر و علو طلبی کا لازمی نتیجہ ہے ۱۲

Marfat.com

فریبی کے میدان کا اس سے بڑا کوئی پہلوان اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور سرشماری کی طاقت سے حریف کو نیچا دکھلا کر اپنا قبضہ جما لیتا ہے۔ یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوتا اور احمق عوام کا کام فٹ بال بن کر ان بے سروسامان قرعون یا لیڈروں کی صرف ٹھوکریں کھانے رہتا رہ گیا ہے۔

ابھی اسی ہفتہ اخبار (پائنیر ۸ دسمبر ۱۹۴۷ء) میں پڑھا کہ اس جنگ عالمگیر کے بعد فرانس میں، جب سے کہ وہ جرمنی کے پنجے سے چھوٹا ہے، اب تک دو سال کے اندر اندر نو حکومتیں بدل چکی ہیں"! اعلاء کلمۃ الحق کی جگہ اس اعلاء **کلمۃ النفس** کا نتیجہ اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے!

علوٌ فی الارض کا لازمی نتیجہ فساد فی الارض ہے

جب انسان اپنے اوپر نہ کوئی خدائی طاقت اور خداساختہ نظام حکومت تسلیم کرتا ہو، نہ اپنے فتنہ و فساد کی جوابدہی کے لیے کوئی آخرت اس کے سامنے ہو، تو اس کا بالکل منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ہر ہر ملک اور ہر ہر ملک کا ہر ہر طبقہ و جماعت اور ہر ہر طبقہ و جماعت کا ہر ہر فرد اپنی عقل و دانش کے موافق **خود ساختہ** اصول و نظام کے لیے **علوٌ فی الارض** کے بلند سے بلند مقام کا مدعی بن سکے، اور اس محدود زمین اور اس کے محدود جاہ و مال میں اس **علوٌ فی الارض** کے مدعی جتنے زیادہ ہوتے جائیں گے اتنا ہی فساد فی الارض زیادہ ہوتا جائے گا۔

غرض انفرادی و اجتماعی چھوٹے اور بڑے جس شر و فتنہ کو بھی تحلیل اور کریدکر کے دیکھو زیادہ تر کسی نہ کسی صورت میں اندر سے اس ترفع و تعلی یا استکبار اور علوٌ فی الارض کے جذبہ کے طلب کو کارفرما پاؤ گے۔

Marfat.com

اس اکبرالرذائل کا ایک ہی علاج

اس کو مٹانے یا اس پر قابو پانے کی فقط ایک ہی راہ ہے، کہ بندہ کی نظر اپنے عجز و عبدیت اور خدا کی کبریائی و عظمت پر ہو یعنی بندہ بندہ رہے خدا نہ بنے۔ اور ایک بندہ دوسرے بندہ کو اپنے کسی اصول و دعوت (آئیڈیالوجی) یا امر و حکم کا بندہ سمجھنے اور بنانے کا خیال نہ کرے، سارا زور خود اپنے کو بندہ بنانے پر ہو۔ جس کی دو ہی صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے کسی ہنر و کمال کو خود اپنا نہیں خدا کا عطا کردہ سمجھا جائے۔ اور بطور امانت کے اصل مالک و معطی کے حکم و مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے۔ دوسرے فوز و فلاح کامیابی و کامرانی کا معیار یہ دنیا نہیں بلکہ اس دنیا کی زندگی و عمل کا انجام یا آخرت ہو۔ انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے تکبر و ترفع کے یہی دو اصولی علاج[1] ہیں، جن کی تفصیل و تفہیم حضرت مجدد وقت کی تعلیم و تربیت میں مختلف و نشیب عنوانوں اور مثالوں سے ملتی ہے۔

اور خدا کے سامنے اپنی **خودی** کو مٹانا اور فنا کرنا یہی سارے تصوف کی جان اور اکابر صوفیہ کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ صوفیانہ وحدۃ الوجود نرا فلسفہ نہیں، اس کا بھی بڑا مفاد یہی ہے کہ جب ہمارا وجود تک ہمارا نہیں تو ہمارے صفات و کمالات ہمارے کیا ہوتے۔ لہٰذا جب اپنا کچھ ہے ہی نہیں تو پھر مانگے کی یا پرائی چیز پر اکڑنا حماقت و سفاہت کے سوا کیا ہے! اور یہ مانگے کا وجود یا ہستی بھی ایسی نام کی ہستی ہے کہ اگر ہستی حق کی کبریائی و عظمت پر نظر ہو، تو یہ نظر تک نہیں آسکتی۔ اور ہوتا نہ ہوتے کے برابر معلوم ہوتا ہے ؎

---

[1] علاج الکبر کے نام سے حضرت کا ایک پورا وعظ بھی ہے ۱۲

Marfat.com

ہمہ ہر چہ ہستند ازان کمتر اند
کہ باہستیش نام ہستی برند

حضرت علیہ الرحمہ اکثر اس کمترین اور نام کی ہستی کو ایک معمول مثال سے سمجھایا کرتے ہین کہ

"تحصیلدار اس وقت تک تحصیلدار ہے کہ گورنر کے سامنے نہ ہو لیکن اس کے سامنے آتے ہی اس کی تحصیلداری ہیچ ہے۔ حتیٰ کہ اگر گورنر کے سامنے اس کو کوئی حضور کہدے تو عرق عرق ہو جائے گا۔ بس یہی حالت وحدۃ الوجود کی ہے۔ مین یقسم کہتا ہون کہ جس وقت حضور خداوندی ہوتا ہے، اپنی تعظیم سے بلکہ اپنے کو موجود کہنے سے بھی شرم آتی ہے۔ اور جس قدر حضور مین ترقی ہوگی، اس کیفیت مین ترقی ہوتی جائے گی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع

آپ سے بڑھکر یہ حضوری کس کو حاصل ہوگی۔ پھر دنیا و دین کا بادشاہ ہونے کے باوجود

"کبھی آپ نے اپنے لیے کوئی ممتاز جگہ تک نہ بنائی۔ لوگ زیارت کو آتے تو صحابہ سے دریافت کرتے کہ تم مین محمدؐ کون ہین؟ صحابہ جواب دیتے کہ یہ جو گورے گورے سہارا لگائے بیٹھے ہین۔ اور سہارا لگانے کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ عربی محاورون مین ہاتھ پر سہارا کو بھی اتکا کہتے ہین ..... چلنے مین حالت یہ تھی کہ ہمیشہ سب کے ساتھ ملے جلے چلتے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ آپ کی شان یہ تھی کہ ع "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔ بات یہ

Marfat.com

تھی کہ حضور کو ذات باری کی عظمت ہمیشہ پیش نظر تھی۔ غرض آپ کے کسی
انداز سے امتیاز اور بڑائی کی شان نمایان نہ ہوتی۔
کھانے تک میں شانِ عبدیت کے غلبہ کا حال یہ تھا کہ فرماتے ہیں کہ
"انی اکل کما یاکل العبد کہ میں غلام کی طرح کھاتا ہوں۔
اکڑ دن بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ صاحبو یہ کوئی چھوٹی بات نہیں۔ اس
کی قدر جب ہوگی کہ جب اپنے اوپر یہ کیفیت غالب ہو۔ اور یہی راز ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کھانا کھانے میں کوئی لقمہ
گر جائے تو مٹی صاف کر کے کھا لو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا
جلدی جلدی تناول فرمایا کرتے۔ آج اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے
کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح کھاتا ہے کہ گویا اس کو کھانے کو نہیں
ملا۔ وجہ یہ ہے کہ جو چیز حضور کو پیش نظر تھی ہم اس سے محروم ہیں۔
صاحبو میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی والیِ ملک کسی معمولی آدمی کو بلا کر
حلوہ کھانے کو دے اور کہے میرے سامنے بیٹھ کر کھاؤ تو غور کیجیے کہ یہ
شخص کس طرح کھائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ہر لقمہ کا یہ انداز ہوگا
جس سے معلوم ہوگا کہ بڑی رغبت اور شوق سے کھا رہا ہے۔ اور
یہی انداز اس وقت محبوب ہوگا۔ اس کو طمع کہنا ہرگز درست نہیں
اور اگر یہ طمع ہی ہے تو سمجھ لو کہ ؎

چون طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین

اور اگر کھانے کے وقت کوئی لقمہ اتفاق سے اس کے ہاتھ سے گر جائے

Marfat.com

تو یہ کیا کرے گا" ظاہر ہے کہ اس کو اٹھائے گا اور صاف کرکے کھا جائیگا
علی ہذا یہ بھی سوچو کہ بادشاہ کے سامنے کس انداز سے بیٹھ کر کھائیگا۔
اپنے گھر کی طرح نہین، بلکہ نہایت ادب سے بیٹھ کر کھائے گا"۔ (الرفیق طاہ دیوبند)

حصول حضوری یہی احسانی تصوف ہے

اسی حضور کا حاصل کرنا تو وہ خالص اسلامی یا احسانی تصوف ہے، جس کو حدیث مین اس طرح تعبیر فرمایا گیا ہے کہ خدا کی بندگی اس طرح بجالاؤ کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے (یعنی وہ تمہارے سامنے ہے) کیونکہ اگر تم اس کو نہ بھی دیکھ رہے ہو تو وہ بہرحال تم کو دیکھ رہا ہے (یعنی تم تو بہرحال اس کے سامنے یا اس کی حضوری مین ہو) اس حضور کا حاصل کرنا ہی صوفیہ کے سارے اشغال و مراقبات کا مقصود اعظم ہے۔ اور حضرات صوفیہ کے تذکرے اس حضور کے ذکر سے بھرے ہین۔ خود حضرت اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس قدر حضور کا غلبہ تھا کہ مارے ادب و ہیبت کے پاؤن پھیلا کر لیٹ نہین سکتے تھے۔

ظاہری تواضع بھی علاج کبر ہے

اس کے علاوہ ظاہر و قالب کے افعال اور ہیئت کا اثر باطن و قلب پر پڑنا ایک معمولی تجربہ اور نفسیات کا مسئلہ ہے۔

"حضور نے کھانے کے آداب کی جو تعلیم فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح باطنی حالات کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے، اسی طرح ظاہری ہیئت کا اثر بھی انسان کی اندرونی حالت تک پہونچتا ہے۔ اگر ظاہری ہیئت پر رعونت و تکبر برستا ہے تو دل تک اس کا چھینٹا ضرور پہونچے گا۔ اور اگر ظاہری حالت منکسرانہ ہو تو دل مین بھی انکسار و خشوع و تذلل کے

Marfat.com

آثار نمایان ہون گے۔" (اکرنیق صـ۵۳)

غرض کبر و رعونت کی بیماری کو دور کرنے کی اصل تدبیر و علاج یہی دو چیزین ہین ایک تو حضرت حق کی عظمت کو پیش نظر رکھنا دوسرے ظاہری حالت و ہیئت کو اختیار بھر منکسرانہ رکھنا جیسا کہ علاج الکبر نام کے وعظ مین فرمایا' اور تربیۃ السالک مین اس کی جابجا ہدایات ملتی ہین۔ مثلاً کسی صاحب نے عرض کیا کہ

"کمترین مین کبر ہے اس کا علاج وعظ علاج الکبر سے معلوم ہوا کہ عظمت حق سبحانہ کو پیش نظر رکھے اور کبریائی کے حضرت باری عزاسمہ کے لئے خاص ہونے کو مستحضر رکھے۔ اس کے متعلق یہ گذارش ہے کہ آیا جس موقع پر کبر کا اندیشہ ہو جب ہی استحضار کیا کرون یا روزانہ کوئی معین مقدار مقرر کرلون"

جواب مین تحریر فرمایا کہ جس وقت کبر کا اندیشہ ہو۔

"اس وقت تو ضرور ضرور (نیز روزانہ استحضار کی کوئی مقدار معین کرلینا) اور بھی بہتر ہے اور اس کے ساتھ علاج ہی کا یہ جزو بھی ہے کہ قصداً ایسے فعل اختیار کرو جو عرفاً موجب ذلت سمجھے جاتے ہین۔ بدون اس کے دوسرے علاج ناکافی ہین" (بتوب تربیۃ السالک صـ۳۳۶)

عرفی تذلیل سے علاج کبر اس لیے کبر کے مریضون سے اکثر بزرگ ایسے کام لیتے ہین جو ان کی عرفی و ظاہری شان و مرتبہ کے منافی ہوتے ہین اسی تبویب تربیۃ السالک مین چار صفحے اوپر (صـ۳۳۲) کسی ایسے ہی اصلاح طلب مریض کو تحریر فرمایا ہے کہ

"اگر پاخانہ اٹھواؤن تو پاخانہ اٹھانا ہوگا۔ اگر بر سر بازار جوتیون سے

Marfat.com

پٹواؤن تو اس کو بھی گوارا کرنا ہوگا اگر مسجد کی نالی صاف کرنا بدھنے بھرنا، جوتیان سیدھی کرنا سپرد کردن تو یہ سب کچھ کرنا ہوگا۔ غرض پہلے اتنی ہمت کر لیجیے، پھر کہین اصلاح کا نام لیجیے۔"

یہ علاج صوفیہ کی ایجاد نہین بلکہ ماثور ہے۔

اور یہ طریق علاج و اصلاح کچھ حضرت حلیۃ الرحمہ یا اسلاف صوفیہ کی ایجاد نہین، صحابہ اور وہ بھی حضرت عمرؓ جیسے صحابی پھر وہ بھی زمانۂ خلافت کی شاہی بلکہ شاہنشاہی کے فاروق اعظم، جن کی عظمت سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے اپنے محض وسوسۂ کبر کا علاج یہی تو فرمایا تھا کہ

"مشکیزے مین پانی لے کر پھرتے تھے۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایک شخص نے آکر تعریف کر دی تھی۔ مین نے غور کر کے دیکھا کہ نفس اس سے خوش ہوا، اس لیے اس کا علاج کر رہا ہون۔" (الرفیق صـ۴۲)

لادینی جمہوریت و مساوات کے مدعیون کا کبر

یہ الٰہی خلافت یا دینی حکومت و جمہوریہ کے اس خلیفہ (یا پریسیڈنٹ) کی تواضع کسر نفسی اور ستایش بیزاری کی شان تھی، جو وسعت ملک و ملک گیری کے اعتبار سے شاہ بلکہ شاہنشاہ وقت تھا۔ اس کا مقابلہ ذرا آج کل کی لادینی جمہوریت و اشتراکیت والے بڑے بڑے صدور و اراکین و قائدین کی ستایش پسندی ہی نہین خود ستائی سے کرو کہ حصول جاہ و منصب کے لیے اپنے مناقب و فضائل کے کیسے طویل و عریض جھوٹ سچ فہائش نامے (مینیفسٹو) شایع فرماتے ہین، اور ستایش پسندی کا تو یہ عالم کہ شہر شہر اور ضلع ضلع کی بلدیات تک سے اپنے منقبت نامے (ایڈریس) وصول کرنا گویا ان کا پیدائشی حق ہے۔ باقی ان کے رہنے سہنے کے بنگلے اور فرنیچر، کھانے پینے کے

Marfat.com

لنچ اور ڈنر دورہ و سفر کی شان اور موٹر ملنے جلنے مین تمدن و تفوق، بات چیت مین تعلی و تکبر غرض زندگی کی ہر ادا سے آرایش و نمایش، نفسانیت و رعونت، اقتدار و افتخار کا جو مظاہرہ اُن عوام (ماسس) کے مقابلہ مین دن رات ہوتا رہتا ہے جن کے درد و غم مین دن رات گھلنے اور جن کے ساتھ انصاف و مساوات کا اٹھتے بیٹھتے وظیفہ پڑھا جاتا، اس کا مشاہدہ ہر شخص کی آنکھون کے سامنے ہے اس تمام نہاد جمہوریت کا ادنیٰ سے ادنیٰ محرر و چپراسی تک عوام کے مقابلہ مین اپنی شانِ امتیاز کا مظاہرہ کئے بغیر نہین رہتا۔!

دینی مساوات و جمہوریت کا نقشہ گھر باہر

خیر یہ تو خلیفہ کی نفس کشی و انکسار کا حال گھر یا دار الخلافہ مین تھا، کہ معمولی سائیس تک پر نفس کو ایسی سرزنش تھی۔ باقی باہر نکلنے مین تو معمولی آدمی بھی کچھ نہ کچھ اپنے مرتبہ و مقام کا لحاظ رکھتا ہے لیکن دیکھو دینی حکومت کا خلیفہ (پریسیڈنٹ) گھر کی طرح باہر بھی کبر و امتیاز کے ادنیٰ شائبہ تک سے کس طرح دور و نفور ہے۔ بیت المقدس فتح نہین ہو رہا تھا لشکر اسلام کی طرف سے حضرت عمرؓ کی خدمت مین درخواست آئی کہ خود امیر المومنین کے تشریف لانے کی ضرورت ہے۔

"اب غور فرمایئے کہ ایک ایسے شخص کا دورہ تھا جس کے نام سے ہرقل اور کسریٰ بھی تھراتے تھے۔ مگر حالت یہ تھی کہ جس قمیص مین سفر کیا اس مین چند درچند پیوند تھے اور سواری کے لیے صرف ایک اونٹ، جس پہ کبھی آپ سوار ہوتے کبھی آپ کا غلام۔ آج کل ادنیٰ سے ادنیٰ ڈپٹی کے دورہ مین بھی بڑا سامان ہوتا ہے۔ رعایا پریشان ہوتی ہے

Marfat.com

اس کو رسد کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ یہان خلیفہ کے دورہ سے ایک متنفس کو بھی تکلیف نہ ہوئی۔ کیونکہ ایک تھیلے مین ستو ساتھ تھے اور ایک مین چھوہارے۔ منزل پر اتر کر ستو گھول کر پی لیتے اور چھوہارے کھا لیتے رعایا سے نہ مرغ نہ انڈے نہ گھی۔

حقیقی عزت دین اسلام سے ہے

"جب اس شان سے کبھی پیدل کبھی سوار آپ شام کے قریب پہونچے تو لشکر اسلام نے استقبال کرنا چاہا آپ نے ممانعت کر دی صرف خاص خاص حضرات نے استقبال کیا! سوقت بعض صحابہ نے کہا کہ امیرالمومنین آپ دشمن کے ملک مین ہین، اس لیے مناسب ہے کہ اپنا یہ قمیص اتار کر دوسرا قمیص پہن لین، اور اونٹ کی سواری چھوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو جائیے تاکہ دشمن کی نظر مین عزت ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم وہ ہین جن کو خدا نے اسلام سے عزت دی ہے (نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام) ہماری عزت قیمتی لباس سے نہین، بلکہ خدا کی اطاعت سے ہے۔

"مگر صحابہ کے اصرار سے ان کا دل خوش کرنے کے لیے درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ ایک عمدہ قمیص پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے دو ہی چار قدم چلے تھے کہ فوراً اتر پڑے اور فرمایا کہ دو ستو تم نے اپنے بھائی کو ہلاک کرنا چاہا تھا، واللہ مین دیکھتا ہون کہ اس لباس اور اس سواری سے میرا دل بگڑنے لگا، تم میرا ہی پیوند لگا قمیص لے آؤ۔ مین اسی لباس مین اور اپنے اونٹ ہی پر چلون گا۔"

Marfat.com

آج کل تقویٰ و تواضع کے حق مین ظاہری وضع لباس کی اس اہمیت کو اچھے اچھے اہل علم اور اہل تقوےٰ محسوس نہین فرماتے۔ نہ بڑے بڑے عربی و دینی مدارس کے ذمہ دار نگران اس باب مین اپنی ذمہ داری کو محسوس فرماتے ہین۔ حالانکہ جیسا کہ حضرت مجدد وقت نے اس واقعہ کو نقل کرکے فرمایا کہ

جب (حضرت عمر) ایسے شخص کا دل قیمتی لباس سے بگڑتا ہے، تو ہمارا کیا منھ کہ ہم کہین کہ ہمارا دل نہ بگڑے گا۔ پھر ہم اپنے قلب کی نگہداشت سے اتنے غافل کیون ہین اور ہم کو کس چیز نے مطمئن کر دیا کہ ہمارے لیے کوئی لباس مضر نہین"

لادینی جمہوریت کی فرعونیت

یہ تو اسلامی اور دینی جمہوریت کے سب سے بڑے خلیفہ کی گھر باہر اپنے پرائے اور دشمنون تک کے سامنے تواضع و نفس کشی کی شان تھی اب ذرا اس کے مقابلہ مین آج کل کی لادینی جمہوریت کے علمبردار فراعنہ کے نقال چھوٹے بڑے فرعونون کی فرعونیت و رعونت، تکبر و نفس پروری کے ساز و سامان کا ایک ادنیٰ سا تازہ نمونہ ملاحظہ ہو۔

اسی ہفتہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی نومولود جمہوریت نے جنم لیا ہے اور ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء (پیر) مین یہ خبر چھپی ہے کہ روس مین اس جمہوریہ کی سفارت فرمائی پر جو ہندی خاتون مقرر ہوئی ہین انھون نے اپنے سفارت خانہ کی آرائش کے لیے فاقہ کش ہندوستان کے خزانے سے ۲۵ ہزار پاؤنڈ کا مطالبہ فرمایا ہے۔ یعنی ..... لاکھ روپیہ کا۔ اور یہ سامان آرائش و نمایش سودیشی نہین بلکہ "سوڈیشی" یعنی سوئزرلینڈ کا ساختہ ہونا چاہیے اس کے علاوہ چالیس ہزار کے ایرانی قالین بھی

Marfat.com

طلب فرمائے گئے ہیں اس سے بڑھ چڑھ کر اس جمہوریہ کے ایک مولانا وزیر کی نسبت یہ خبر پڑھ کر سر غیرت و ندامت سے جھک گیا کہ انھوں نے کسی "مسز" کے انتخاب کے موافق اپنی نئی قیام گاہ کے لیئے ۲۵ ہزار کے فرنیچر کا مطالبہ فرمایا ہے، ساتھ ہی یہ خبر بھی درج ہے کہ حکومت کے ذخیرہ میں ماڈرن فرنیچر بافراط موجود ہے، مولانا کو انتخاب کی آزادی حاصل ہے۔ اس پر بھی مولانا نے اپنی نئی قیام گاہ میں اس وقت تک رونق بخشی سے انکار فرما دیا، جب تک اُن "مسز" کے مجوزہ دلپسندیدہ نقشہ کے مطابق اس کو آراستہ نہ کر دیا جائے!

ان خبروں کو پڑھ کر ہنسی بھی آئی اور اس سے زیادہ غصہ کہ ہندوستان دنیا کا سب سے زیادہ مفلس ملک قرار دیا جاتا ہے۔ مگر اس کے چالیس کروڑ ننگے بھوکے" عوام کے لیئے عوام کی حکومت" یا آزادی و جمہوریت کے وزراء و سفراء کے ترفع و کبریائی کے یہ ابتدائی تحفے ہیں ۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"

خود نمائی کی بنیاد خدا فراموشی | غرض انفرادی رعونت ہو یا سیاسی فرعونیت ہر قسم کی خود نمائی کی بنیاد خدا فراموشی ہے۔ ورنہ اگر حق تعالیٰ کی عظمت و جلال پر نظر ہو تو انسان اپنے جاہ و جلال کی نمائش سے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر لرزاں و ترساں ہوگا، جس طرح بقول حضرت علیہ الرحمہ کوئی تحصیلدار گورنر کے سامنے اپنی تحصیلداری کی اکڑ فوں دکھلانے سے۔ بلکہ اس تک کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کو گورنر کے روبرو کوئی حضور کہہ کر بھی خطاب کرے۔

تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و کبریائی کے سامنے ہماری پستی و کمتری کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ پھر ہمارے صفات و کمالات جو کچھ بھی ہیں وہ سرے سے

Marfat.com

ہمارے ہین کب۔ اس لیے پرائی چیز پر اکڑانا تو اور بھی سفاہت و تنگ ظرفی کی بات ہے۔ اس کی مثال حضرت علیہ الرحمہ یہ دیا کرتے ہین کہ اگر کسی چمار کو کوئی بادشاہ کوئی بڑا قیمتی موتی بھی دیدے، تو کیا اس سے وہ چمار چمار نہ رہے گا، یا اس عطیہ شاہی پر بندگی و منت گذاری کے بجائے اپنے چمار ہونے کو بھلا کر اسلئے نمک حرامی سے بادشاہی کا دعوے کرنے لگنا درست ہوگا۔ اسی لیے تو اس نمک حرامی و سرکشی کے جرم عظیم پر ارشاد ہوا کہ "کبریائی میری چادر اور بڑائی میرا ازار ہے جو اس مین مجھ سے منازعت کرے گا اس کو دوزخ مین داخل کرونگا"۔۔۔ (الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحدا منھما ادخلتہ النار

تواضع کی افراط | کبر کی افراط کے ساتھ تواضع کی افراط کا بھی ایک مرض عام ہے جو بارہا ناشکری کی حد تک پہونچ جاتا ہے حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی تجدید نے جس طرح دنیا کی ہر راہ مین صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائی ہے، اسی طرح کبر کے علاج کے ساتھ ایسی تواضع کے مرض پر بھی تنبیہ فرمایا ہے، جو تواضع کے بجائے کفران نعمت و احسان ناشناسی ہو جائے۔ الفضل والا نفضال نام ایک وعظ مین ایسے لوگون کی غلطیون اور غلط فہمیون کی اصلاح فرمائی گئی ہے، جو تصوف مین اعمال کے بجائے احوال کو مقصود سمجھتے ہین۔ اس سلسلہ مین ارشاد ہے کہ

"اس کا اثر یہ ہوا کہ سالکین نے اعمال صالحہ کی بے قدری شروع کر دی، کہ جب نماز مین بیوی بچون کا خیال آگیا تو وہ نماز ہی کیا ہوئی یہ شخص ناشکر مین مبتلا ہو گیا۔ میرا یہ مطلب نہین کہ نماز کو اپنی نماز سمجھے اور اس کو اپنا کمال سمجھے۔ کیونکہ نماز تو اپنی جب ہوتی کہ اپنے اسباب سے

Marfat.com

کام لیا ہوتا۔ یہان تو اعضاء و ارادہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہین۔ اس لیئے اپنی حیثیت سے تو نماز وغیرہ کچھ بھی نہین (یعنی اپنا کوئی کمال نہین) مگر دوسری حیثیت سے یہ اعمال قابل قدر ہین یعنی عطائے حق ہونے کی وجہ سے یہ نماز روزہ جس درجہ مین بھی ہے قابل قدر ہے۔

ع - بلا بودے اگر این ہم نبودے -

"اس کی ایسی مثال ہے، جیسے ایک چمار کو بادشاہ موتی دیدے، تو وہ اپنے کو چمار ہی سمجھے گا مگر ساتھ ہی موتی کو موتی بھی سمجھے گا۔ یہ نہین کہ اپنے کو چمار ہونے کی وجہ سے موتی کو بھی ٹھیکرا سمجھنے لگے۔ یا موتی کو موتی سمجھے اور اپنے کو چمار نہ سمجھے۔ بس یہ مطلب ہے فکر کا کہ اپنے کو تو چمار سمجھو مگر اعمال صالحہ کو عطائے حق ہونے کی وجہ سے قابل قدر سمجھو اور نعمت حق کی بے قدری نہ کرو۔

"اس پر ایک حکایت یاد آئی الہ آباد مین ایک بزرگ محمدی شاہ صاحب تھے، جو ولائتی تھے اور مجرد بھی تھے۔ الہ آباد والے کہتے تھے کہ رات کو جب یہ ذکر کرتے ہین تو سارا شہر گونج جاتا ہے۔۔۔۔ مین بھی ایک دفعہ والد صاحب کے ساتھ ان بزرگ کے پاس حاضر ہوا ہون۔ ان کا ایک واقعہ حافظ عبدالرحمن صاحب بگھروی بیان کرتے تھے کہ وہ ایک شخص کے ساتھ ان بزرگ کے پاس حاضر ہوے، اس دوسرے شخص کو محمدی شاہ جانتے تھے، ان سے حافظ عبدالرحمن صاحب کی تعریف پوچھی تو انھون نے کہا کہ یہ حافظ بھی ہین حاجی بھی ہین، ذاکر و شاغل

Marfat.com

بھی ہین - اس پر حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے تواضع کہ دیا کہ عزت ہین تو کچھ بھی نہین - یہ سن کر محمدی شاہ صاحب بگڑ گئے اور فرمایا کہ اچھا تو تم حافظ نہین ہو، تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارا حفظ قرآن سلب کرلین، اور تمھارا حج باطل ہوجائے - حافظ عبد الرحمٰن صاحب کہتے تھے کہ انھون نے میری ایسی خبر لی کہ پیچھا چھوڑانا مشکل ہوگیا اور اس کے بعد جب کبھی حافظ جی ان کے پاس حاضر ہوتے تو وہ کہتے آؤ ناشکرا آؤ ناشکرا - انھون نے ان کا لقب ہی ناشکرا رکھ لیا -

"غرض ہمارے اعمال (و وصائص طرح کے سارے کمالات) کی دو حیثیتین ہین - ہماری حیثیت سے تو یہ اعمال کچھ بھی نہین، مگر دوسری حیثیت سے قابل قدر ہین گو وہ تو ہمی برتن دیدین"

مطلب یہ کہ جس کی نظر خدا کی عظمت و کبریائی پر ہے اس کو اپنی بڑائی نظر ہی کب آسکتی ہے، جو اس پر تکبر کرے اور جو کچھ نظر بھی آئے تو وہ محض خدا ہی کی دین ہے، اپنا کیا ہے، جو اس پر اکڑے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دین مین بڑائی اور بزرگی کا مدار یوم دین پر ہے، یعنی دنیا کے کمال اور اعمال پر نہین بلکہ آخرت کے انجام و ماٰل پر - اور اس کا دعوےٰ کون کرسکتا ہے کہ اس کا انجام کسی کافر یا فرعون کے مقابلہ مین بھی بہتر ہی ہوگا - ایک طالب علم ساری طالب علمی بھر ذہین بڑا شوقین بڑا محنتی رہا اور امتحان مین سب سے اول آنے کا دم دعوےٰ تھا، لیکن جب امتحان کا وقت سر پر آیا تو کسی قلم اشارہ کا سودا سر مین سمایا - پرچہ سامنے آیا تو سوال از آسمان جواب از ریسمان کا سماں ہوا، اور سارا دم دعوےٰ رکھا گیا - اور نتیجہ

Marfat.com

مین بد ذہن و بد شوق آگے نکل گئے، جن کے مقابلہ مین یہ دم دعوے تھا۔ وہی اصول کہ

ہیچ کافر را بخواری منگرید کہ مسلمان بود نشاید

سالک کے لیئے قبض کا حال کیسی مصیبت کا حال ہوتا ہے، جس کا اندازہ کوئی سالک ہی کر سکتا ہے کہ بارہا خودکشی تک کر لینے کا جی چاہتا ہے مگر محققین صوفیہ کے ہان اس اعتبار سے یہ مصیبت عین نعمت ہے کہ اس کی بدولت سالک عجب و پندار سے محفوظ رہتا ہے، جو اس راہ کی سب سے بڑی ہلاکت ہے۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو آن صلاح تست آنس دل مشو

خود حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ

"قبض باعتبار آثار کے بسط سے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ بسط مین عجب کا خطرہ ہے۔ اس مین اپنے کمالات پر نظر ہوتی ہے، اور قبض مین اپنے اوپر نظر نہین ہوتی، بلکہ عجز و نیازمندی کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت انسان اپنے کو کتے اور فرعون سے بدتر سمجھتا ہے۔ اور یہ بات اس شخص کی سمجھ مین نہین آسکتی، جس پر یہ حال گذرا نہ ہو۔ کیونکہ یہ ذوقی امر ہے جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے۔ اور یہ نہین کہ اس وقت یہ شخص اپنے کو مومن نہین سمجھتا بلکہ اپنے کو مومن اور فرعون کو کافر سمجھ کر بھی اپنے کو اس سے بدتر سمجھتا ہے۔ مین الفاظ مین اس حالت کی حقیقت کو نہین بتلا سکتا تم اتنا سمجھ لو کہ اس کو اپنے مآل پر نظر ہوتی ہے کہ نہ معلوم مآل کیسا ہو۔ اور اس طریق مین عجز و نیاز ہی سے کام چلتا ہے، عجب و پندار سے کامیابی نہین ہو سکتی

Marfat.com

مولانا فرماتے ہین

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ را نگیرد فضل شاہ

اور فرماتے ہین کہ

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود　　ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

سالہا تو سنگ بودی در لجن　　آزمون را یک زمانے خاک باش

در بہاران کے شود سرسبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

یہان سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ کا مذاق کیسا اچھا ہے۔ گو تمام صوفیہ کا یہی مذاق ہے مگر چشتیہ پر سب سے زیادہ اس کا غلبہ ہے کہ

افروختن و سوختن و جامہ دریدن　　پروانہ زمن، شمع زمن گل زمن آموخت

"مین نے مولانا گنگوہیؒ سے سنا ہے کہ جس شخص کو ساری عمر مجاہدات وریاضات کے بعد مین یہ بات سمجھ مین آگئی کہ مجھے کچھ حاصل نہین ہوا ہے، کو سب کچھ حاصل ہوگیا کیونکہ اس طریق کا حاصل یہی بے حاصلی ہے۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ کمال حاصل ہوگیا وہ اس شعر کا مصداق ہے ؎

خواجہ پندارد کہ وارد حاصلے　　حاصل خواجہ بجز پندار نیست[1]

لیکن اگر دین ہی نہین، تو پھر کہان کا خدا، اور کہان کی آخرت جو اُس کی عظمت وکبریائی پر نظر اور اپنے انجام ومآل کا اندیشہ ہو۔ اس لیے لادینی زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی اور لادینی سیاست وحکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری سب کا نتیجہ سراپا رعونت وفرعونیت ترفع وتعلی، نام ونمود فخر وستائش کے مظاہرون کے

---

[1] الفصل والانفصال ص ۲۵ و ۲۶ ۱۲

Marfat.com

سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے! اسی شیطانی انانیت اور فرعونی علوٗ فی الارض کے فسادات کی بدولت اب نہ مین مین کہین مفر اور پناہ کی جگہ نہین رہ گئی ہے!

بہرحال کہنا یہ ہے کہ انانیت و فرعونیت کے اس ام الامراض کا اصولی علاج تو صرف دین یعنی خدا کی عظمت اور خوفِ آخرت کا حضور و استحضار ہے۔ لیکن جس طرح معمولی امراض جسمانی کا علاج تک محض طب کی کتابین پڑھ لینے سے نہین ہو سکتا جب تک کسی طبیب حاذق سے رجوع نہ کیا جائے، تو پھر امراض نفسانی وہ بھی کبر جیسے اُم الامراض کا فقط کتابی اصول معلوم کر لینے سے کیسے علاج ہو سکتا ہے، جب تک کسی باقاعدہ معالج سے رجوع نہ کیا جائے۔ علاج تو علاج معمولی تشخیص تک کے لیئے نری کتاب خوانی اور اصول دانی کام نہین آسکتی۔ مرض کی تشخیص تو الگ رہی حد یہ ہے کہ خالی کتاب خوان بارہا بعض ظاہری علامات سے دھوکا کھا کر جو مرض سرے سے نہین، اس کا بھی اپنے کو مریض سمجھ لیتا ہے۔ حضرت والد رحمہ اللہ طبیب تھے، ایک مرتبہ راقم ہذا طویل سلسلۂ علالت مین ان کے زیر علاج تھا۔ گھر مین طب کی کتابین تو موجود ہی تھین۔ اپنی بیماری کے لیئے ان کو دیکھنا شروع کیا، تو زیر علاج بیماری کے علاوہ معلوم ہوتا تھا کہ خدا جانے اور کن کن بیماریون مین مبتلا ہون۔ حضرت والد سے عرض کیا، تو کتابین دیکھنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ کتابون سے مرض کی خود تشخیص کرنا چاہوگے تو کوئی اور مرض ہو نہ ہو لیکن مراق ضرور ہو جائے گا۔

اسی طرح نفسانی امراض مین بھی خود مرضِ کبر ہی کے متعلق دو ایک مثالون سے اندازہ کیجئے کہ کس طرح آدمی کو بے مرض کے مرض کا دھوکا ہو جا سکتا ہے اور

Marfat.com

کس طرح اس دھوکے سے نکالنا ایک ماہر معالج ہی کا کام ہوتا ہے۔ کسی سالک نے لکھا کہ۔

"حضرت والا یہ ناچیز انگریزی ماسٹر ہے۔ بفضلہ یہ ناچیز اس کا منتظر نہین رہتا کہ لوگ مجھ سے عزت کا سلوک کرین۔ اپنی حالت کفار سے بھی بدتر محسوس ہوتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے دیکھتا ہون کہ اگر کوئی حاجی یا حضرت کہہ کر پکارتا ہے تو دل خوش ہوتا ہے۔ اگر کوئی ماسٹر کہہ کر پکارتا ہے تو وہ خوشی نہین ہوتی ... غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ نفس چاہتا ہے کہ نیک اور دیندار لوگون مین میرا شمار ہو۔ حضرت اقدس اگر یہ حالت مذموم ہے تو علاج ارشاد فرمائین"

پہلے آپ خود ذرا غور فرمالین کہ اس کا کیا جواب دے سکتے ہین، پھر اس کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کا جواب پڑھین تو قدر ہو۔ ارشاد ہوا کہ

جیسے سب چیزون مین اللہ تعالےٰ نے خاصیتین رکھی ہین۔ اسی طرح الفاظ مین بھی۔ اور ان کے وہ آثار طبعی ہین۔ ان کا احساس ایسا ہی ہے، جیسے شیرین اور تلخ چیزون کا۔ تو اگر کسی کو پختہ انار شیرین معلوم ہوتا ہے اگرچہ وہ حرام ہی کا ہو، اور کریلا تلخ معلوم ہوتا ہو اگرچہ وہ حلال ہی کا ہو، تو جیسے یہ احساس مذموم نہین اسی طرح خاص الفاظ و القاب کے آثار کا احساس بھی مذموم نہین۔

"البتہ خلاف واقع کو اپنے قصد سے پسند کرنا اور واقع کو اپنے قصد سے ناپسند کرنا یہ بیشک مذموم ہے۔ سو اس سے بچنا اختیاری امر ہے۔ الخ

Marfat.com

اس کا سہل اور اسلم طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مدحیہ الفاظ استعمال کرے فوراً ہی ان کی نفی اور نہی سے کام لے۔ اور دل مین اللہ تعالیٰ سے ایسے اقوال کے شر سے پناہ مانگے۔" (النور ربیع الاول ۱۳۶۲ھ)

ایک اور حال سنئے۔

"اپنا ایک حال بغرض اصلاح عرض ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگون کی وضع خلاف شرع ہوتی ہے یا جو خلاف شرع امور مین مصروف ہوتے ہین' ان کی ان باتون سے دل مین نفرت ہوتی ہے۔ اور بلا ضرورت ان سے ابتدءً سلام کلام کرنے کو محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے خیال سے دل نہین چاہتا۔ باین ہمہ اپنے کو ان سے اچھا نہین سمجھتا۔ اور جو باتین اپنے اندر موافق شریعت کے پاتا ہون' ان کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان جانتا ہون' اور ان کے زوال کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ عطا بلا استحقاق ہے' تو جو باتین خلاف شرع اپنے اندر پاتا ہون ان کو بھی بد اور قابل ترک سمجھتا ہون۔

اس کے بعد اصل سوال یہ ہے کہ" لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل مین نہین پاتا' جس قدر اور لوگون سے ان کی خلاف شرع باتون پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبر کا ہوتا ہے" اس کا جواب جیسا محققانہ اور تشفی بخش عطا فرمایا' اس سے حضرت کی شان تحقیق و حذاقت سے بڑھ کر اس کا اندازہ ہوتا ہے' کہ غیر محقق و غیر حاذق شناخت مرض مین بھی کیسے کیسے دھوکے کھا سکتا ہے۔ اب محقق کی تحقیق ملاحظہ ہو کہ

Marfat.com

"نفرت مین تفاوت ہونا کبر نہین۔ نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکسان ہے، اور عبد اسی کا مامور ہے۔ اور تفاوت نفرت طبعی مین ہے جیسے انسان کو اپنے پاخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پاخانہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے! اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے، بہ نسبت غیر کے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچے کے پاخانہ سے اتنی نفرت نہین ہوتی جیسی غیر محبوب کے پاخانہ سے۔ سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہین"۔ (النور ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ)

اس سے اندازہ کیجئے کہ مرض کبر ام الامراض اور عسیر العلاج ہی نہین بلکہ بہت سی ایسی متشابہ چیزین ہین، جو حقیقۃً کبر نہین ہوتین، مگر صورۃً کبر ہی معلوم ہوتی ہین ان کی تشخیص کے لیے کیسی حذاقت و مہارت درکار ہے۔ کسی طالب نے جو قرینہ سے کسی مدرسے کے استاد معلوم ہوتے ہین خود اپنے حال کی اسی طرح کی کچھ متشابہ مثالین پیش کرکے ان کی تحقیق و علاج چاہا۔

"احقر نے مطبخ سے کھانا جاری کرالیا چونکہ وہان سے جاکر خود لانا پڑتا ہے، اس لیے بہت عار آتی تھی۔ خصوصًا جب کوئی جان پہچان والا مل جاتا تو اور زیادہ شرم آتی کہ ایسا کیا فقر طاری ہوگیا کہ مطبخ سے کھانے لینے لگا۔۔۔۔ ایک دو دفعہ لانے کے بعد دل مین آیا کہ کسی سے منگوا لیا کروں مگر چونکہ تکبر کا شبہہ ہو چکا تھا اس لیے اخیر تک خود ہی لاتا رہا۔ اس سے عار کا عدم ہوگیا اور عادت سی ہوگئی۔

Marfat.com

"بازار سے کوئی وزن سر پہ رکھ کر لانے مین بہت ذلت سی معلوم ہوتی ہے، اس خیال سے کہ لوگون کا بازار مین مجمع ہے، نہ یہ کہ مین اس سے عالی ہون چنانچہ اگر لوگون کا مجمع نہ ہو تو لا سکتا ہون۔

"موچی کے پاس بیٹھ کر جوتہ نہین گنٹھواتا بلکہ کھڑا رہتا ہون۔ اس کے پاس بیٹھنے مین ذلت سی معلوم ہوتی ہے ۔۔۔۔ ایک مرتبہ نظر سے اس مضمون کا شعر گذرا کہ اتنا عجز و انکسار بھی اچھا نہین کہ سفہا سر پہ چڑھ جائین ۔۔۔۔ چنانچہ حال کو ٹٹولنے سے پتہ لگتا ہے کہ اگر کوئی آدمی بھی نہ ہو تب بھی موچی کی دکان پہ نہ بیٹھون کہ موچی نہ معلوم کیا خیال کرے۔ البتہ دل مین اپنے کو افضل نہین سمجھتا، نہ اس کو اپنے سے زیبن سمجھتا ہون۔

"پیوند کے کپڑے بھی نہین پہنتا۔ اس خیال سے کہ لوگ کہین گے کہ یہ بہت غریب آدمی ہے۔ اور ویسے بھی پیوند کے کپڑے کو طبیعت قبول نہین کرتی۔ دل خود نفرین کرتا ہے کہ ایک بیہودہ خیال کی وجہ سے ایک سنت سے محروم ہون۔ اور نفس کی شرارت کی وجہ سے کبھی دل چاہتا ہے کہ اچھے اچھے کپڑے پہنون۔

"ایسے شخص کا نصیحت کرنا بہت برا معلوم ہوتا ہے، جس کے برتاؤ سے معلوم ہو کہ اس کے دل مین میری کچھ وقعت نہین ۔۔۔۔ یا طرز نصیحت سے یہ پتہ لگتا ہے کہ محض میرا نفع مقصود نہین بلکہ کچھ نفس کی بھی آمیزش ہے۔ یعنی غصے مین کچھ اپنے دل کی بھڑاس بھی نکال رہا ہے۔"

"کسی شخص کے متعلق یہ خیال ہو جائے کہ یہ ہماری جماعت کو یا مجھ کو

Marfat.com

ذلیل سمجھتا ہے، تو مین بھی اس کے ساتھ اچھی طرح نہین پیش آتا۔ چنانچہ مسٹرون کو اکثر سلام نہین کرتا۔

"جیسا کسی کا مجھ کو ذلیل سمجھنا برا معلوم ہوتا ہے، ایسا ہی کبھی میرا ادب کرنا بھی برا معلوم ہوتا ہے۔

اب حضرت کا تحقیقی جواب سنیئے۔

"یہان کئی چیزین متشابہ ہین، جن مین کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔ کبر و عجب و حب جاہ و ریا و خجلت۔ پھر ہر ایک مین دو دو درجے ہین حقیقت و صورت، تو یہ دس چیزین ہین ... مختصر بقدر ضرورت لکھتا ہون جس سے تھوڑی مناسبت والے کو سمجھنے مین ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور جزئی واقعات کو منطبق کر سکتا ہے۔

"باقی جس کو ضروری مناسبت کبھی نہ ہو اس کے لیئے نہ کلیات کافی ہین نہ جزئیات۔ بلکہ جب کوئی واقعہ پیش آوے کسی محقق کے سامنے پیش کرے"

آگے اصل جواب مختصراً یہ ہے کہ

"تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی دنیوی یا دینی کمال مین اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے۔ تو اس مین دو جز ہین اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تکبر کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے ... یعنی بلا اختیار ان الفاظ کا خیال آجانا یہ معصیت نہین، لیکن اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھنا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھنا یہ کبر کی حقیقت

Marfat.com

ہو جائے گی اور معصیت ہو گی

"اور یہ جو قید لگائی کہ دوسرے کو حقیر سمجھے۔ یہ اس لیئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہین۔ جیسے بیس برس والا دو برس کے بچے کو سمجھے کہ مجھ سے عمر مین چھوٹا ہے یا ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو میر پڑھنے کو سمجھے کہ مجھ سے پڑھائی مین کم ہے یا مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال مین کم ہے، مگر اس کو حقیر نہ سمجھتا تو یہ کبر نہین۔

"مگر اس بڑائی چھوٹائی کا اعتقاد گو کبر نہین۔ لیکن اگر ایسا تفاوت عرفاً و شرعاً کمال ہو تو کبھی کبھی یہ اعتقاد کبر تک پہونچا دیتا ہے اس لیئے سد ذرائع کے طور پر اس کا وہی علاج کرنا چاہیئے جو حقیقت کبر کا ہے۔

یہ علاج ذیل کے ایک مسلسل و مستقل مراقبہ کی صورت مین تجویز فرمایا گیا ہے جس کی حسب موقع و ضرورت تجدید و تکرار کرتے رہنا چاہیئے۔

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے، مگر میرا پیدا کیا ہوا نہین حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

(ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہین ہوا، بلکہ محض موہبت و رحمت سے۔

(ج) پھر عطا کے بعد بھی اس کا بقا میرے اختیار مین نہین، بلکہ حق تعالیٰ جب چاہین سلب کر لین۔

(د) گو اس دوسرے شخص مین فی الحال یہ کمال نہین، مگر فی المآل

Marfat.com

ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس طرح حاصل ہو جائے کہ مین اس کا محتاج ہو جاؤن۔

(ہ) اگر فی الحال بھی نہ ہو، جیسا کہ بعض اوقات ظاہر اسباب سے گمان غالب ہتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص مین کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسرون پر ظاہر یا حق تعالیٰ کو معلوم ہو اور جس کے اعتبار سے وہ بہ حیثیت مجموعی مجھ سے اکمل ہو۔ اگر اس کے کسی کمال کا احتمالِ قریب ذہن مین نہ آئے، تو اپنے احتمال کو ذہن مین حاضر کرے کہ شاید وہ علم الٰہی مین مقبول ہو اور مین غیر مقبول۔ یا مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھون۔

اور بالآخر یہ مراقبہ و معالجہ خصوصیت کے ساتھ کیسا قاطع و عجیب ہے کہ بالفرض کوئی شخص تمام باتون مین مجھ سے کم ہی ہے۔

(و) تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے، جیسا مریض کا تندرست پر ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر لہذا مجھ کو چاہیے کہ اس پر شفقت و ترحم کرون۔ اس کی تکمیل مین کوشش کردن۔ اور اگر اس کی قدرت و ہمت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی۔۔۔۔ تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ شفقت کا تعلق پیدا ہو جائیگا۔ اور جس کی تکمیل و تربیت مین آدمی کوشش کرتا ہے۔ اس سے طبعاً محبت ہو جاتی ہے، اور محبت کے بعد تحقیر نہین ہوتی۔

(ز) یہ بھی نہ ہو تو اس سے لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے۔ اس کا مزاج پوچھ لیا کرے۔ اس سے جانبین مین تعلق

Marfat.com

کے بعد تحقیر نہین رہتی۔

البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعًا اس سے بغض رکھنا مامور ہے تو تدابیر مذکورہ مین سے بعض کا استعمال نہ کیا جائے گا۔ مگر بعض کا پھر بھی کیا جا سکتا ہے ان کو کرے۔

یہ سب گفتگو تو تکبر کے متعلق تھی۔ اس کے بعد عُجب وغیرہ کے متعلق اس کی تفریعات یہ ہین کہ

"عُجب مین صرف ایک قید کم ہے۔ یعنی عُجب مین دوسرون کو چھوٹا سمجھنا نہین صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے۔ اس مین بھی حقیقت و صورت کے ویسے ہی درجے اور وہی احکام ہین۔ اور معالجات مذکورہ مین سے جن مین دوسرے کا تعلق نہین وہ سب اس مین بھی ہین۔

"حبّ جاہ کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو دل مین بڑا سمجھتا ہے، اسکی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھین اور تعظیم و اطاعت و خدمت کرین۔ چونکہ اس کا منشا بھی تکبر و عُجب ہی ہے، اس لیئے اس کے درجات و معالجات بھی وہی ہین جو کبر کے گذرے۔

ریا کا حاصل یہ ہے کہ کسی دینی یا دنیوی عمل کو لوگون کی نظر مین بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنالے۔ چونکہ یہ بھی کبر و عجب ہی سے پیدا ہوتا ہے، اس لیئے اس کے بھی وہی درجات و معالجات ہین۔

"اور یہ سب احکام کلی ہین کبھی کبھی کسی خصوصیتِ مقام سے بعض نئی صورتین اور نئے معالجات بھی مرتب ہوتے ہین، جو مربی کی رائے سے

Marfat.com

متعین کیئے جا سکتے ہین ۔

" اخیر کی ایک قسم خجلت (شرمندگی) ہے ۔ یہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے ۔ اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر کبر وغیرہ کا شبہہ ہو جاتا ہے ۔ مگر واقع مین وہ کبر نہین ہوتا ۔ اور معیار یہ ہے کہ یہ شخص جس طرح ایک دنی وخسیس کام کرنے سے شرماتا ہے ؛ اسی طرح اگر اس کے ساتھ کوئی غایت درجہ کی تعظیم وتکریم کا معاملہ کرے تب بھی ویسا ہی انقباض ہوتا ہے ۔

" اخیر مین ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہون ۔ کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن سے اثر کا رسوخ نہین ہوتا الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے کہ بتکلف کم درجہ لوگون کے اوضاع واطوار وعادات اختیار کرے حتیٰ کہ وضع راسخ ہو جائے مگر اس کا خیال رکھے کہ اس درجہ کی دناءت وخست اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جائے ۔" (رسالہ شمس الفضائل بطمس الرذائل)

اس نسخہ کے اکسیری اجزا کی قدر وقیمت تو کسی سالک ہی کے دل سے پوچھیئے، جو کبر جیسے مہلک مرض کی ہلاکتون سے آگاہ اور اس سے شفا کا طالب ہو ورنہ آج کل تو اس علاج ہی کو سب سے بڑی مہلک بیماری بلکہ دیوانگی خیال کیا جائے گا ۔ اس لیئے کہ کبر وجاہ، تکبر وترفع، علو وبرتری خواہ شخصی ہو یا قومی، انفرادی ہو یا اجتماعی، سیاسی ہو یا معاشی، اسی کا نام تو اس زمانہ مین عین

Marfat.com

ترقی ہے!

لیکن قرآن مجید کی اٹل تشخیص مین علو فی الارض والی یہ ترقی فساد فی الارض کا دوسرا نام ہے۔ جس کا مشاہدہ بھی اس عہد سے زیادہ معلوم تاریخ کی آنکھون نے کبھی نہین کیا اور جس کی کچھ تفصیل اوپر حسب موقع گذر بھی چکی۔ البتہ اس کا کوئی علاج نہین کہ

ع ۔ آنکھین خدا نے دی ہین مگر دیکھتے نہین

Marfat.com

حیات طیبہ

اوپر کے مباحث مین مستقلاً اور مختلف عنوانات کے تحت حضرت جامع المجدّدین کی تجدیدات تصوف سے یہ خوب اچھی طرح روشن ہو چکا ہے کہ تصوف کی حقیقت کامل و جامع دین کے درجۂ کمال و جامعیت کے سوا کچھ نہین۔ جب وہ قلب و قالب صورت و معنیٰ ظاہر و باطن کے سارے کمالات و فضائل کی جامعیت ہی کا نام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حسنۂ آخرت کے ساتھ حسنۂ دنیا کا بھی جامع نہ ہو۔ درانحالیکہ خود قرآن مجید کی نص صریح سے حسنۂ آخرت کے ساتھ ہی حسنۂ دنیا بھی مطلوب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ" اور دوسری جگہ ایمان و عمل صالح پر (جن کا کمال جامعیت ہی تصوف ہے) نہایت قطعیت کے ساتھ اس دنیا مین بھی پاکیزہ و مزہ دار زندگی کا وعدہ فرمایا کہ "من عمل صالحًا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ"[1]

اصل راحت قلب کی راحت ہے اصل مین انسان اس معاملہ مین جو شدید دھوکا کھاتا رہا وہ یہ کہ حسنۂ دنیا یا اس دنیا کی بھلائی اور آرام و راحت کو دولت و ثروت حکومت و سلطنت امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ خدم و حشم یا کھانے پینے اور رہنے سہنے کے

---

[1] مرد و عورت جو بھی اچھے کام کرے، بشرطیکہ ایمان بھی ہو، تو ہم اس کو یقیناً دنیا مین بھی مزہ دار زندگی عطا کرین گے ۱۲

Marfat.com

اعلیٰ درجہ کے ظاہری سازوسامان مین سنھر جانا۔ یعنی وہی اہل ظاہر کی طرح نظر صرف ظاہر پر رہی۔ حالانکہ ذرا سوچ تو یہ کھلا ہوا شدید مغالطہ ہے۔ اس لیئے کہ آرام و راحت لطف و مسرت فی الواقع نفس و قلب کا ادراک و وجدان ہے۔ اگر دل کسی وجہ سے بیچین و پریشان ہے، تو تخت سلطنت پر بیٹھ کر چتر شاہی کے نیچے بھی دنیا مٹی ہے اور اگر دل کو امن و اطمینان چین اور سکھ نصیب ہے، تو پھونس کی جھونپڑی کے نیچے ڈال ولیا کھا کر فرش زمین پر لوٹ لگانے والون کو بھی قصر شاہی اور اس کے الوان نعمت سے ہزارون درجہ زیادہ لطف و مسرت اور مزے دار زندگی حاصل ہے۔

صوفیا کا اصل زور قلب ہی کی اصلاح پر ہے

اور یہ معلوم ہے کہ حضرات صوفیاء کے ہان سب سے زیادہ دل یا قلب و باطن ہی کی صفائی ستھرائی پاکیزگی و طہارت پر ہے، بلکہ اصطلاحاً تصوف نام ہی خصوصیت کے ساتھ قلب و باطن کی تطہیر و تزکیہ کا ہے۔ لہذا قدرۃً صوفی سے بڑھ کر اور کس کی دنیاوی زندگی بھی مزیدار، صاف ستھری، پاک و پاکیزہ یا "حیات طیبہ" ہو سکتی ہے۔ دل اگر بیمار و بے لطف ہے تو جسم کی صحت اور کھانے پینے کا بھی لطف نہین۔ اسی لیئے تو صوفیون کے ہان بار بار اس حدیث کو دہرایا جاتا ہے کہ اگر قلب ٹھیک رہا تو سارا جسم ٹھیک ہے اور یہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا۔ اب دیکھو کہ قلب کا یہ بگاڑ یا اس کی بیماریان کیا ہین۔

قلب کی بیماریان

اس کی بیماریان وہی ہین، جن کا نام رذائل نفس ہے یعنی حب مال و جاہ، بغض و حسد، بخل و حرص، ریا و نفاق، کبر و عجب۔ جو دل ان بیماریون مین مبتلا ہو اس کے نصیب مین غم و غصہ حزن و خوف رنج و مصیبت کے سوا لطف و راحت کہان۔ جس کو حب مال و جاہ کا مرض ہے اس کے معنی ہی یہ ہین کہ وہ

Marfat.com

مال وجاہ کی کسی مقدار و مرتبہ پر پہنچ کر بھی راضی و مطمئن نہین ہوسکتا۔ تو پھر دل کا اطمینان و چین کہان، وہ تو ہمیشہ اس حزن و غم مین گھلتا رہے گا کہ ہائے فلان کے پاس مجھ سے زیادہ مال ہے۔ فلان کو زیادہ جاہ حاصل ہے۔ پھر اگر ذرا بھی خود اس کے جاہ و مال کو خطرہ لاحق ہوا تو خوف سے دم نکلنے لگتا ہے۔ یہی حال بخل و حرص کا ہے۔ اسی طرح بغض و حسد کی آگ سے کون نہین جانتا کہ انسان کا سینہ دہکتی بھٹی بنا رہتا ہے۔ ریا و نفاق کا گرفتار تو دل ہی مین جانتا ہے کہ جو کچھ مین لوگون کو دکھلا اور سنا رہا ہون یا مکر و فریب سے یقین دلا رہا ہون، وہ واقع مین ہون نہین پھر ریا و نفاق کے کھل جانے کا خوفِ ذلت الگ دامنگیر۔ تو مرائی و منافق کے دل مین وہ خوشی کہان جو فی الواقع کسی فضل و کمال کے متصف کو حاصل ہوتی ہے، خواہ اس کو کوئی جانے یا نہ جانے۔ باقی کبر و انانیت تو یہ تو ابھی اوپر ہی معلوم ہوچکا کہ دراصل تمام باطنی و قلبی بیماریون کی جڑ ہے۔ اور حکومت و سلطنت جاہ و مال، صنعت و تجارت، علم و فضل کون سی ایسی بڑائی ہوگی جو ایک سے بڑھ کر ایک مین نہ پائی جاتی ہو۔ اسی لئے بڑائی کے طالب کا جس طرح دوسرون کی بڑائی سے قلب کڑھتا جلتا رہتا ہے۔ اسی طرح اپنی بڑائی کی فکر و حفاظت کی مصیبت اور اس کے زوال کے حزن و خوف مین مرتا رہتا ہے۔

صحت قلب کی ٹھنڈک اس کے مقابل مین اندازہ کرو کہ جو "مطمئنہ قلب" کی ان بیماریون سے پاک اور غنا قلب، تسلیم و رضا صبر و شکر قناعت و توکل، انکسار و تواضع کی دولت سے مالا مال اور دوسرون کے جاہ و مال سے بے پرواہ ہے، اس کا کلیجہ کیسا ٹھنڈا رہتا ہوگا۔ لیکن داد دیجئے جدید لادینی تعلیم و تہذیب کے اولوالعزم

Marfat.com

حریصون کی کہ انھون نے جاہ و مال کی حرص و ہوس ہی کا نام اولوالعزمی و بلند ہمتی رکھ لیا ہے حتیٰ کہ حکومت و دولت، تجارت و ثروت، جاہ و منزلت نمود و نمائش، ترفع و تعلی، برتری و کبریائی اقوام و افراد سب کی ترقی کا معیار بن گیا اسی ترقی کے لیئے جد و جہد مسابقت و منافست ان کی اصطلاح مین حرکت و حیات ہے، بلکہ اس کے پیچھے مرتے رہنا ہی زندگی ہے! اتی صبر و شکر، تسلیم و رضا، توکل و قناعت، تواضع و مسکنت یہ سب دنائت و پست ہمتی کی باتین بزدلی کا فلسفہ یا زیادہ زیادہ سلبی اخلاق ہین! کیسی ستم ظریفی ہے کہ سلب رذائل کا نام سلبی اخلاق اور ہمت کی سب سے بلند پرواز کا نام پست ہمتی رکھدیا!

بلند نظری کے ساتھ پست چیزون سے بے پروائی لازم ہے

ذرا سوچیے تو سہی کہ اگر کوئی شخص جسمانی عیش و آرام اور مادی ساز و سامان مین مقابلہ و کشمکش سے کنارہ کش ہوکر کسی علم و فن طبیعات و تاریخ وغیرہ کی تحقیقات یعنی کسی ذہنی و دماغی مقابلہ و مسابقت مین فقر و فاقہ گوارا کرکے بھی مصروف منہمک ہے، اور سیٹھ ساہوکارون یا وزراء و سلاطین کی ثروت و حکومت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا ہو، تو وہ لادینی یا مادی ترقی و تہذیب کے فدائیون کی نظر مین بھی بڑا بلند خیال و عالی حوصلہ ہوگا۔ لیکن جو ان ذہنی و دماغی مطلوبات و مقاصد سے بھی نظر کو اونچا کرکے روحانی و غیر فانی مقاصد و مطالب کی دھن مین لگا ہو وہ دون ہمت ہے بزدل ہے، حرکت و حیات کی لذت سے محروم اور ایجابی اخلاق کے فلسفہ سے ناآشنا ہے! حالانکہ بالکل قدرتی اور معمولی بات ہے کہ جس کی نظر جتنی اعلیٰ ہوگی اتنا ہی وہ ادنیٰ چیزون سے بے پروا اور ان کے لیئے تنافس و تنازع سے دور

Marfat.com

د نفور ہوگا۔

د رنہ اصل مقاصد مین طمع عین مطلوب ہے

بس یہی حقیقت ہے اس دنیوی و مادی زندگی کے معاملات مین، دینی و روحانی زندگی کی قدر و قیمت اور بلندی و رفعت کے پہچاننے والون کی قناعت پسندی یا خوش فہمون کی نظر مین "پست ہمتی" کی۔ ورنہ انسان اور انسانیت کے خاین شان مقاصد و مقامات کے لیے تو قناعت نہین بلکہ تنافس و مسابقت ہی عین مطلوب و مامور ہے "وفی ذلک فلیتنا فس المتنافسون[1]" اور خود حضرات صوفیہ کے نزدیک ایسی چیزون مین قناعت جس درجہ مذموم و مبغوض ہے اور حرص و طمع محمود و محبوب اس کا اندازہ صوفیون اور عارفون کے سرتاج عارف روم کی اس معرفت سے فرمائین کہ

گر طمع خواہد ز من سلطان دین — خاک بر فرق قناعت بعد ازین

عافیت اور اطمینان کے دشمن

یہ تو درمیان مین ایک شدید غلطی و غلط فہمی کا ازالہ تھا۔ کہا یہ جا رہا تھا کہ اس دنیا مین بھی راحت و آرام کی زندگی جس کا تعلق بھی جسم و ظاہر کے ساز و سامان سے زیادہ قلب و باطن کی عافیت و اطمینان سے ہے۔ اور قلب کی عافیت و اطمینان کے بڑے اور پہلے دشمن وہی بغض و حسد، حرص و طمع، غیظ و غضب، ریا و نفاق، کبر و عجب، حب جاہ و مال وغیرہ کے رذائل نفس و اخلاق ہین جن کی بدولت دنیاوی و ظاہری مال و متاع اور ساز و سامان کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار بھی آدمی کو مطمئن و آسودہ نہین ہونے دیتی۔ مثلاً جو شخص اپنے سے زیادہ مال و جاہ والون کے بغض و عداوت مین جلتا مرتا رہتا ہو اس کو اپنے جاہ و مال سے کیا راحت و مسرت

---

[1] حرص کرنے والون کو اسی کی تو حرص کرنا چاہیے ۱۲

Marfat.com

نصیب ہوسکتی ہے سوا اس کے کہ ؎

از برون چون گور کافر پر خلل واندرون قہر خدائے عزوجل

تصوف وسلوک کا پہلا قدم جب انھین رذائل سے قلب وباطن کا تزکیہ یا اس کی اصلاح ومعالجہ ہے، تو صوفی آدھا پیٹ کھاکر اور فرش زمین پہ لوٹ کر بھی ہل من مزید کی حرص وہوس مین جلنے مرنے والون سے زیادہ مسرور ومطمئن رہ سکتا ہے جلی اخلاق یا سلب رذائل کی یہ وہ دولت ہے جو صوفی وسالک کو بالکل ابتدا ہی مین مل جاتی ہے۔ باقی اس راہ کے منتہی اور ایمانی وعملی صفات وکمالات سے آراستہ کاملین کی دنیاوی حزن وخوف سے پاک وآزاد **حیات طیبہ** کا تو خود ان کے سوا اندازہ ہی کون کرسکتا ہے!

توحید کا اثر | اس اعتبار سے توحید ہی کے آثار ونتائج کو دیکھئے جو اصل دین اور جس کی تکمیل تصوف ہے کہ موحد کے پاس حزن وغم خوف وہراس پھٹک نہین سکتا۔

"اگر چار دن طرف سے اس کو تلوار دن مین گھیر لیا جائے۔ تب بھی اس کے دل پہ ہراس نہین ہوتا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر مین تھے۔ دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے اترے۔ اتفاق سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مین سے اس وقت کوئی قریب نہ تھا۔ آپ نے تلوار درخت مین لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے اسکی ایک دشمن کو خبر ہوئی اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً وہان آیا اول سے پاؤن تلوار پہ قبضہ کیا، نیام سے نکالا اور آپ کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ جب بالکل تیار ہوگیا تو آپ کو بیدار کیا اور پوچھا من

Marfat.com

یعصمك منی کہ آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے - آپ نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہین فرمائی اور فرمایا کہ اللہ یعنی مجھے اللہ بچائے گا - بھلا کوئی ایسا کہکے تو دکھلادے بدون خدا کے تعلق کے کوئی ایسا کر نہین سکتا -

موحد چہ بر پائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس | ہمین ست بنیاد توحید بس

اب ذرا نیچے اتر کر اس توحیدی علم و معرفت کے، اور آثار کو دیکھئے کہ جب ہم الحمد للہ مومن ہین یعنی اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق ایمان و اطاعت کا ہے - کفر و بغاوت کا نہین، تو کیسے ہو سکتا ہے کہ مومن و مطیع کے حق مین ان کا کوئی فعل و معاملہ رحم و کرم سے خالی ہو "وکان بالمومنین رحیما"[1] اس لیئے اگر بظاہر اور طبعًا کوئی بات کلفت و ناگواری کی پیش بھی آئے تو وہ بھی دراصل ہماری خیر خواہی اور دنیا و آخرت کسی نہ کسی کی بھلائی پر مبنی ہو گی - ایسا آدمی جانتا ہے کہ

مصیبت کا انجام راحت | عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم

(کہ بارہا کوئی چیز بری معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل اس مین بھلائی ہوتی ہے) اس لیے وہ گھبراتا نہین اور (کم از کم) یہ سمجھتا ہے کہ میرا علاج اور کفارۂ سیئات ہو رہا ہے - نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہین اپنے نہین - خدا کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھین اس مین ہمین رکھین - چنانچہ اسی کو مصیبت کے موقعہ پر فرماتے ہین وبشر الصابرین الذین

---

[1] اہل ایمان کے حق مین اللہ تعالیٰ خاص طور پر رحیم ہین ۱۲

Marfat.com

اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون[1]"

"لہٰذا ظاہرا ہم پر جو تکلیف آتی ہے' یہ ایسی ہی ہے' جیسے ماں باپ کسی بچے کے دنبل مین' جس نے اس کو بے حد تکلیف دے رکھی ہو یا آیندہ تکلیف پہونچانے کا اندیشہ ہو نشتر لگواتے ہین کہ وہ ظاہرًا تو تکلیف ہوتی ہے لیکن واقع مین کامل راحت کا سامان ہوتا ہے۔ اور اس تکلیف کی وہ حالت ہوتی ہے کہ

طفل می لرزد ز نیش احتجام مادر مشفق ازان غم شاد کام

یعنی بچہ تو ڈرتا لرزتا ہے اور مان خوش ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ نشتر لگانے والون کو انعام دیتے ہین۔ سو اگر کوئی تعجب کرنے لگے اور کہے یہ انعام کس بات کا دیا' اس شخص نے تو تکلیف پہونچائی ہے اس کو تو سزا دینا چاہیے' تو مان باپ کہین گے کہ احمق یہ تکلیف نہین ہے عین راحت ہے کیونکہ اس تکلیف کی بدولت لڑکے کی زندگی ہے ورنہ یہ دنبل بڑھتا اور اس کا زہریلا مادہ تمام جسم مین سرایت کر جاتا۔

"تو جب مان باپ کا نشتر لگوانا اور اس کی تکلیف دینا بوجہ ذریعۂ راحت ہونے کے ناگوار نہین ہے تو خدا تعالیٰ کو تو مان باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنے بندون سے ہے۔ پھر اگر وہ فقر و فاقہ ڈالدین یا کسی اور مصیبت مین مبتلا کر دین تو اس کو نشتر کے قائم مقام کیون نہین سمجھا جاتا"

---

[1] ان صبر کرنے والون کو خوش خبری سنا دو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہین کہ ہم اللہ کے ہین' اور اسی کے پاس جانا ہے ۱۲

Marfat.com

اصل بات یہ ہے کہ ہماری نظر اپنے قلب و باطن کے دنبلون یا بیماریون پہ بہت کم ہے، ورنہ احقر کو تو خود اپنے تجربہ بلکہ مشاہدہ کی گواہی دیتا ہے کہ جب سے حضرت علیہ الرحمۃ کی جوتیون سے کچھ تعلق پیدا ہوا اور اپنے باطنی دنبل دکھائی دینے لگے، تو خدا کو گواہ کرکے عرض کرتا ہون، کہ شاید ہی کوئی دنیاوی تکلیف و مصیبت ایسی ہوگی، جس کا حیات بخش نشتر یا آپریشن ہونا روز روشن کی طرح نہ نظر آتا ہو اور کبھی بظاہر مکروہ و موذی باتین ایسی پیش آتی ہین، کہ آخر مین اسی دنیا مین اور دنیا ہی کی راحت کا سامان ثابت ہوتی ہین۔ پس وہی نشتر مین ذرا صبر کی ضرورت ہے، تو مومن کی ہر مصیبت بشارت ہی بشارت ہے۔

صرف اسباب پر نظر | اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری یہ ہے کہ ایمان و اسلام کے باوجود مصائب مین نظر صرف ظاہری و مادی اسباب پر ہوتی ہے اور سمجھتے ہین کہ ظاہری و مادی اسباب مستقل بالذات عمل کرتے ہین، نہ کوئی مسبب الاسباب ہے اور نہ اسباب مصیبت مین ہماری نافرمانیون اور گناہون کو کوئی دخل ہے۔ غرض مسبب الاسباب سے بالکل قطع نظر کرکے

"صرف اسباب ظاہری پر نظر کرتے ہین۔ سبب اصلی کی طرف التفات ہی نہین ہوتا۔ حالانکہ جو مصیبت آتی ہے گناہون کی وجہ سے آتی ہے۔ ہوا آگ پانی وغیرہ سب اسباب خداوند کریم کے حکم کے تابع ہین، ان کو جب اور جیسا حکم ہوتا ہے۔ ویسا ہی کرتے ہین۔

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند

Marfat.com

یعنی ہمارے سامنے جیتے ہین مردہ معلوم ہوتے ہین، اور نہ واقع مین زندہ اور تابع فرمان حق ہین۔

"جس قدر مصائب آتے ہین سب حکم خداوندی سے نازل ہوتے ہین اور اصل سب جرائم یعنی معاصی ہوتے ہین۔ اُن سے غضب حق ہوتا ہے اور پھر اس کے حکم سے بلا و مصیبت نازل ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہین کہ ؎

کہ ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم — آن ز بیباکی و گستاخی ست ہم
غم چو بینی زود استغفار کن — غم با مر خالق آمد کار کن

جب کوئی مصیبت دیکھو فوراً استغفار کرو۔ اس سلسلہ مین حضرت نے خود اپنے قصبہ (تھانہ بھون) کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ۔

کئی سال ہوے جب ہمارے قصبہ اور گرد و نواح مین طاعون بہت زور شور سے پھیلا تھا، تو قبل طاعون کے ایک بزرگ آخر شب مین بیٹھے ہوے تھے کہ قلب پر یہ آیت وارد ہوئی انا منزلون علی اھل ھذہ القریۃ رجزا من السماء بما کانوا یفسقون[1] تو ان بزرگ نے اس کو وعظ مین بیان کیا لیکن اپنی طرف منسوب نہین کیا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے، مگر لوگون نے توجہ نہ کی اور پھر طاعون پھیلا تو ایک سبب وہ گناہ بھی ہوا جو قوم لوط مین تھا۔

غرض ایک طرف اگر اس پر نظر ہو کہ مصائب صرف ظاہر مین مصائب ہین ورنہ دراصل انجام کے اعتبار سے سراسر ہمارے حق مین عین مصلحت اور حق تعالیٰ

---

[1] ہم اس بستی والون پر اس کی نافرمانی کی بدولت آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہین ۱۲

Marfat.com

کی رحمت ہی رحمت ہین۔ دوسری طرف مصیبت کے ظاہری اسباب کے بجائے مسبب الاسباب یا خالق اسباب پر نظر ہو اور ان کو راضی رکھنے کی فکر یعنی "احکام واعمال مین امتثال کی کوشش کرو" تو پھر جیسا حضرت فرماتے ہین۔

قلب کا پریشان نہ ہونا "اس کے بعد حقیقی مصیبت نہ آوے گی۔ یعنی ظاہری مصائب مرض وموت رنج وغیرہ تو ہون گے، مگر اطاعت کی برکت سے تمہارا قلب پریشان نہ ہوگا، جیسے کہ بچہ ماں کی گود مین ہوتا ہے تو وہ کسی چیز سے پریشان نہین ہوتا۔ اسی طرح مطیع کو چونکہ قرب حق نصیب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی پریشان نہین ہوتا (الرفیق ص۳۳)

مصائب کے باوجود قلب کے پریشان نہ ہونے یا دل کے نہ گھبرانے کا نکتہ ہے بڑا اہم، مگر کوئی بڑی باریک بات نہین، آدمی اگر ذرا سوچے تو روزانہ کی زندگی مین برابر اس کے تجربات ہوتے رہتے ہین، کہ جتنا زیادہ کسی محنت ومصیبت کا انجام خوشگوار ہوتا ہے، اتنی ہی وہ مصیبت کم ناگوار ہوتی ہے اور دل کی پریشانی یا گھبراہٹ کیسی وہ تو اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس مصیبت کو بھی خوشی خوشی جھیلتا ہے۔ اسٹیشن پر جیب قلی کی معمولی ومتوقع مزدوری مثلاً دو آنے ہو اس کو اگر چار آنے آٹھ آنے دیدو تو دونا سامان لادلے گا کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش" اور اس سے خواہ اس کی گردن اور کمر ٹوٹ رہی ہو، مگر دل ہی دل مین خوش ہوگا کہ اس کو بہو بچا کر دو گنے چوگنے دام وانعام کا مستحق ہون گا۔ بیماری مین آدمی کو کیسی کیسی کڑوی اور بدمزہ دوائین پینا پڑتی ہین جن سے طبعی ناگواری اور تکلیف بھی ہوتی ہے مگر صحت کی امید مین دل پریشان نہین ہوتا، بلکہ خوشی خوشی ان کڑوی دواؤن کی

Marfat.com

قیمت اور ڈاکٹر کی فیس سب کچھ ادا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت مصیبت جب ہی ہے جب کہ اس کا کوئی بہتر انجام و انعام نہ ہو یا اس انجام و انعام پر نظر نہو۔

انجام پر نظر کا انجام | پھر خیال کرو کہ دین کی حقیقت تو لفظاً و معناً سر بسر انجام و آخرت ہی ہے۔ اور کیسا انجام و آخرت کہ اس کی ابدی راحت و نعمت کو نہ دنیا کی ہفت اقلیم کی بادشاہت پہنچ سکتی ہے، اور نہ اس کے عذاب و مصیبت کے مقابلہ مین یہان کی کوئی بڑی سے بڑی مصیبت مصیبت ہے۔ تو جس کی نظر و فکر مین وہان کی راحت و مصیبت ہو، وہ اس دنیا کی راحت کو نہ راحت جانے گا اور نہ مصیبت کو مصیبت۔

"فرض کیجئے کہ ایک شخص نے خواب مین دیکھا کہ مجھے خوب پیٹا جا رہا ہے، اور چارون طرف سے سانپ بچھو ڈس رہے ہین، لیکن بیدار ہوا تو دیکھتا ہے کہ تخت شاہی پہ آرام کر رہا ہے کوئی مرچھیں جھل رہا ہے کوئی عطر لا رہا ہے کوئی پان لا رہا ہے۔ چارون طرف لوگ دست بستہ کھڑے ہین تو کیا اس کے دل پہ اس خواب کا کوئی اثر باقی رہے گا۔ ہرگز نہین۔ بلکہ اگر وہ خواب از خود یاد بھی آجائے گا تو طبیعت اس کو بھلا دے گی۔ اس کے برعکس ایک شخص نے خواب دیکھا کہ مین تخت شاہی پہ جلوہ افروز ہون اور تمام لوگ سامنے دست بستہ کھڑے ہین، اپنی حاجتین پیش کر رہے ہین اور مین پورا کر رہا ہون۔ لیکن آنکھ جو کھلی تو دیکھتا ہے کہ ایک شخص سر پہ جوتیان مار رہا ہے، اور بہت سے سانپ بدن کو لپٹے ہوئے ہین، اور ایک کتا منھ مین موت رہا ہے۔ تو کیا بیداری کی اس مصیبت کے بعد بھی خواب کی کسی قسم

Marfat.com

کی مسرت اس کے دل پر رہ سکتی ہے کبھی نہین۔ پس دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ بالکل ایسی ہے۔ جیسے خواب کی بیداری کے مقابلہ مین۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ

حال دنیا را بپرسید از فرزانۂ گفت یا خوابیست یا بادلست یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دردے بست گفت یا غولے لیست یا دیو است یا دیوانۂ

تو واقعی دنیا کی مثال خواب ہی کی سی ہے کہ عمر بھر عیش کیا اور مرنے کے ساتھ ہی پکڑا گیا تو وہ عیش کیا کام آئے گا۔

خوشی وغم کا تعلق مستقبل سے

بات یہ ہے کہ اس دنیا مین بھی ہماری نظر آج سے زیادہ کل پر یا حاضر سے زیادہ مستقبل پر رہتی ہے۔ اور ہماری خوشی وغم کا زیادہ سرمایہ مستقبل ہی کی امید وبیم سے وابستہ رہتا ہے حتیٰ کہ مستقبل کی کوئی امید پوری ہوکر جب حال بن جاتی ہے، تو اس کی مسرت زیادہ دیر پا نہین رہتی۔ اس سے آگے ایک نیا مستقبل اور نئی تمنا ہم پیدا کر لیتے ہین۔ اور پھر اس کے پیچھے دوڑنے لگتے ہین اور زیادہ لطف ولذت اسی کے تصور سے اٹھاتے ہین خواہ وہ تمنا ئے مستقبل شیخ چلی کے منصوبون سے زیادہ نہ ہو! خلاصہ یہ کہ آج بھی وہی آدمی زیادہ مسرور ومطمئن رہ سکتا ہے جو اپنے کل کو آج سے یا استقبال کو حال سے بہتر جانتا اور پاتا ہو۔ مستقبل تاریک ہوا تو حاضر کا لطف ولذت بھی تلخ ہوجاتا ہے، انسان کی **آخرت** جو دعاقبت اندیش فطرت کے خالق نے اس دنیا یا حاضر کے غم والم کو بے حقیقت وناقابل التفات ٹھہرانے کے لیئے کافر کے مقابلہ مین اسی راز وحقیقت کی طرف اس آیت مین متوجہ فرمایا ہے کہ ان تکونوا تعلمون

Marfat.com

یخافھم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ مالا یرجون"
یعنی اگر تم کو اس دنیا مین غم والم سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تو اس سے تو کافر بھی
نہین بچ سکتا، لیکن اصلی خوشی وسرت کی بات جو ہے، وہ تمھارے ہی پاس ہے
کہ تمھارا مستقبل پُر امید ہے اور اپنے خدا سے تم جو امیدین رکھتے ہو ان سے کافر
محروم ہین، اسی کو حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ "دنیا کی راحت ومصیبت
آخرت کے مقابلہ مین ہیچ ہے"

دنیا کی راحت ومصیبت آخرت کے مقابلہ مین ہیچ ہے

"واقعی وہان جاکر نہ یہان کا عیش عیش رہے گا اور نہ مصیبت مصیبت اور آخرت
مین تو یہ گذشتہ چیزین کیا یاد رہتین۔ دنیا ہی مین دیکھ لیجئے کہ عمر گذشتہ
بیش از خواب نہین۔ زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے کہ جیسے برق کا ٹکڑا اچھلنا
شروع ہوا تو ختم ہی ہوکر رہتا ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف مین ہے،
کہ جب قیامت کے روز اہل مصیبت کو بڑے بڑے درجے عنایت ہون گے تو
اہل نعمت کہین گے کہ کاش دنیا مین ہماری کھالین مقراض سے کاٹی
گئی ہوتین، لیکن آج ہم کو یہی درجے ملتے۔ تو اس حالت پر نظر کرکے
بے تامل کہنا پڑتا ہے کہ دنیا مین کچھ بھی نہ ملتا تب بھی کچھ حرج نہ تھا"

سچ پوچھو تو دنیا مین انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہی رنج وراحت
کا ہے۔ جس کے لیے مدعیان عقل نے تنوطیت ودجائیت کے بڑے بڑے فلسفے
چھانٹے ہین، اور بعضون کو تو خودکشی کے سوا دنیا کے مصائب سے نجات وسفر کی
کوئی شکل ہی نظر نہین آئی۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ اس فانی زندگی کا کوئی بہتر و

Marfat.com

باقی (خیر والبقیٰ) مستقبل اگر نہین تو اس جو کچھ تھوڑی بہت راحت وعزت ہے وہ بھی کوئی ایسی نہین، جس کا مصیبت وذلت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ نہ ہو، اور جس سے مسرور ومطمئن کوئی ویسا ہی بے حس دبے حیا وحشی رہ سکتا ہے جس کا لطیف قصہ حضرت علیہ الرحمہ نے جا بجا نقل فرمایا اور جو دراصل لطیف قصہ نہین بلکہ دنیا پرست کی زندگانی کا بڑا کثیف واقعہ ہے۔

دنیا کی راحت وعزت کی مثال | "ایک سرحدی وحشی ہندوستان آیا تھا کسی حلوائی کی دکان پہ حلوہ رکھا دیکھا قیمت پاس نہ تھی آپ اس مین سے بہت سا اٹھا کر کھا گئے۔ حلوائی نے حاکم شہر کو اطلاع کی۔ حاکم نے یہ سزا مقرر کی کہ اس کا منھ کالا کر کے جوتون کا ہار گلے مین ڈال دیا جائے اور گدھے پہ سوار کر کے تمام شہر مین تشہیر کی جائے۔ اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جائین کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلین، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب یہ حلوہ خور صاحب اپنے گھر گئے تو لوگون نے پوچھا کہ آغا ہندوستان چہ گونہ ملک است۔ کہنے لگے ہندوستان خوب ملک است حلوہ خوردن مفت است۔ فوج طفلان مفت است سواری خر مفت است۔ ڈم ڈم مفت است ہندوستان خوب ملک است۔

"بس دنیا کے حشم وخدم پہ ناز کرنا ایسا ہی ہے، جیسا اس نے سواری خر اور فوج طفلان پہ ناز کیا تھا۔ صاحبو یہ بے حسی ہے واللہ اگر حس صحیح ہو تو یہ سب عذاب نظر آنے لگے"

آج کل سب سے زیادہ ترقی وعزت حکومت مین سمجھی جاتی ہے، جس کی حرص ہوس

Marfat.com

مین جہنم سے پہلے ہی ساری دنیا اپنے ہاتھون جہنم بنالی گئی ہے۔ اس کی نسبت اس سرحدی وحشی کے قصہ کے سلسلہ مین ارشاد ہے کہ

طلب حکومت | "حکومت دنیوی کی نسبت حدیث مین ہے کہ جس کی دس آدمیون پر حکومت ہوگی قیامت مین اس کو مشکین کس کر لایا جائے۔ اگر جہ اس کے بعد چھوٹ ہی جائے۔ آج اس حکومت کی درخواست کی جاتی ہے اس کے لیئے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی کہتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم مین اگر صاحب حکومت نہ ہون گے تو قوم تباہ ہو جائے گی"

آگے ذرا اس قسم کے طالب حکومت کان کھول کر سن لین کہ

"ہم کہتے ہین کہ ہم مین حاکم ہون، لیکن کون شخص ہو اس کا فیصلہ خود حدیث مین موجود ہے۔ حضور فرماتے ہین کہ القضاۃ ثلثۃ اثنان فی النار و واحد فی الجنۃ اور اس واحد کو عالم باعمل بتلایا گیا ہے، (نہ یہ کہ صرف جمعیۃ العلماء یا جمعیۃ علمائے اسلام کا رکن ہو یا کسی عربی درسگاہ کا فارغ التحصیل) تو حکومت ضروری ہے، لیکن حکومت کے لیئے عالم باعمل ہونا چاہیئے.... دوسری ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست نہ کرے۔ کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خود غرض ہوگا اور نفسانیت سے کام کرے گا۔ اس کو لوگون کی مصلحت پر ہر گز نظر نہ ہوگی بلکہ اپنی مصلحت پر ہوگی، اور اس سے جتنی خرابیان پیدا ہون وہ کم ہین۔

"حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے قضا کا عہدہ قبول کرنے کے لیئے کہا۔

Marfat.com

انھون نے انکار کیا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہین کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ سب ہی انکار کر دین۔ اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ سلف صالحین حکومت کو کیسا سمجھتے تھے۔ اور حقیقت مین ایسا ہی شخص کام کر سکے گا[1]

اللہ اکبر کیا اور کہان نظر تھی ہمارے سلف صالحین کی اور کس اسفل السافلین مین ہم جا گرے ہین کہ ادنیٰ ادنیٰ عہدہ پر اس طرح گرتے ہین جس طرح مکھیان غلاظت پر گرتی ہین۔ اسی نے آج کل حکومت کو سراپا شر و فساد ہی نہین، بلکہ اس کی عزت کو وہی "سواری خر و فوج طفلان" والی بے حسی و بے حیائی کی عزت بنا دیا ہے۔

آخرت فراموشی | مطلب یہ کہ حکومت جس کو دنیا مین سب سے بڑی ترقی و عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، اس کی اہلیت و صلاحیت کی شرط بھی یہی ہے کہ نظر خود اس حکومت پر نہین بلکہ آخرت پر ہو۔ لیکن اس آخرت فراموشی مین غیرون کا کیا ذکر خود اپنا یہ حال ہے کہ گو

> "مسلمان ایسا تو کوئی نہین، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آخرت کوئی چیز نہین مگر حالت ضرور ایسی ہے کہ ان کے برتاؤ و معاملات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی منکر ہو۔ کیونکہ جتنی محبت دنیا کی ہے آخرت کی وہ محبت اور شوق نہین۔ دنیا مین قیام کی بابت کیا کیا خیالات پکاتے ہین کہ یون رہین گے

---

[1] الرفیق ص۱۳۳

Marfat.com

یون کرین گے جائدار ہوگی ملازم ہون گے، ڈپٹی کلکٹر ہون گے وغیرہ وغیرہ
"انصاف سے دیکھو آخرت کے متعلق کبھی ایسی امنگین ہوتی ہین کہ مرجانے کے
یون جنت ہوگی اس مین باغات اور مکانات ہون گے، حوریں ہون گی
غالبًا کبھی بھی یہ امنگین نہین ہوتین، بلکہ خیال بھی بہت ہی کم آتا ہے تو دنیا کی
جس قدر محبت ہے، نہ آخرت کی وہ محبت نہ وہان جانے کا اتنا شوق۔ ورنہ
جیسے یہان کی زندگی کے متعلق دل مین خیالات پیدا ہوتے ہین، وہان کی زندگی
کے بھی تو ہوتے۔ اور جیسے دنیاوی امور مین غلطان پیچان رہتے ہین اور یہان
خوشیون مین کھیے رہتے ہین ایسا ہی امور آخرت کے متعلق بھی کچھ ہوتا....
"پھر جیسے یہان کی تکلیف کو سوچ کر تدبیر سوچتے ہو کہ شاید فلان تدبیر
سے یہ مصیبت کٹ جائے یا فلان تدبیر سے مشکل آسان ہوجائے ایسے کبھی آخرت
کی مصیبت کو بھی سوچا ہے۔ حالانکہ دنیا کے مصائب تو بعض ایسے ہین کہ انکی
کوئی تدبیر ہی نہین۔ اس لئے اس کو سوچنا ہی عبث ہے، مگر پھر بھی سوچتے ہو اور آخرت
کی تو کوئی مصیبت بھی ایسی نہین جو لاعلاج ہو، ہر مصیبت کی تدبیر موجود
ہے، لیکن پھر بھی اس کا ذکر نہ فکر...."

آخرت کی خوشی وغم | "بہرحال اگر کوئی دنیا کی خوشیان مناتا ہے تو یہ
شکایت ہے کہ آخرت کی خوشیان کیون نہین منائی جاتین اور اگر کوئی یہان
غم مین رہتا ہے تو اس کی شکایت ہے کہ آخرت کا غم کیون نہین کیا جاتا
اور اگر کوئی خوشی منانے والا کہے کہ آخرت کی خوشی کہان سے منائین،
اس کی ہمین امید ہی کہان ہم تو گنہگار ہین اور دنیا کی خوشی تو حاضر ہے

Marfat.com

اس کو کیسے دمنائین تو یہ شیطان کا دھوکا ہے - اس مین دو دعوے ہین اور دونون غلط - اوّل یہی غلط کہ دنیا کی خوشی حاضر ہے، دوسرا بھی غلط کہ آخرت کی خوشی کہان -

"پہلا تو اس لیئے غلط کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یون ہوتا ہوگا، یون ہین کرینگے تو یہ تمھارے قبضہ مین کہان، ہزارون آدمی ایسے ہین کہ وہ سوچتے کچھ ہین اور ہوتا کچھ ہے - پھر اگر خوشی ہوئی بھی تو تجربہ ہے کہ تمنائین ہمیشہ تعداد مین حاصل یا حاضر سے بڑھی ہوتی ہین یعنی حاصل ہوتا ہے کم اور تمنا ہوتی ہے زیادہ، تو جس کی تمنا جس قدر زیادہ ہوگی وہ ہمیشہ اسی قدر زیادہ غم مین رہے گا - اللہ والے البتہ خوش رہتے ہین، اس لیئے کہ وہ دنیا کی کچھ تمنا ہی نہین کرتے - اولاد ہوئی اس پر خوش، نہ ہوئی اس پر خوش، ہر حال مین راضی - اور دنیادارون کو خوشی کہان واللہ راحت جس کا نام ہے (یعنی راحت قلب) اگر وہ حاصل نہ ہوئی تو پھر اس کا جتنا سامان ہوگا اتنا ہی زیادہ موجب تکلیف اور موجب حسرت ہوگا - لوگ روپیہ، پیسہ کو راحت سمجھتے ہین، حالانکہ راحت روپیہ پیسہ نہین ورنہ چاہیئے تھا کہ صندوق کو (جس مین وہ رہتا ہے) زیادہ راحت ہوتی - مگر یہ لوگ صندوق سے بھی بدتر ہین، کیونکہ اس کو ادراک الم کا تو نہین اور یہ لوگ آلام مین مبتلا ہین تو معلوم ہوا کہ دنیادار بہت کم آرام مین ہین"

آخرت کی بڑی سے بڑی خوشی اختیاری ہے | اور دوسری بات یہ کہ

Marfat.com

آخرت مین کون سی خوشی ہے۔ اس لیئے غلط ہے کہ وہ بعد وعدۂ الٰہیہ کے تمھارے اختیار مین ہے آخرت کی کوئی راحت بھی ایسے نہین جو تمھارے اختیار مین نہ ہو۔ خدا کی یہ رحمت ہے کہ آخرت کی کتنی بڑی سے بڑی نعمت ہو وہ باستثنائے منصوص مثلاً درجات نبوت سب اس کے اسباب کی مباشرت یا اختیار کرنے سے ضرور پوری ہوتی ہے۔ مثلاً اگر چھوٹے درجہ کا عاصی و گنہگار آدمی بڑے درجہ مثلاً حضرت جنیدؒ کے درجہ مین جانا چاہے تو جا سکتا ہے، اس طرح کہ اپنے اعمال مین ترقی کرے تو بس وہان تو خوشی ہی خوشی ہے، جو بالکل اپنے اختیار مین ہے۔

تو اس کی فکر کرو اور اس کی امنگین پیدا کرو اور اس کی تدبیر کرو یعنی معصیت کو چھوڑ دو، نمازین پڑھو جو اب تک چھوٹ گئی ہین انکی قضا کرو، زکوٰۃ دو (اسی طرح تمام اختیاری احکام کی پابندی کرو) اس کے بعد سب خوشی تمھارے ہی واسطے ہے، اور تم کو حق ہے کہ خوشی مناؤ۔"

"اسی طرح اگر کوئی مصیبت زدہ کہے کہ یہان کی مصیبت تو حاضر ہے اس لیئے اس کا اہتمام ہے اور وہان تو اللہ غفور رحیم ہے پھر کیون غم کرین تو سمجھو کہ یہ بھی شیطان کا دھوکا ہے، غفور رحیم نے یہ وعدہ کہان کیا ہے کہ خواہ تم کچھ ہی کرو مین تم کو جنت مین بلا عقوبت اول ہی بار داخل کر دون گا۔" (الرفیق صفحہ ۳۲ و صفحہ ۳۹)

آخرت کی سعی مین ناکامی نہین جس طرح آخرت کی بڑی سے بڑی خوشی کا حاصل کر لینا آدمی کے خود اپنے اختیار کی بات ہے، اسی طرح آخرت کی سعی مین ناکامی و نامرادی کا بھی قطعاً احتمال نہین کیونکہ وہ کی کامیابی نام ہے اپنے اختیار و امکان بھر خدا کی رضا و ثواب کے حصول

Marfat.com

کی نفس سعی کا، نہ کہ کسی خاص نتیجہ تک پہونچنے کا۔ اگر کوئی شخص نماز جماعت کے ارادہ سے گھر سے چلا اور مسجد پہونچنے سے پہلے ہی راستہ مین اچانک مرگیا، تو اس کے ثواب مین قطعًا کوئی کمی نہ ہوگی کہ اصل مطلوب طلب ہے حصول نہین۔ حتیٰ کہ بیماری آزاری کی معذوری مین آدمی کا وہ سابق نیک عمل لکھا جاتا ہے جو صحت و تندرستی مین کرتا تھا۔ بخلاف دنیوی سعی کے کہ مثلاً ایک شخص نے اپنے لڑکے کو وکیل بنانے کے لیئے ۲۰، ۲۵ سال تک پڑھوایا لکھوایا ہزارون روپیہ خرچ کیا، لیکن جس دن امتحان مین اس کی کامیابی کا نتیجہ نکلا اسی دن خدانخواستہ گھر سے اس کا جنازہ نکلا، تو فرمایئے اس غریب کی عمر بھر کی محنت و مشقت اور والدین کے سیکڑون ہزارون کے خرچ کا دنیا و آخرت کے خسران کے سوا کیا نتیجہ نکلا!

"غرض دنیا کی یہ حالت ہے کہ کوشش ہے کبھی تو حاصل ہوتی ہے (بلکہ دل بھر کر پوری کبھی کسی کو بھی حاصل نہین ہوتی) اور کبھی کوشش ناکام ہوجاتی ہے۔ اور آخرت کے لیئے سعی کسی حال مین ناکام نہین۔ اگر کوئی شخص کسی عمل آخرت کا اہتمام کرے اور وہ حاصل بھی نہ ہو یا پورا نہ ہو، جب بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔ یہان سے عوام کی ایک اور غلطی بھی معلوم ہوگئی کہ جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن صحیح کرلو تو جواب مین کہتے ہین کہ اب بوڑھے طوطے کیا پڑھین گے۔ یہ جواب بالکل غلط ہے۔ آپ کا کام صرف کوشش ہے۔ صحت ہو یا نہ ہو۔ اگر تم کوشش مین لگ جاؤ پھر کامیابی کا درجہ حاصل نہ ہو تب بھی ثواب

Marfat.com

سلے گا۔ بلکہ دونا ثواب ملے گا۔ ایک محنت کا اور ایک ناکامی کی حسرت کا، یا یہ کہو کہ ایک پڑھنے کا اور ایک زیادہ مشقت کا اور ناکامی پر ثواب ملنے سے حیرت نہ کیجئے۔ حدیث مین تصریح ہے والذی یتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران یعنی جو قرآن مین اٹکتا ہے اور وہ اس پر دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اس کو دو اجر ملین گے۔ اسی بنا پر اہل اللہ نے ناکامی کو سبب ثواب قرار دیا ہے۔

" حضرت رابعہ نے جب حج کیا تو حج سے فارغ ہوکر جناب باری مین عرض کیا کہ مین نے حج کرلیا اب ثواب دیجئے خواہ حج قبول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر قبول ہوا ہو تب تو حج مبرور پر ثواب دینے کا آپ کا وعدہ ہی ہے اور اگر قبول نہین ہوا تو یہ سخت مصیبت ہے کہ ؎

از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رفتم

اور مصیبت زدہ کے لیئے بھی آپ نے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیئے بہرحال ثواب دینا پڑے گا۔ اور حضرت رابعہ نے جو یہ عنوان اختیار فرمایا یہ ناز کا مقام ہے، جو ہر ایک کا مقام نہین۔ ہمارے لیئے تو نیاز ہی زیبا ہے کہ۔ ع ۔ زشت باشد روئے نازیبا و ناز۔

بے شک یہ ناز تو مقام نازہی والون کو زیبا ہے۔ لیکن ہم گنہگار بھی اگر راستہ چلتے رہتے ہون خواہ گرتے پڑتے سہی تو اس کی رحمت کے سہارے ایسی صورت کو اپنا مقام رجا تو بنا ہی سکتے ہین۔

نامرادی مین بھی مزہ اور یہ مضمون سالکین کے بڑے کام کا ہے کہ

Marfat.com

دین کے راستہ مین اگر کوشش ناکام بھی ہو یا کمزور ہو جب بھی اجر ملے گا.... اگر تم نے قرآن صحیح کرنے کی کوشش کی اور نہ ہوا تو حرج کیا ہے خدا تو راضی ہو گیا۔

" ہمارے ایک مجمع نے ایک موقع پر ایک دینی کام کی کوشش کی تھی اور ناکام رہے تو ایک بد دین نے اعتراض کیا کہ ان لوگون کو کیا حاصل ہوا۔ ایک اللہ کے بندہ نے جھلا کر جواب دیا۔

سودا قمار عشق مین شیرین سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منھ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مولانا فرماتے ہین ؎

گر مرادت را مذاق شکرست — بے مرادی نے مراد دلبرست

مراد مین تو مزہ ہے ہی نامرادی مین بھی ایک مزہ ہے وہ یہ کہ محبوب نے تو دیکھ لیا کہ ہم نے کس کو طلب کیا تھا اور وہ نہین ملا ؎

ہمین بسکہ داند ماہ رویم
کہ من نیز از خریداران اویم[1]

حقیقت یہ ہے کہ " با آخرت " و " بے آخرت " یا دین و بے دینی کی دنیا کے رنج و راحت، خوشی و غم مین یہ بڑا زمین و آسمان کا فرق ہے کہ دینی زندگی کی سعی و طلب کا ہر قدم عین منزل و مراد اس لیے عین کامیابی ہے اور بے دینی کی زندگی اپنی سعی و طلب کی اگر مظنون و مشکوک مراد تک پہونچی

---

[1] وعظ الغانی ص۱۵ و ۱۶ ۱۲

Marfat.com

تو بیگار یا بے مزد کی مزدوری و مشقت کے حرمان و حسرت کے سوا کیا ملا۔ تجارت مین آخرت یا خدا کے احکام و رضامندی کو پیش نظر رکھنے والے کو اگر خسارہ بھی رہا تو ظاہری و عارضی خسارہ ہے، لیکن اگر بے آخرت والے کی تجارت بیٹھ گئی تو اس کا کلیجہ ہی پھٹ جاتا ہے پھر جب انسان کی دنیا وی خواہشون اور ارمانون کا قدم ہمیشہ اس کی کامیابیون سے آگے ہی رہتا ہے، تو عقل و تجربہ دونون سے معلوم و مشاہد ہے کہ دنیا کا کامیاب سے کامیاب آدمی بھی ناکامی ہی کے غم مین مرتا ہے کہ

ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غرض اگر اس زندگی کا دامن آخرت سے کاٹ دیا جائے تو پھر نہ اس کے غم اور آلام و مصائب کی کوئی حد رہتی ہے۔ اور نہ اس کی خوشیان خوشیان رہتی ہین الا آنکہ کوئی بے حس و بے حیا "حلوہ خوردن مفت" اور "سواری خرد فوج طفلان" ہی کو عزت کا معیار بنا اور سمجھ لے!

بخلاف اس کے دین و آخرت کے تعلقات و تصورات کو جس پہلو سے بھی دیکھو وہ مسرت تو مسرت مصیبت مین بھی مسرت کی چاشنی پیدا کر دیتے ہین۔ اولاد کی موت سے بڑھ کر کون سا حادثہ جانکاہ ہوگا۔ جس کے بدلے آدمی خود مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن

"اگر آخرت یا دین کو دنیا کی کوئی تکلیف سر لئے کی دو روزہ تکلیف سے زیادہ نہین سمجھتی اور وطن اصلی کو یاد کر کے راحت ہو جایا کرتی خواہ

Marfat.com

کتنی ہی بڑی مصیبت ہوتی۔ مثلاً اس شخص کا پیارا بچہ مرجاتا ہے، تب بھی اس کو پریشانی نہ ہوتی۔ اگر کوئی شخص سفر مین ہو اور اس کا کوئی بچہ گم ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ گھر چلا گیا ہے جہان مین بھی جارہا ہون تو کیا وہ روئے پیٹے گا۔ ہرگز نہین۔ بلکہ یہ معلوم ہوکر اطمینان ہوجائیگا کہ اب کوئی دن مین مین بھی اس سے جاملتا ہون۔ تو اگر آخرت کو ہم اپنا وطن سمجھتے تو اولاد کے جاتے رہنے پر اتنا بڑا قصہ لے کر نہ بیٹھا کرتے۔"

البتہ عارضی مفارقت کا غم ایسی صورت مین طبعًا و قدرۃً ہوگا، جیسے سفر کا کوئی رفیق وطن ہم سے پہلے پہنچ جائے تو رفاقت کی اس عارضی جدائی کا طبعی رنج ہوگا، لیکن ساتھ ہی خوشی بھی کہ وہ اپنی آرام کی جگہ جا پہونچا اور اس سے تسلی ہوگی کہ ہم بھی عنقریب اس سے جاملنے والے ہین۔ اسی کو آگے فرمایا کہ

"جدائی کا غم ہوتا ہے، سو اس کا مضائقہ نہین، اس کی اجازت ہے۔ لیکن جیسے جدائی کا غم ہوتا ہے تسلی بھی تو ہونی چاہیے کہ وہ اپنی راحت کی جگہ پہنچ گیا، ہم بھی وہین جائین گے اور مل لین گے۔ خدا تعالیٰ نے یہی مضمون اس آیت کے دوسرے جملہ مین سکھلایا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی جو چیز گئی خدا کے پاس گئی اور ہم بھی خدا کے پاس جائین گے اور سب کے سب جمع ہوجائین گے تو اس کو سوچ کر تسلی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن اب تو وہ مار دھاڑ ہوتی ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے ان کی جائداد چھین لی۔

Marfat.com

بڑی بھاری غلطی " پس بڑی بھاری ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے، اس لیئے یہان سے جدا ہونے کا رنج و غم ہوتا ہے ورنہ جب آدمی سفر مین جاتا ہے تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے خوشی بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہان یہ حالت ہے کہ جون جون مرنے کے دن قریب آتے ہین روح فنا ہوتی ہے۔ بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کو اس کا ذرا غم نہین ہوتا، نہ اپنے مرنے کی پروا ہوتی ہے نہ اولاد کے مرنے کی۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ جہلا کو ان کے سنگدل ہونے کا شبہہ ہو جاتا ہے۔ ان سے زیادہ تو کوئی رحم دل ہی نہین ہوتا۔ مگر اس پریشانی نہ ہونے کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہین، اس لیئے ان کو اولاد کے مرنے کا غم اتنا ہی ہوتا ہے، جتنا سرائے سے لڑکے کے گھر چلے جانے پر مسافر باپ کو ہوتا ہے کہ ایک گونہ مفارقت سے قلق ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ خود مرنے کے قریب ہوتے ہین تو خوشیان مناتے ہین جس طرح سفر سے واپس آتے گھر کے قریب پہونچکر خوشیان منائی جاتی ہین۔ اسی خوشی کو ایک بزرگ کہتے ہین۔

خرم آن روز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم وزپئے جانان بروم
نذر کردم کہ گر آید بسرم ین غم روزے
تا درمیکدہ شادان و غزل خوان بروم

احقر راقم نے خود اپنی آنکھون حضرت مولانا محمد حسین صاحب حیدر آبادی رحمہ اللہ

Marfat.com

علیہ (جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے) کے اس حال کو دیکھا کہ موت کے لیئے بیتاب معلوم ہوتے تھے۔ کبھی کبھی فرماتے کہ خودکشی حرام نہ ہوتی تو اب ضبط نہیں کر سکتا تھا۔ احقر کے علاوہ بھی حیدرآباد مین حضرت موصوف کے اس حال کے دیکھنے والے اور جاننے والے بہت سے موجود ہین۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اسی طرح مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی قدس سرہ کا حال نقل فرمایا ہے کہ "ایک شخص نے کہا کہ حضرت اب تو آپ بوڑھے ہو گئے، آپ نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ اب وقت قریب آیا۔"

"مگر ان حکایات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کو اپنے اعمال پر ناز ہوتا ہے، اس لئے اعمال کا مواخذہ نہ ہونے سے خوش رہتے ہین۔ استغفر اللہ ناز کی مجال کس کو ہے۔ بلکہ خوشی صرف اس لیئے ہوتی ہے کہ وہ آخرت کو گھر سمجھتے ہین۔ رہی یہ بات کہ ان کو اپنے داروگیر کا اندیشہ ہوتا ہے یا نہین، تو سمجھو کہ اندیشہ ضرور ہوتا ہے، لیکن رحمت خداوندی سے امید بھی ہوتی ہے کہ انشاء اللہ پھر چھوٹ جائین۔ جیسے کسی کا گھر ٹوٹا پھوٹا پڑا ہو اور سرائے کا نہایت پختہ ہو تو وہ اپنے گھر ہی کو پسند کرے گا اور سوچے گا کہ اگرچہ اس وقت میرا گھر ٹوٹا پھوٹا ہے۔ لیکن انشاء اللہ تعالے اس کو پختہ کرلون گا۔ اسی طرح اگرچہ ان کو اندیشہ ہوتا ہے، مگر جانتے ہین کہ ایمان کی سلامتی ہے تو ضرور رحمت ہوگی۔ غرض وطن سے طبعی محبت ہوتی ہے گو وہان کچھ تکلیف بھی ہو۔ تو کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ ان کو ناز ہوتا ہے۔"

علیٰ ہذا اگر سرائے پختہ نہ ہو اس مین راحت کا سامان نہ ہو یعنی سفر آرام سے

Marfat.com

نہ گذر رہا ہو، لیکن آدمی چونکہ سفر کو سفر ہی اور سرائے کے قیام کو عارضی وچند روزہ ہی جانتا ہے، اس لیے اس کی تکلیف کی چنداں پروا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس زندگی کی سرائے دنیا میں بھی

"سارے غم اس لیے ہیں کہ دنیا کو گھر بنا رکھا ہے۔ ورنہ اس کو گھر نہ سمجھتے تو کوئی غم بھی نہ ہوتا۔ دیکھو جب کبھی سفر میں جاتے ہیں اور کسی سرائے میں قیام ہوتا ہے تو وہاں کی چارپائی ہیں کبھی کھٹمل ہوتے ہیں کبھی ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے۔ مگر سوچتے ہیں کہ ایک شب تو قیام ہی کرنا ہے، جس طرح ہو گذار دو۔۔۔۔ یہی حال دنیا کی تکلیفوں کا ہے۔ سو اگر آپ دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھتے تو اسی طرح اس کے ساتھ بھی برتاؤ ہوتا ہرگز اس کے متعلق ہر وقت تذکرہ نہ ہوتا، نہ اس کا اس قدر سلسلہ گھسیٹتے۔ بلکہ ہر بات میں زبان پر یہ ہوتا کہ ہمارا گھر آخرت ہے وہاں چین وآرام کریں گے۔ یہاں کی ذرا سی تکلیف کیا ہے[1]"

دنیا کو گھر بنانے کی حماقت کی ذرا اور تفصیل سن لیں، جس کی بدولت یہ ساری مصیبت ہے۔

"ہم جو دنیا میں چاہتے ہیں کہ یہ بھی ہو جائے وہ بھی ہو جائے یہ ایسا ہی ہے، جیسے سرائے میں کوئی یہ تمنا کرے کہ یہاں جھاڑ فانوس سب لگا دیئے جائیں اور پھر اپنی کمائی سے خرید کر لگا بھی دے تو کتنی بڑی حماقت ہے خاص کر جب یہ بھی حکم ہو کہ مثلاً چار دن سے زیادہ کوئی اس سرائے میں

---

[1] الرفیق ص ۳۶ و ۳۷ ۱۲

Marfat.com

قیام نہین کر سکے گا - اس وقت تو اپنی کمائی دہان کی آسائش مین لگانا پورا خلل دماغ ہے - اور دنیا ایسی ہی محدود قیام کی سرائے ہے جس کے بعد بلا اختیار یہان سے نکل جانا پڑے گا - اول تو سرائے قیام اگر اختیاری ہو تب بھی یہی ہونا چاہیئے کہ اس کے ساتھ گھر کا سا معاملہ نہ کرے اور جب اختیاری بھی نہ ہو تب تو ہرگز بھی اس مین دل نہ لگانا چاہیئے بلکہ اس سے تو حش رہنا چاہیئے -

الدنیا سجن المؤمن کے معنی

اور یہی معنی ہین میرے نزدیک الدنیا سجن المؤمن[1] کے - لوگون نے اس حدیث کے مختلف معنی کیے ہین مگر مین کہتا ہون کہ جیلخانہ تکلیف وغیرہ کی وجہ سے نہین فرمایا - کیونکہ بعض مومنین کو دنیا مین ذرا بھی تکلیف نہین ہوتی - بلکہ اس لیے فرمایا کہ جیلخانہ مین کبھی جی نہین لگا کرتا، اگرچہ کیسا ہی عیش ہو تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا مین اس کا جی نہ لگے - کیونکہ جی لگنے کی جگہ گھر ہے - پھر جب جی نہ لگے گا تو کیون سوچے گا کہ یون ہو یہ ہو اور وہ ہو - بلکہ اب یہ سوچے گا کہ دنیا تو پردیس ہے یہان جس طرح بھی گذر جائے "

لیکن اس کا یہ مطلب نہین کہ وہ اپاہج اور بے عمل ہو جائے گا، بلکہ اس کا سارا فکر و عمل اصلی گھر کی آرام و آسائش اور اس کے بناؤ سنگار کی طرف متوجہ ہو جائے گا -

---

[1] دنیا مومن کے لیئے جیلخانہ ہے ۱۲

Marfat.com

"اور دنیا کی سوچ کے بجائے اب یہ ہوگا کہ آخرت کی سوچ ہوگی کہ اس کے لیئے یہ سامان ہونا چاہیئے یہ فکر ہونا چاہیئے اپنے نفس کی اصلاح ہونی چاہیئے (قدم قدم پہ حق و شریعت کے موافق عمل ہونا چاہیئے) اگر یہ سامان ہوگیا تو پھر یون بہار ہوگی یون عیش ہوگا، ورنہ یون مصیبت ہوگی یون پریشانی ہوگی۔ اب دیکھ لو کتنے آدمی ہین جو یہ سوچتے ہین دنیادار تو الگ رہے دیندار دن کو بھی آخرت کے متعلق نہ امنگین پیدا ہوتی ہین نہ اندیشے۔ خدا تعالیٰ صاف صاف فرماتے ہین یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ[1]

آخرت کو گھر سمجھنے کا اثر دیکھو ایک دن کا سفر ہوتا ہے تو اس مین ناشتہ بھی ہمراہ لیا جاتا ہے اور سامان بھی ہوتا ہے۔ آخرت کا اتنا بڑا سفر درپیش ہے اس کے لیئے کیا زادراہ تیار کر رکھا ہے، بالخصوص جب کہ وہ وطن اور گھر بھی ہے تو اس صورت مین تو اس کے لیئے بہت کچھ سامان ہونا چاہیئے تھا یعنی قطع سفر کے لیئے زاد و ناشتہ اور گھر پہ بیٹھنے کے لیئے کمائی اور ذخیرہ۔

"پس ایک اثر تو گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیئے تھا اور دوسرا اثر یہ ہونا چاہیئے کہ دنیا کے حوادث سے غم نہ ہوتا نہ اپنے واسطے نہ لگے سگے کے واسطے۔ گھر تو وہان ہے۔ اب جو موت سے ہم کو موت آتی ہے یہ صرف اس لیئے

---

[1] اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر آدمی کو چاہیئے کہ وہ غور کرے سوچے کہ کل کے لیئے اس نے کیا تیاری کی ہے ۱۲

Marfat.com

کہ اس کو گھر نہین سمجھتے، بلکہ موت کے خیال سے ایسی حالت ہوتی ہے، جیسے کسی کو جیلخانے مین لیجاتے ہون۔

"ہمارے حضرت (حاجی امداد اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بوڑھا شخص آیا کہ میری بیوی مرتی ہے۔ حضرت فرمانے لگے اچھا ہوا جیلخانہ سے چھوٹتی ہے۔ کیون غم کرتا ہے، تو بھی چلا جائے گا۔ کہنے لگا روٹی کون پکائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ماں کے پیٹ سے روٹی پکاتی ہوئی آئی تھی۔

"تو موت کے متعلق اس تمام رنج و کرب کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ آخرت کو بھولے ہوئے ہین، ورنہ اگر وہ یاد ہوتی تو موت کا کیا غم ہوتا۔

"اور ایک اثر آخرت کو گھر سمجھنے کا یہ ہونا چاہیے تھا کہ کسی سے رنج و عداوت نہ ہوتا۔ اگرچہ معمولی طور پر کسی بات پر لڑائی بھی ہو جایا کرتی۔ دیکھو ریل مین مسافرون مین لڑائی تو ہوتی ہے۔ مگر یہ نہین ہوتا کہ سفر کے سامان کو چھوڑ کر کسی سے الجھنے لگین۔ کیونکہ جانتے ہین کہ اس سے سفر کھوٹا ہوگا۔ مگر اس طرح دنیا کے فضول قصون مین کسی نے سوچا ہے کہ ان مین پھنسنے سے آخرت کا سفر کھوٹا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کو گھر نہین سمجھتے۔

نیز اگر آخرت کو گھر سمجھتے تو دنیا کے سامان پر اتنا یا نہ کرتے۔ اگر سفر مین کہین سے بند کسا ہوا پلنگ ملے تو کوئی بھی اس پر اترانا نہین کیونکہ جانتا ہے کہ یہ تو مانگی ہوئی چیز ہے۔ اور ہماری یہ حالت ہے کہ

Marfat.com

اگر ہمارے پاس چار پیسے ہون تو ہم ان پر اتراتے ہین ۔(المرفیق ص ۳۸ و ۳۹)

ایک اور پہلو | یہ ہے کہ آدمی ہر کام کم و بیش تجارت کے نقطۂ نظر سے کرتا ہے۔ یعنی جس کام مین مال و محنت اور وقت کا جو کچھ سرمایہ لگاتا ہے، تو اس کے مقابلہ مین زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لیئے اور جتنا زیادہ نفع یا نفع کی امید ہو اتنا ہی مال و وقت کے لگانے اور محنت و مشقت اٹھانے مین کلفت کم اور مسرت زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ تاجر کی تاجرانہ ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ کاروبار مین جو مصیبت و مشقت وہ اٹھاتا ہے اگر دلخواہ اس کا نعم البدل یعنی بہترین بدل مل جائے تو وہ اس مصیبت کو سرے سے خاطر ہی مین نہین لاتا، نہ اس کو مصیبت محسوس کرتا ہے الجبر بالصبر نام وعظ مین آیت یا ایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسرٰے ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یوتکم خیرا مما اخذ منکم ویغفر لکم[1] کے تحت مصیبت کی اسی حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ وہ دراصل تجارت ہے۔ ارشاد ہے کہ

مصیبت کی حقیقت تجارت ہے | آیت سے یہ قاعدہ مفہوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر مصیبت کا نعم البدل ہے۔ اور اس قاعدہ کو ملحوظ رکھ کر ایک اور حقیقت واضح ہوئی کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے یہی حقیقت ہماری نظر سے غائب ہوتی ہے۔ اس لیئے مصیبت سے رنج

---

[1] اے نبی تمھارے قبضہ مین جو قیدی ہین ان سے کہو کہ اگر اللہ کے علم مین تمھارے دل مین نیکی ہے تو وہ تم کو اس سے بہتر دولت دیگا، جو تم سے لی گئی ہے اور تمھاری مغفرت فرمادے گا ۱۲

Marfat.com

زیادہ ہوتا ہے۔۔۔ تو صاحبو اگر مین یہ ثابت کر دون کہ واقعات رنج و مصیبت تمام تر تجارت ہین، اور تجارت بھی ایسی جس سے بڑھکر نفع کسی تجارت مین نہین ہوتا، تو کیا پھر بھی وہ شیون باقی رہے گا۔ مین رنج طبعی کا مانع و منکر نہین جو فطری طور پر ہوتا ہے، بلکہ طبعی رنج تو ہونا چاہیئے، ورنہ ثواب واجر ہی نہ ہوگا۔ مگر واقعات رنج و مصیبت کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد رنج عقلی نہ ہونا چاہیئے۔

چار قسم کے حالات

خلاصہ یہ کہ حالات کی دو قسمین ہین گوارا اور ناگوار۔ اور پھر ان مین سے ہر ایک کی دو قسمین ہین اختیاری و غیر اختیاری یہ کل چار قسم کے حالات ہوئے، جن مین سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا حقوق ہین۔ اور مومن اگر ان حقوق کو ادا کرتا ہے تو اس کو نعم البدل ملتا ہے، اس لئے مومن کسی حالت مین بھی نقصان مین نہین۔ بلکہ ہر حالت مین نفع ہے۔ اسی لیئے حدیث مین ہے، کہ نعم الرجل المؤمن ان اصابتہ سراء حمد وان اصابتہ ضراء صبر وفی کل اجر وکما قال۔ یعنی مومن آدمی بڑی اچھی حالت مین ہے، اگر اس کو راحت پہونچتی ہے حمد و شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہونچتی ہے صبر کرتا ہے اور ہر ایک مین اجر ملتا ہے۔ یعنی شکر مین بھی اور صبر مین بھی۔

امور غیر اختیاریہ مین اجر کی وجہ

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امور غیر اختیاریہ مین جو اجر ہے، وہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو اختیاراً

Marfat.com

اس وقت مومن سے صادر ہوتے ہین - یعنی راحت مین حمد جس کی حقیقت یہان شکر ہے اور وہ ایک عمل ہے جو حق تعالےٰ کے حضور مین پیش کیا - اس کے عوض مین اجر ملتا ہے - اور مصیبت مین صبر کرنا بھی ایک عمل ہے، جس اجر ملتا ہے - بس دونون صورتون مین نعم البدل اس عمل پر ملا جو اختیاری ہے -

البتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا و معاملہ کرنے مین وہ نفع و نعم البدل یا اجر ملتا ہے کہ اعددت لعبادی الصالحین ملاعین سرات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (یعنی مین نے اپنے نیکوکار بندون کے لیئے جو کچھ تیار کر رکھا اس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی بشر کے دل مین خیال آیا) لہٰذا نماز روزہ حج زکوٰۃ جملہ اعمال صالحہ کا بجالانا بھی ایک تجارت ہوئی، جس کی شان یہ ہے کہ

خود کجا یابد این چنین بازار را کہ بیک گل می خرد گلزار را
نیم جان بستاند و صد جان دہد آنچہ در ہمت نہ آید آن دہد

اور اگر عبادت کا تعلق احوال سے ہو تو وہ بھی تجارت ہے، جس کے بارے مین اللہ تعالیٰ نے صراحۃً لفظ ارشاد فرمایا ہے ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ جس مین تجارت کی حقیقت پر صاف طور سے تنبیہ ہے - وقال تعالیٰ فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ ---- وقال تعالیٰ اولئک الذین

Marfat.com

اشتروا الضلالة بالهدی فما ربحت تجارتهم وما کانوا مهتدین وقال تعالیٰ بئس ما شروا به انفسهم لو کانوا یعلمون چونکہ تجارت کی طرف طبائع عام طور سے راغب ہین، اس لیئے تجارت کا عنوان اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا کہ تم جو اعمال کرتے ہو وہ درحقیقت ایک تجارتی معاملہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم کر رہے ہو۔

"افسوس نماز کو ہم لوگون نے اس لیئے مصیبت سمجھ لیا ہے کہ اس کی حقیقت نہین سمجھی اگر ہم یہ سمجھ لین کہ اس کی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز دیدی اور ایک لے لی تو کبھی گرانی نہ ہو اور نہ اس کو بیگار کی طرح ٹالا جائے۔ بلکہ جس طرح تاجر اپنے مال کو صاف ستھرا رکھتا ہے اور خوبصورت بناکر خریدار کو دیتا ہے، اسی طرح ہم بھی نماز کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا کرتے۔

غرض آخرت کے یقین و اعتقاد کے ساتھ ایمان و عمل کی ساری زندگی ایک ایسی تجارت بن جاتی ہے، جس مین نفع کی کوئی انتہا نہ گھاٹے کا کوئی امکان لیکن یہان خصوصیت سے مصائب کے متعلق گفتگو ہے۔ اس لیئے

"سنیئے احادیث مین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب مین بھی تجارت کے الفاظ حضور نے ارشاد فرمائے ہین۔ چنانچہ آپ کی صاحبزادی کا بچہ مرنے لگا انھون نے حضور کو بلایا تو آپ نے فرمایا ان للہ ما اخذ وللہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمّٰی فلتصبر ولتحتسب

Marfat.com

کرا شد ہی کا۔" جو کچھ دیا اور اللہ ہی کا ہے جو لے لیا پس صبر کرین اور ثواب کی امید رکھین۔ یہان اخذ و اعطاء (یعنی لین دین ہے) اور لین دین ہی تجارت کی حقیقت ہے۔

عجیب تجارت کہ سرمایہ بھی خریداری کا

البتہ مومن کے لیے اس تجارت کی ایک اور ایسی عجیب و غریب خصوصیت ہے، جو دنیا کی کسی تجارت مین نہین پائی جاتی کیونکہ دنیا کی تجارت مین یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی چیز دیتا اور دوسرے کی لیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی تجارت ہے کہ جو چیز دی وہ بھی دراصل انھین کی تھی اور جو اس کے بدلے مین ملی وہ بھی انھین کی۔ ایسا خریدار کون ہوگا جو سرمایہ بھی ہم کو خود ہی دے اور پھر زیادہ سے زیادہ نفع دے کر خود ہی خرید بھی لے لہٰذا اس اعتبار سے یہ

"محض صوری تجارت ہے حقیقی تجارت نہین۔ کیونکہ حقیقی تجارت تو یہ ہے کہ اپنی چیز دے اور دوسرے کی لے اور یہان جو کچھ بھی ہے سب خدا ہی کا اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے ہم بچے کو کوئی چیز بطور اباحت دین (اباحت کی قید لگائی تاکہ آگے شرعی اعتراض نہ ہو) پھر کسی مصلحت سے اس سے لے لین اور دوسری دیدین۔ مثلاً کسی کو اپنی اولاد کو اصول تجارت سکھلاتا ہے وہ اس کو آبگینہ کا ٹکڑا دیتا ہے اور ایک اشرفی کے بدلے مین اس کو خرید لیتا ہے تاکہ وہ آبگینہ کی حقیقت اور روپیہ اشرفی کی حقیقت سے واقف ہو جائے تو یہ درحقیقت تجارت نہین بلکہ صورتِ تجارت ہے...

"اسی طرح حق تعالیٰ نے بعض مصالح کی وجہ سے بعض اشیاء کو ہمارے

Marfat.com

نامزد فرما دیا ہے۔ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ نامزدگی مین بندہ کو حظ آتا ہے کہ میرا مال، میری بیوی، میرا بچہ، میری زمین، میرا مکان وغیرہ وغیرہ دوسرے یہ کہ اس سے کوئی چھین نہ سکے۔ اگر نامزد نہ ہو اور بندہ کی ملک نہ ہو تو کسی کے پاس کوئی چیز سلامت نہ رہے۔

جاہل صوفیون کی "حقیقت" کی حقیقت

اور یہین سے مین کہتا ہون کہ "حقیقت" شریعت کی محتاج ہے۔ یعنی وہ حقیقت جو عام طور پہ صوفیہ کے ذہن مین ہے ورنہ طریقت و حقیقت شریعت ہی کے اجزا ہین مگر جس حقیقت کو جہلاء صوفیہ گاتے پھرتے ہین مین کہتا ہون وہ بھی شریعت کی محتاج ہے اگر شریعت نہ ہو، تو صوفی صاحب کی تسبیح و مصلی اور نذرانے اگر کوئی ملّا نا لیجائے پھر وہ برا نہ مانے کیونکہ

در حقیقت مالک ہر شے خدا ست — این امانت چند روزہ نزد ماست

جب بندہ کی کوئی شے نہین تو اس کو حق ملک حاصل ہے تو مُلّاؤن کو یہ کہنے کا حق ہے کہ کچھ دنون خدا کا یہ مال تم نے برتا اب ہم برتین گے۔ اعتراض و ناگواری کی کیا بات۔ جیسے مولانا نے ایک جبری کی حکایت لکھی کہ وہ ایک شخص کے باغ مین گھس کر مالک کے سامنے انگور توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ اس نے کہا یہ کیا حرکت بلا اجازت لی نہ قیمت دی۔ جبری نے کہا بس خاموش بیٹھا رہ باغ بھی خدا کا، پھل بھی خدا کے، مین بھی خدا کا تو روکنے والا کون۔ مالک باغ ہوشیار تھا اس نے اپنے غلام کو آواز دی کہ ایک رسی اور ڈنڈا لانا۔ غرض دونون نے جبری کو باندھا اور کٹائی شروع

Marfat.com

ہوئی اب لگا چلانے۔ مالک باغ نے کہا کہ رسا بھی خدا کا، ڈنڈا بھی خدا کا مین بھی خدا کا تو بھی خدا کا پھر چلاتا کیون ہے۔

"تو صاحبو اگر حقیقت واضح کر دی جائے تو سب آدمی بالشویک ہو جائیں جن کا دعوے ہے کہ سب انسان مساوی ہین کسی کو کسی سے زیادہ مالدار بننے کا حق نہین، بلکہ جس کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے، اس سے لے کر غریبون کو تقسیم کر دیتے ہین۔ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب نے مثنوی کے اس شعر کا کہ

سر نہاں ست اندر زیر و بم　　فاش گر گویم جہان برہم زنم

یہی مطلب بیان فرمایا تھا کہ اگر مسئلہ وحدۃ الوجود ظاہر کر دون تو عالم مین فساد برپا ہو جائے۔ کم فہمون کی نظر سے امتیاز اٹھ جائے۔ یہ جو عالم مین نظام و امن قائم ہے شریعت ہی کی بدولت ہے کہ یہ زید کا حق ہے یہ عمر کا حق ہے، اور دوسرے کے حق مین تصرف حرام ہے۔

خیر یہ تو درمیان مین ایک مزیدار جملہ معترضہ تھا، جس کو چھوڑنے کا جی نہ چاہا ورنہ گفتگو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اپنے بندون کے ساتھ تجارت کا ایسا عجیب معاملہ فرما رکھا ہے کہ خود ہی سرمایہ عطا فرماتے اور خود ہی اس کو خرید کر اُلٹے بندہ کو نفع عطا فرماتے ہین۔ گویا ہم کو اپنے پاس سے کچھ لگائے یا خرچ کیے بغیر نفع ہی نفع ملتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہ ہونا چاہیئے کہ

"اگر کوئی آقا اپنے غلام سے کہدے کہ پلنگ تھامتا ہے، جس مین مصلحت یہ ہو کہ دوسرے غلام اس کو تنگ نہ کرین بلکہ اس کی نامزد چیز مین بلا تکلف

Marfat.com

اس کو تصرف کرنے دین۔ اب اگر یہ غلام آقا کو بھی اس پلنگ پر بیٹھنے سے روکنے لگے تو یقینا وہ بڑا نمک حرام ہوگا۔ صاحبو یہی حالت ہماری ہو رہی ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ کہ خدا تعالےٰ نے ہماری مصلحت کے لحاظ سے نامزدگی فرمائی تھی لیکن ہم خود خدا کے تصرف کو بھی ان چیزوں سے روکنا چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ کوئی تصرف کرتے ہیں تو ہم پیٹ پھاڑ کر مرے جاتے ہیں۔ حالانکہ جو چیز خزانے میں پہنچ جائے وہ تو زیادہ محفوظ ہو جاتی ہے۔

حاصل یہ کہ اگر ہمارے پیش نظر آخرت کی تجارت اور وہاں کا سود و زیان ہو تو تو دنیا کی کوئی مصیبت حقیقی مصیبت نہیں رہ جاتی۔ خصوصاً جب یہ بھی معلوم کہ جس جان و مال کے ضرر و زیان سے ہم کو مصیبت پہونچتی ہے، وہ سرے سے ہمارا تھا کب، اور جو کچھ تھا بھی تو ایسی جگہ اور ایسے کے پاس پہنچ گیا، جہاں ہمارے پاس سے زیادہ محفوظ و بے خطر ہے۔ ایمان و اعتقاد کی دولت نصیب ہو تو یہ ایسی موٹی بات ہے کہ ایک عامی اور دیہاتی بھی اس کو بے تکلف سمجھتا ہے۔ چنانچہ جب

ایک بدوی کی عجیب تعزیت | حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عبداللہ ابن عباس کو بہت صدمہ ہوا تو ایک بدوی (دیہاتی) نے آکر اظہار میں ان کو تسلی کی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بدوی سے بہتر کسی نے تسلی نہیں دی۔ کہتا ہے کہ

خیر من العباس اجرک بعدہ واللہ خیر منک للعباس

آپ کے لیئے حضرت عباس کے زندہ رہنے سے وہ اجر بہتر ہے، جو ان کے وصال پر آپ کو ملا۔ کیونکہ حضرت عباس اگر زندہ رہتے تو بہت سے بہت

Marfat.com

حضرت عباس آپ کو ملتے اور آپ کے حق مین ثواب اس سے بہتر ہے۔ کیونکہ ثواب کی حقیقت ہے رضائے خدا، تو یون کہئے کہ حضرت عباس کے وصال پر صبر کرنے سے خدا آپ کو ملا۔ اور یقیناً خدا تعالیٰ سب سے بہتر ہین۔ اور حضرت عباس کے لیئے خدا آپ سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے پاس پہنچ گئے اور اگر نہ مرتے تو دنیا مین رہتے۔ جس مین رویت الٰہی نہ ہو سکتی۔ اور وہ اگر آج نہ بھی مرتے تو کسی نہ کسی دن ضرور مرتے

" اور سنئے حدیث مین آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کو غیب سے اس طرح تسلی دی گئی کہ ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ وخلفا من کل فائت فباللہ فثقوا وایاہ فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر مصیبت سے تسلی کے لیئے کافی ہے، اور وہ ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض ہین۔ اس پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو۔ کیونکہ محروم تو وہ ہے جو ثواب (یعنی رضائے حق) سے محروم رہے صاحبو یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ تمھارے عزیز کے بدلے خدا ملتا ہے پس اب تو ایسے موقع پر یون کہنا چاہیئے کہ

روزہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بمان اے آنکہ چون تو پاک نیست

صوفیون کی بڑی ہوشیاری

کیا اس سے بھی آپ کی تسلی نہ ہو گی کہ آپ کو اپنے عزیز کے بدلے خدا مل جائے[1]، جس کی جنت بھی ہے دوزخ بھی۔ یقیناً جنت کے

[1] الجبر بالصبر ص۲۰۱ ۱۲

Marfat.com

ملنے سے خدا کا ملنا بدرجہا بہتر ہے اور جس کو خدا مل گیا اس کو ساری خدائی مل گئی۔ حضرات صوفیا کی یہی تو سب سے بڑی معرفت و ہوشیاری ہے کہ انھون نے اصل مطلوب و مقصود جنت سے بھی بڑھ کر خود خدا کو بنا لیا۔ اس پر حضرت علیہ الرحمہ ایک بڑے مزے کی حکایت نقل فرمایا کرتے ہین کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دفعہ عید کے جشن مین یہ اعلان کر دیا کہ

"دربار مین جتنی چیزین موجود ہین ان مین سے جس چیز پر جو ہاتھ رکھے وہ اس کی ہو جائے گی ... کسی نے جواہرات پر ہاتھ رکھا۔ کسی نے سونے چاندی پر۔ ایک باندی نے جو ہارون الرشید کو پنکھا جھل رہی تھی خلیفہ کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ خلیفہ نے برہم ہو کر سوال کیا کہ یہ کیا حرکت۔ کہا حضور کا اعلان عام تھا اس مین کوئی استثنا نہ تھا تو مین نے دیکھا یہ درباری بیوقوف ہین، جو سونے چاندی اور جواہرات پر ہاتھ دھر رہے ہین۔ مین نے سوچا ایسی چیز پر ہاتھ دھرنا چاہیے جس کے ہاتھ مین سب چیزین ہین اس لئے حضور پر ہاتھ رکھ دیا کہ جب آپ میرے ہون گے تو یہ سب چیزین میری ہو جائین گی۔

(تجھ سے مانگون مین تجھی کو کہ سب بنی کچھ مل جائے)

تو بتلائیے کہ ان واقعات مصیبت مین کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ان کے ذریعہ سے خدا ملتا ہے۔ جس کی جنت بھی دوزخ بھی۔ یہان ایک وسوسہ کا ضمناً کیسا لطیف ازالہ فرمایا گیا ہے۔ فرماتے ہین کہ

"شاید کسی کے دل مین یہ وسوسہ آیا کہ دوزخ ہماری ہو گئی تو کیا

Marfat.com

نفع ہوگا۔ کیا ہم دوزخ مین رہین گے۔ افسوس آپ نے بات کو سمجھا ہی نہین دنیا مین جیلخانہ بادشاہ کی ملک ہوتا ہے تو کیا بادشاہ جیلخانہ مین رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جس کو چاہوگے بخشوالوگے اور جہنم سے نکلوالوگے۔ اس پر شاید کہین کہ کیا کفار کو بھی بخشوا ئین گے اس کا جواب (اور کیسا عجیب و غریب جواب) یہ ہے کہ جس کے تعلق سے جہنم بواسطہ آپ کی ملک ہوگئی ہے جب وہ کفار کو بخشنا نہ چاہین گے تو تم بھی نہ چاہوگے"

مصیبت کی تجارت دنیا مین بھی نفع سے خالی نہین

بہر حال خدا کا مل جانا یا جنت و دوزخ کا ہماری ملک مین آجانا یہ تو آخرت کا وہ نعم البدل یا بہترین بدل و نفع تھا جو مصیبت کے سرمایۂ تجارت سے ہم کو ملتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہین کہ دنیا مین اس تجارت کا کوئی نفع یا نعم البدل سرے سے نہین ملتا۔

"دنیا مین بھی ہر فوت ہونے والی چیز کا نعم البدل ہم کو ملتا ہے۔ خواہ مال و اولاد فوت ہو یا کوئی عزیز و قریب۔ چنانچہ حضرت ام سلمیؓ فرماتی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت کے لیئے ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ ان للہ وانا الیہ راجعون اللھم عندک احتسب مصیبتی فاجرنی فیھا وابدلنی بھا خیرا منھا (اے اللہ مین آپ سے اس مصیبت کا ثواب مانگتا ہون پس مجھ کو اس کا اجر عطا فرمائیے اور اس کا نعم البدل دیجیئے)

"حضرت ام سلمیؓ فرماتی ہین کہ جب میرے شوہر ابو سلمیٰ کا انتقال ہوا تو مین نے یہ دعا پڑھی۔ مگر وابدلنی بھا خیرا منھا کہتے ہوئے

Marfat.com

دل کہتا تھا کہ ابو سلمیٰ سے بہتر کون ہوگا اور حضور کے ملنے کا وہم بھی نہ ہوتا تھا کیونکہ ؎ ع ۔ آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ ۔ لیکن فرماتی ہین کہ مین نے دل پہ جبر کرکے یہ بھی کہا تو خدا نے مجھے ابو سلمیٰ کے عوض رسول اللہ صلی اللہ وسلم عطا فرمائے ۔

" اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کی حقیقت تجارت ہے کہ ایک چیز لی گئی اور دوسری دی گئی ۔ نصوص مین اس تجارت پر صاف اشارات موجود ہین ۔ اسی لئے اعمال کا وزن ہوگا ۔ جیسا تجارت مین وزن ہوا کرتا ہے ۔ اور جیسے وہان اعمال بھی جو اعراض ہین اعیان بجائے جیسا کہ وزن کا مقتضی ہے تو اعیان تو اعیان ہین ہی ۔ اور مصائب کے بارے مین لفظ اخذ و اعطاء و ابدال وارد ہے یہ بھی تجارت کے معنیٰ پہ دال ہین اور تصدق اموال مین لفظ اقراض اور بذل نفس و بذل مال مین لفظ اشتراء وارد ہے غرض جو چیز بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی ہے ۔ اس کا عوض اور نعم البدل ملتا ہے ۔ اعمال کے متعلق ایک اور نص یاد آئی جس مین ایتاء بمعنی اعطاء ہے والذین یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون اولئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون یعنی جو لوگ اس حال مین کچھ دیتے ہین کہ ان کے دل لرزان و ترسان ہوتے ہین کہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس واپس جانا ہے تو یہ بھلائی مین ترقی کرتے ہین اور اس مین سبقت کرنے والون مین ہوتے ہین ۔

Marfat.com

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ وہ لوگ ہین جو گناہ کر کے ڈرتے ہین - فرمایا نہین - جو تصدق اور صوم صلوٰۃ بجا لا کر ڈرتے ہین کہ شاید قبول نہ ہوا ہو اور خدا کے سامنے شرمندگی ہو کہ تم نے کیسا عمل ہمارے ہان بھیجا - حضرت عائشہ رض کے سوال سے معلوم ہوا کہ اس آیت مین یوتون اعطاء مال کے ساتھ خاص نہین بلکہ ہر عمل کو شامل ہے جب ہی تو انھون نے اس کو اعمال گناہ پر محمول کیا"

"یہ ہین وہ نصوص جن سے اعمال و احوال کا تجارت ہونا معلوم ہوتا ہے - ان ہی مین سے ایک وہ آیت ہے، جس کو مین نے (ابتدائے وعظ مین) تلاوت کیا کہ یا ایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسرٰی ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یوتکم خیرا مما اخذ منکم کہ ان قیدیون سے فرما دیجئے کہ اگر تمھارے دلون مین خیر (یعنی ایمان) ہوگی تو اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر چیز دین گے، جو تم سے لی گئی ہے - یہان بھی نقصان مالی پر نعم البدل کا وعدہ ہے جس کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے - حاصل یہ ہوا کہ مومن کو ہر نقصان کا عوض اور نعم البدل ملتا ہے"

تکوینی معاملات کی حقیقت بھی تجارت ہے

"خلاصہ یہ کہ معاملات تشریعیہ کا تجارت ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک عمل ہم نے پیش کیا اور ادھر سے اس کی قیمت مل گئی - مگر اس کے علاوہ ہمارے ساتھ جس قدر معاملات

Marfat.com

تکوین مین بھی ہوتے ہین ان سب کی حقیقت بھی تجارت ہی ہے جیسا مذکور ہوا۔ اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر غم بہت ہلکا ہو جائے گا۔ باقی طبعی غم وہ تو ہوگا اور ہونا چاہیئے کیونکہ اسی کی وجہ سے اجر ملتا ہے"۔

صرف یہی نہین کہ طبعی غم بھی اگر نہ ہو تو پھر اجر کس چیز کا ہو سکتا ہے۔ بلکہ دنیا مین اگر انسان کو طبعی رنج و غم سے بھی آزاد کر دیا گیا ہوتا، تو انسان واقعی ایسا قرعون ہو جاتا کہ عجز و عبدیت جو مقصود تخلیق تھا وہی باطل ہو جاتا۔ اس لیئے نفس طبعی رنج و غم مین بڑی حکمت یہ ہے کہ

طبعی غم اجر کے علاوہ عبدیت کے لئے ضروری ہے

"اس سے شان عبدیت ظاہر ہے اگر انسان پہ رنج و غم وارد نہ ہو تو یہ قرعون بے سامان ہو جائے۔ مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس غم کو ہلکا کیا جائے اور غم ہلکا ہونے کی وہی تدبیر ہے، جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب انسان یہ سمجھے گا کہ ہر معاملہ مین حق تعالیٰ مجھ کو نعم البدل عطا فرماتے ہین، تو غم ہلکا ہو جائے گا۔ پھر نعم البدل بھی اس قدر کہ اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے، اور مصائب پر صبر کرنا تو نہایت دشوار اس پر وہ اجر غیر متناہی ملنا کیا عجب ہے، جس پر آیت انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب مین منبہ فرمایا ہے۔ وہان تو خفیف خفیف عمل پر بھی بے اندازہ اجر مل جاتا ہے چنانچہ حدیث ترمذی مین ہے کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے سے زمین و آسمان کی درمیانی فضا بھر جاتی ہے۔ اور سبحان اللہ کہنے سے آدھی

Marfat.com

میزان عمل اور الحمد للہ کہنے سے پوری میزان عمل[1] بھلا ایسے خریدار سے سودا کرنے سے محروم رہنا محروم ازلی کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ مومن نام ایسے ہی سوداگر کا جس نے جان و مال سب کچھ ایسے ہی خریدار کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔

"غرض آپ کو ہر عمل صالح پر بے انتہا اجر ملتا ہے اور ہر مصیبت مین نعم البدل عطا ہوتا ہے۔ یہان تک کہ حدیث مین آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اہل نعمت اہل مصیبت کے اجر کو دیکھین گے تو تمنا کرین گے کہ کاش دنیا مین ہماری کھالین قینچی سے کاٹی جاتین تاکہ آج ہم کو یہ ثواب (بدل) حاصل ہوتا۔ پس اس ثواب یا بدلے کے استحضار سے آپ کو غم ہلکا کرنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب مصائب درحقیقت تجارت مین داخل ہین۔[2]

اسلام کے تمام عقائد مین غم کو دور اور ہلکا کرنے کی خاصیت ہے

ایک عقیدۂ آخرت ہی پر کیا موقوف، اسلام کے سارے عقائد صحیحہ نہ صرف آخرت ہی کی نجات کے ضامن ہین، بلکہ دنیا کے آلام و مصائب کو بھی دور اور ہلکا کرنے کی ان عقائد مین ایسی خاصیت ہے کہ ان کی بدولت واقعی یہان کی زندگی بھی مزے دار زندگی (حیات طیبہ)

---

[1] اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کلمات میں یہ خاصیت ہے، جیسے طبیب یہ کہے کہ بنفشہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دماغ کا تنقیہ کرتا ہے، جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی مضر شے استعمال نہ کی جائے اس خاصیت کو باطل کر دے اگر سنکھیا کھا کر بنفشہ پی لے تو بنفشہ سے کیا خاک نفع ہوگا۔ ایسے ہی سبحان اللہ والحمد للہ کی واقعی یہ خاصیت ہے بشرطیکہ ترک صلوٰۃ وغیرہ کوئی اس کے منافی (معاصی) نہ پائے جائین" ۱۲ [2] الجبر بالصبر ص۳۵ [3] خیر الحیات وخیر الممات ص۷

Marfat.com

بن جاتی ہے۔ الاجر البنیل علی الصبر الجمیل نام وعظ مین ارشاد ہے کہ

"صاحبو عقائد اسلامیہ مین سے ہر عقیدہ کو ازالہ حکم مین برطا دخل ہے۔ اور اس کی لم اور وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہین، بلکہ اسلام کا بالخاصہ یہی اثر ہے کہ اس سے سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اطبا جانتے ہین کہ بعض اشیا مفید بالکیفیت ہین ان کے فائدہ کی وجہ بیان ہو سکتی ہے... اور بعض اشیا موثر بالخاصہ ہین اس لیئے ان کی وجہ بیان نہین ہو سکتی اور میرا خیال تو یہ ہے (اور یہی حد تحقیق بھی ہے) کہ ہر دوا موثر بالخاصہ ہی ہے کیفیت کا نام ہی نام ہے۔

"اور خیر طب کے متعلق کوئی میرا قول مانے نہ مانے، لیکن عقائد و اعمال شرعیہ کے متعلق تو مین یہی کہون گا کہ سب مفید بالخاصہ ہین۔ اور مین اس پر قسم کھا سکتا ہون اور کیون نہ قسم کھاؤن۔ اول تو مجھے اس کا مشاہدہ ہے اور مشاہدہ بھی نہ ہوتا تو حق تعالے کا ارشاد کافی ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ممن یومن باللہ یھد قلبہ" (یاد رکھو اللہ کی یاد سے دلون کو اطمینان ہوتا ہے)

مثلاً تقدیر ہی کا عقیدہ لو کہ اس سے مصائب مین کتنی تسکین و خفت ہوتی ہے۔

"حق تعالیٰ نے تقدیر کا مسئلہ جس کا حاصل تاثیر قدرت ہے، اسی لیئے ہم کو بتلایا ہے کہ حوادث مین ہم کو راحت ہو۔ پریشانی اور گھبراہٹ حد سے زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہین۔ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ

Marfat.com

یسیر لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتکم واللہ لا یحب کل مختار فخور کہ جو مصیبت پہونچتی ہے، خواہ زمین مین یا تمھاری جانون مین وہ سب ایک کتاب مین لکھی ہوئی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کرین اور یہ کام خدا پر آسان ہے آگے فرماتے ہین کہ لکیلا تاسو علیٰ ما فاتکم ..... کہ ہم نے تم کو اس مسئلہ تقدیر کی خبر اس لیے دی تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر ناز نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر یا اترانے والے کو پسند نہین فرماتے۔

"اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اعتقاد تقدیر کی تعلیم سے فلاح آخرت کے ساتھ یہ بھی مقصود ہے کہ مسلمان کو دنیا مین کبھی راحت رہے کہ کسی چیز کے فوت ہونے سے ان کو زیادہ رنج نہ ہوا کرے۔ بلکہ یہ سمجھ کر تقدیر مین یون ہی تھا صبر و شکر سے کام لیا کرین"

اور نفسیاتی وجہ اس کی ظاہر ہے کہ کسی بات کی جتنی شدید تمنا و امید ہو گی اتنا ہی اس کے خلاف وقوع پر غم و الم ہو گا۔ لیکن جو شخص تقدیر کا صحیح معنی مین معتقد ہے وہ ہمیشہ اپنی ہر سعی و طلب امید و تمنا مین جانب مخالف کا بھی پورا احتمال رکھتا اور اس کے لیے تیار رہتا ہے۔ تیار ہی نہین بلکہ جیسا اوپر معلوم ہوا عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم کے مزید اعتقاد اور بارہا کے تجربات کی بنا پر طلب و تمنا کے خلاف ہونے ہی کو اپنے حق مین خیر اور بھلائی سمجھتا اور جانتا ہے۔

Marfat.com

شریعت کے متبع کو حقیقی غم نہین ہوتا

"غرض جو لوگ شریعت مقدسہ کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہین ان کو حقیقی غم کبھی ہوتا ہی نہین۔ پس الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون[1] مین تاویل کی ضرورت نہین۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو حقیقی خوف وحزن نہین ہوتا کیونکہ وہ تقدیر پر پورا ایمان رکھتے ہین۔ جس کا اثر یہی ہے کہ رنج وغم اور تجویز کی جڑ کٹ جاتی ہے (کیونکہ معتقد تقدیر اپنی تجویز وتدبیر کو بالذات موثر ہی نہین جانتا کہ اس کے خلاف سے اس کو صدمہ ہو۔

"پس قائل تقدیر کو آخرت مین تو حزن وخوف ہو ہی گا نہین دنیا مین کبھی نہین ہوتا اس لیئے لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ہر حال مین اپنی حقیقت پر ہے۔ اور جو شخص تقدیر کے اعتقاد سے خالی ہے اس کو دنیا مین بھی غم ہے اور آخرت مین بھی .... اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے عمل واعتقاد کو کامل کرو۔ پھر تمھارے لیئے دنیا مین بھی چین ہوگی لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ[2]" (اُن کے لیئے دنیا کی زندگی مین بھی خوشخبری ہے اور آخرت مین بھی)

"مفتی عنایت احمد صاحب علم الصیغہ کے مصنف حج کو تشریف لے گئے تھے۔ شاید واپسی کے وقت جہاز طوفان مین آگیا بعض مسافر بچ کر نکل آئے تھے وہ کہتے تھے کہ جس وقت جہاز غرق ہونے لگا تو تمام مسافرون مین

---

[1] یاد رکھو اللہ والون کو نہ خوف ہوتا ہے، نہ غمگین ہوتے ہین ۱۲

[2] وعظ مسمی بہ خیر الھیوۃ وخیر للممات صـ ۱۲

کہرام مچا ہوا تھا مگر مفتی صاحب بڑی بے فکری سے بیٹھے ہوئے یہ آیت
پڑھ رہے تھے قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولٰنا
وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون " (کہو ہم کو وہی پیش آسکتا ہے
جو اللہ نے ہمارے لکھ دیا ہے، وہی ہمارا آقا ہے، اور اللہ ہی پر ایمان والوں
کو بھروسہ کرنا چاہیئے)

ایسے لوگ بس اختیاری مامورات ومنہیات کا اہتمام و فکر رکھتے ہین - اور غیر اختیاری
باتون کے متعلق دور دراز تجاویز اور لمبے چوڑے پروگرام بناتے ہی نہین نہ انکی
سعی وطلب مین جان کھپاتے ہین، کہ ان کے نہ پورا ہونے کے غم مین جان دیدین'
نہ ایسی چیزون مین کسی کی ریس یا مقابلہ کی سوزش مین مبتلا ہوتے ہین - بس

" ہمین تو یہ کرنا چاہیئے کہ جو حکم ہے اس کے ادا کرنے کی فکر مین لگے
رہین - اور جو امور غیر ہین ان کی فکر ہی عبث ہے - ایسی چیز کے ملنے
نہ ملنے کی مصلحت کس کو معلوم - اس کو تو حق تعالیٰ ہی جانتے ہین کہ کس کے
لیے کیا مفید ہے اور کیا مضر - جو عطا فرمادین وہی اس کے لیئے مفید ہے
حق تعالیٰ نے ہر چیز کے اندر حکمت و مصلحت رکھی ہے خواہ عطا ہو یا منع اس
لیئے فرماتے ہین - "لا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض"

(ایسی چیزون کی تمنا نہ کرو جن مین اللہ نے تم مین سے کسی پر کسی کو بڑا کیا ہے)

دنیا مین لوگ اسی کے پیچھے کتنا مرتے اور غم کھاتے ہین کہ ہائے فلان کے پاس یہ ہے
وہ ہے اور ہمارے پاس نہین حالانکہ

" یہ مسئلہ قرآن پاک نے طے فرمادیا ہے کہ تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو'

Marfat.com

جس مین اللہ تعالےٰ نے بعضون کو بعضون پر فوقیت بخشی ہے ۔۔۔ پس جب موہوب (بخشیدہ) مین دخل نہین تو کیون پیچھے پڑے اور فرماتے ہین ۔ واسئلوا اللہ من فضلہ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو ۔ یہ فرما کر تعب سے بچا لیا کہ اگر کسی ایسی چیز کو جی چاہے تو مانگ لیا کرو تحصیل کے درپے مت ہو ان اللہ بکل شیئ علیم کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہین (کہ کیا تمھارے حق مین مفید و مناسب ہے اور کیا نہین)

"دیکھئے جذبات کو روکا نہین ۔ یہ بھی گوارا نہین فرمایا کہ جذبات کو روکا جائے ۔ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کی اس رحمت کا ۔ یعنی اگر جی چاہے مانگ لو اگر مناسب ہوگا دیدین گے ورنہ خیر ۔ تو دیکھئے تعب (رنج) سے کیسا بچایا"[1]

سبحان اللہ حضرت مجدد کا فہم قرآن بھی بالکل موہوب اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے (واللہ ذوالفضل العظیم)

صورتِ مصیبت | "جو شخص تقدیر کا معتقد ہے اس کو رنج و غم کبھی نہین ہوتا ۔ اور جو کبھی کبھی آپ ایسون کو بھی مصائب مین غمگین دیکھتے ہین یہ نظر بد سے بچانے کے لیئے صورتِ رنج و غم ہے جس کو مولانا فرماتے ہین ؎

دل ہمی گوید از و رنجیدہ ام ۔۔۔ وز نفاق سست او خندیدہ ام

---

[1] الاضافات الیومیہ ص ۲۰۲ ۱۲

Marfat.com

ان کو ان مصائب سے ایسی کلفت ہوتی ہے جیسے مرچون کے کھانے والے کو کلفت ہوتی ہے، کہ ظاہر مین آنسو جاری ہین مگر مزے لے لے کر کھاتا ہے[1]

کچھ آگے ذرا اسی کی مزید تفصیل و مثال سنیئے کہ ایسے غم کو دراصل

"غم کہنا ہی غلط ہے وہ واقع مین غم نہین محض صورتِ غم ہے۔ اور جو واقعی غم ہے اس کا شریعت مقدسہ پر عمل کرنے والے پر کچھ بھی اثر نہین ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیمار نہین ہوتا، یا اس کا کوئی عزیز نہین مرتا، یا اس کو دنیوی نقصان نہین ہوتا۔ یہ سب کچھ اس کو پیش آتا ہے، اور کلفت بھی ہوتی ہے۔ مگر پریشانی اور حقیقی غم نہین ہوتا۔ کیونکہ غم کہتے ہین دل کی گھٹن کو اور کلفت کہتے ہین الم (دکھن) کو، تو ان کو الم تو ہوتا مگر گھٹن نہین ہوتی، اس کی ایسی مثال ہے، جیسے، کوئی ڈاکٹر تمہارے زخم مین نشتر لگائے، اس وقت تم کو الم تو ہوتا ہے۔ مگر رنج و غم نہ ہوگا۔ گو ظاہر مین تم ہائے ہائے بھی کرو گے، مگر دل اندر سے خوش ہوگا اور اس الم پر راضی ہوگا کیونکہ تم اس نشتر کو حکمت کے موافق سمجھتے اور اپنے لیئے نافع و مفید خیال کرتے ہو۔"

ایک بڑے اشکال کا حل غم و الم کی اس حقیقت کے فرق و تفصیل سے اکبر الاصاغر نام واعظ مین ایک بڑے اشکال کا حل فرمایا ہے کہ

"مصیبت کی بھی دو قسمین ہین۔ ایک صورتِ مصیبت ایک حقیقت مصیبت۔ اس سے ایک سوال کا جواب حاصل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] خیر الحیات و خیر الممات ص ۱۲ [2] ایضاً ص ۱۲

Marfat.com

فرماتے ہین ما اصابتکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم
کہ تم پہ جو مصیبت بھی آتی ہے تمھارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور
ظاہر ہے کہ حوادث کا نزول انبیا علیہم السلام پہ بھی ہوا ہے، بعض انبیا
کو قتل تک کیا ہے۔ اور موت کو قرآن مین بھی مصیبت کہا گیا ہے فاصابتکم
مصیبة الموت نیز غزوۂ اُحد مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک
پر صدمہ آیا سر مین زخم آیا تو کیا نعوذ باللہ حضرات انبیا سے کبھی گناہ سرزد
ہوا تھا، جس کی وجہ سے ان پر مصیبت نازل ہوئی۔ حالانکہ اہل حق کا مذہب
یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام تو معصوم ہین گناہون سے پاک ہین۔

"بس جواب اشکال کا یہ ہے کہ انبیا کو جو کچھ پیش آیا وہ مصیبت نہ تھی
بلکہ صورت مصیبت تھی اور یہ محض تاویل نہین بلکہ اس کی ایک دلیل ہے۔
ایک معیار بتلاتا ہون، جس سے حقیقتِ مصیبت اور صورتِ مصیبت
مین فرق معلوم ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ جس مصیبت سے انقباض و پریشانی
بڑھے وہ گناہون کی وجہ سے ہے۔ اور جس سے تعلق مع اللہ مین ترقی اور
تسلیم و رضا زیادہ ہو وہ حقیقت مین مصیبت نہین گو صورت مین ہو۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل الجان من

دینی نقطۂ نظر سے غم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے

حاصل سب کا یہ ہے کہ دینی تعلیمات کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ
اس کے قبول و اذعان سے دنیا کی بھی کوئی مصیبت حقیقی مصیبت
نہین رہ جاتی اور صوری و طبعی درد و الم کے دل کی پریشانی یا حقیقی غم کی جڑ
ہی کٹ جاتی ہے۔ ایک عام فرق تو دینی و دنیوی نقطۂ نظر کا وہی ہے کہ دنیا کی

Marfat.com

زندگی مین آدمی مال وجاہ کے حصول اور اپنی تمناؤن کے جو لمبے لمبے پروگرام بناتا اور ان سے اپنی راحت و مسرت کو وابستہ کرتا ہے، وہ نہ سب اس کے اختیار مین ہوتے ہین اور نہ سب پورے ہوتے بلکہ اکثر اموال و اولاد لیئے عذاب جان ہوتے ہین بلکہ جن کے پروگرام بظاہر بہت کچھ پورے ہوتے ہین ان کے بھی نہ پورے ہونے والے بہت زیادہ ہوتے ہین، اور نایافت کا غم یافت کی مسرت سے ہمیشہ زیادہ ہی رہتا ہے، اور دم اس غم ہی مین نکلتا رہتا ہے۔ کہ

ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بخلاف دینی نقطۂ نظر والی زندگی کے کہ اس مین انسان کو اپنی وسعت و اختیار کے استعمال کے علاوہ کسی خاص مقصد و مراد تک پہونچنے کی تکلیف ہی نہین۔ اگر اس نے اپنی اختیاری سعی کا حق ادا کر دیا، جو بہرحال اس کے اختیار ہی مین ہے، اور پھر بھی بظاہر ناکام رہا تو یہ حقیقی ناکامی و نامرادی ہے ہی نہین۔ اس لیئے کہ اس کی حقیقی مراد تو اجر و ثواب یا اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے، جو اس ظاہری نامرادی مین بھی بدستور بلکہ زیادہ حاصل ہے، کیونکہ اس صورت مین ناکامی کے رنج کا مزید اجر ملتا ہے (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا) اس لیئے دیندار آدمی دنیا اور دین کے ہر معاملہ مین بس اپنی بساط بھر سعی کر کے چہ غم ہو جاتا ہے۔

مومن کی پریشانی کی صرف ایک چیز

"ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لڑکے بہت ہی بدشوق ہین تعلیم کی طرف ان کو قطعاً التفات اور رغبت نہین اس سے میرا قلب پریشان رہتا ہے۔ فرمایا کہ قلب کے

Marfat.com

پریشان و مشوش رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مومن کو پریشان کرنے والی چیز بجز ایک کے اور کوئی نہیں وہ حق تعالیٰ کی عدم رضا ہے۔ اس سے تو مومن کے قلب میں جتنی بھی پریشانی اور جو بھی حالت ہو وہ تھوڑی ہے۔ اور جب کہ رضا کا اہتمام اپنی وسعت و قدرت کے موافق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مومن کا قلب پریشان و مشوش ہو۔"

"اس لیئے کہ ہمارے ذمہ صرف تدبیر ہے، مثلاً تعلیم اولاد کے لیئے شفیق استاد تلاش کر دینا کاغذ قلم دوات کا مہیا کر دینا، کتابیں قرآن شریف کا خرید دینا اور مزید برآں علم کے منافع اور علم دین کے فضائل سنا کر ترغیب دینا۔ وقتاً فوقتاً دیکھ بھال کر لینا۔ بس اگر یہ سب کچھ ہے تو ہم اسی کے مکلف تھے۔ آگے ثمرہ کے ہم ذمہ دار نہیں اس لیئے کہ ثمرہ کا مرتب ہونا نہ ہونا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔"

پریشانی کا اصل سبب | خلاصہ یہ کہ اختیاری کاموں کو انسان کرلے اور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑے۔ اصل سبب پریشانی کا غیر اختیاری کاموں کے درپے ہونا ہے[1]۔"

مطلب وہی کہ جو شخص دیندار ہوگا اس کا نقطۂ نظر چونکہ دنیا کے کاموں میں بھی دین ہی ہوگا یعنی بقدر وسعت و اختیار اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی نہ کہ ثمرات و نتائج کی ذمہ داری، جو اپنے اختیار میں نہیں۔ اس لیئے ایسے شخص کا دل دنیا کی ظاہری ناکامیوں سے پریشان و مشوش بھی نہ ہوگا۔ ایک دوسری

---

[1] الافاضات الیومیہ ص۱۵۶ ج۱ ۱۲

Marfat.com

جگہ وعظ اصلاح ذات البین مین ارشاد ہے کہ

"اب مین بیانگ کہتا ہون کہ لطف زندگی جو کچھ ہے دیندار کے پاس ہے دنیادار کے پاس کچھ نہین اور اگر کسی دنیادار کو لطف مین دیکھا بھی جاتا ہے تو وہ دنیا کا اثر نہین بلکہ اس حصۂ دین کا اثر ہے جو اس کو حاصل ہے اور جس قدر اس کے دین مین کمی ہے اتنا ہی لطف بھی کم ہے۔ اور اس کی ظاہری حالت سے دھوکا ہوتا ہے اندرونی حالت کی تفتیش کی جائے تو پریشانی ہی ثابت ہوگی۔ اور یا اس نے حقیقی لطف دیکھا نہین، اس لیئے وہ صورتِ لطف کو لطف سمجھتا ہے"

راحت اور سامان راحت | "اور راز اس کا وہی ہے کہ لطف و راحت اور چیز ہے اور سامانِ لطف و راحت اور چیز ہے۔ جن اسباب دنیا کو لوگ سامان راحت سمجھتے ہین اگر حقیقی راحت نہ ہو تو واللہ وہ حقیقت مین عذاب ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہین ولا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما یرید اللہ ان یعذبهم بها فی الحیوۃ الدنیا۔ واقعی بعضے اموال و اولاد تو عذاب ہی ہو جاتے ہین..... ہائے بس اس شخص کا عمر بھر یہ حال رہتا ہے کہ ؎ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

اور مولانا فرماتے ہین ؎

جان ہمہ رونا زلکد کوبے خیال — میشود مجروح و خستہ و پائمال

نے صفای ماندش نے لطف و فر — نے بسوے آسمان راہِ سفر

اسی سلسلہ گفتگو مین اور اسی وعظ مین کچھ آگے بڑھ کر پھر فرماتے ہین کہ

Marfat.com

جتنا دین کامل آتنا ہی لطف زندگی کامل | "اب اس مسئلہ مین کوئی شبہہ نہ رہا کہ جتنا دین کامل ہوگا اتنی ہی لذت و لطف زندگانی مین ترقی ہوگی گو سامان زیادہ نہ ہو۔ لوگ آج کل سامان راحت کو مقصود سمجھتے ہین۔ مین پوچھتا ہون کہ اگر کسی پر پھانسی کا مقدمہ قائم ہو جائے اور سامان راحت اس کے پاس سب کچھ ہو تو کیا اُسے کچھ راحت ہوگی۔ ہرگز نہین۔ اور ایک لنگوٹا بند بھی اس کے ساتھ قید ہوا جو چند روز کے بعد رہا ہو جائگا تو گو اس کے گھر مین سامان راحت کچھ نہ ہو مگر رہائی کی خبر سن کر اس کے ہان کیسی عید آئے گی۔ معلوم ہوا کہ راحت اور چیز ہے اور سامانِ راحت اور چیز ہے۔ یہ ضرور نہین کہ جس کے پاس سامان راحت ہو اس کو راحت بھی حاصل ہو اور نہ یہ ضرور ہے کہ جس کے پاس سامان راحت نہ ہو اس کو راحت حاصل نہو۔

"اور مین فقط دعوٰی ہی نہین بلکہ مشاہدہ سے دکھلاتا ہون کہ آپ ایک کامل دیندار شخص کو لین، مگر ہم جیسا دیندار نہین بلکہ واقع مین کامل دیندار ہو اور ایک نواب یا رئیس کو لین پھر ان کی نجی حالت کا اندازہ کرین تو واللہ ثم واللہ وہ دیندار تو آپ کو سلطنت مین نظر آئے گا اور یہ نواب و رئیس مصیبت مین گرفتار نظر آئے گا۔ مشاہدہ کے بعد تو آپ مانین گے کہ راحت کا مدار سامان پر نہین"

سامان راحت بالذات منافی راحت نہین | لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ سامانِ راحت بذات خود منافی راحت ہے بلکہ سامان راحت کی جو طلب احکام دین

Marfat.com

کے منافی یا ان مین مخل ہو یا خدا و دین سے بے تعلقی کا موجب ہو وہ یقیناً راحت کا نہین مصیبت ہی کا سامان ہوگا۔ اس لیئے فرمایا کہ

"مین سامان سے منع نہین بلکہ دین کے برباد کرنے سے منع کرتا ہون اگر دین کے ساتھ یہ سامان دنیا بھی ہو تو مضائقہ نہین مگر دین کو برباد کر کے اس کو جمع کرنا سخت حماقت ہے۔ جس سے خاک راحت نصیب نہین ہوگی۔ شریعت نے ضعفا کو سامان راحت جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض عارفین بھی کمزور طبیعت کے ہوتے ہین وہ جمعیت قلب کے لیئے کچھ سامان رکھتے ہین۔ مثلاً کپڑون کے چار جوڑے اور سال بھر کا اناج، سو دین کی نگہداشت کے ساتھ اس کا بھی مضائقہ نہین۔ مگر عبدالدینار و عبدالدراہم ہونا برا ہے۔ اس کے لیئے حدیث مین وعید وارد ہے۔ تعس عبد الدینار و تعس عبد الدراھم ان اعطی رضی وان لم یعط سخط[1]۔

"پس تین قسم کے لوگ ہوے ایک تو کامل دیندار کہ دنیا سے کوئی تعلق نہین، ایک کامل دنیا دار۔

"جو اسی مین منہمک ہے اور اس کی حالت استسقا کے بیمار جیسی ہے جس کو پانی سے ایک منٹ صبر نہین ہوتا، اسی طرح اس کو دنیا کی فکر سے کسی دم فرصت نہین ۔۔۔ اور ایک وہ شخص جو دین پر قائم ہے مگر حصولِ اطمینان کے لیئے بقدر ضرورت سامان رکھتا ہے، یہ برا نہین[2]۔"

---

[1] برا ہو سیم و زر کے بندون کا کہ ملا تو خوش ورنہ ناخوش! ۱۲ [2] ص ۲۸ و ۲۹ ۱۲

Marfat.com

اس مین کلام نہین کہ دین کے صحیح عقائد و تصورات خصوصاً **یوم دین** یا آخرت کے یقین و اذعان کے ساتھ ظاہری سامان راحت ہو جب بھی، نہ ہو جب بھی، ہر حال مین دنیا کی زندگی یقیناً پر لطف و مزیدار ہی رہتی ہے اور دنیا کی ہر پریشانی و مصیبت کو دور یا ہلکا کرنے کا بہترین علاج آخرت کی راحت و مصیبت کا استحضار ہی ہے۔

خوف غم آخرت کا کیا علاج | لیکن آخرت کی مصیبت خود جو سب سے بڑی مصیبت ہے اس کا کیا علاج؟ اس مصیبت کے تصور و احضار کے بعد تو دنیا کی بڑی سے بڑی راحت تلخ ہو جانی چاہیئے۔ وہی کہ اگر کسی کو پھانسی کا حکم مل چکا ہو، تو اس کو بادشاہت مین کیا راحت محسوس ہو سکتی ہے۔ یہ سب بالکل سچ ہے۔ اور سچ پوچھیے تو مصیبت آخرت ہی کی مصیبت ہے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے۔ جواب بالکل آسان ہے کہ دہان کی مصیبت سے بچنا بھی بالکل آسان ہے کیونکہ بالکل اپنے اختیار مین ہے۔ دنیا کی بیماری و آزاری دوستون عزیزون کی موت و زندگی وغیرہ کے اکثر مصائب اپنے اختیار سے باہر ہوتے ہین نہ ان کا آنا اپنے اختیار مین نہ دور کرنا۔ بخلاف آخرت کی مصیبت کے کہ اس کا دور کرنا تمام تر اپنے اختیار مین ہے۔ اس لیئے کہ اس کا مدار تمام تر معصیت سے اجتناب اور طاعت کے اہتمام پر ہے۔ اور ان دونون چیزون مین ہم سے مطالبہ یا ہم کو تکلیف صرف اسی قدر کی ہے جس قدر کہ ہماری طاقت و اختیار مین ہے، وہ بھی بقدر تحمل اور سہولت کے ساتھ۔ یعنی کہ قمار و شراب کا ترک کھانے پانی کے ترک کی طرح ہماری طاقت سے باہر ہو، یا کذب و فریب، ظلم و جبر، بغض و

Marfat.com

عداوت کبر و غرور وغیرہ کوئی ایسی معصیت ہو جس کو سہولت یا بقدر تحمل مجاہدہ وکوشش سے چھوڑا نہ جا سکتا ہو۔ غرض اسی طرح اعمال صالحہ خواہ وہ صوم وصلوٰۃ کے عبادات ہون یا بیع وشرء کے معاملات یا اخلاق و معاشرات، ان مین سے کون سا شعبہ ہے جس کا ایک حکم بھی ہماری قوت و برداشت سے باہر ہو۔ ایک نماز ہی کو لیجئے کہ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے ہون تو بیٹھ کر اجازت ہے۔ بیٹھنے کی قوت نہ ہو تو لیٹ کر، حرکت کی قوت نہ ہو تو اشارہ سے۔ پانی نہ ملتا ہو یا کسی مرض مین مضرت کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے۔ اور اس کا بالکل وہی حکم واجر ہے جو پانی سے وضو کا۔ حد یہ کہ کوئی شخص اپنی صحت و تندرستی مین نیکی و طاعت کے جو اعمال بجا لاتا ہے، بیماری سے اگر معذور ہو جائے، تو بھی اجر کے اعتبار سے نامۂ اعمال مین صحت و تندرستی ہی کے زمانہ کے اعمال لکھے جاتے رہین گے۔ لہذا معلوم ہوا کہ آخرت کی مصیبت سے بچنا یا وہان کی راحت کا خریدنا اس سے آسان و آسان تو دنیا کا کوئی حقیر سے حقیر سودا بھی نہین۔ حق یہ ہے کہ وہان کوڑیون کے مول بادشاہت ملتی ہے وہی کہ "نیم جان بستاند و صد جان دہد" اور یہان کی بادشاہت بھی دردسر سے خالی نہین۔

رہا یہ احتمال کہ ایسا کون ہے جو تمام چھوٹی بڑی طاعات کا اہتمام کر سکے یا تمام چھوٹے بڑے گناہون سے محفوظ رہ سکے اور اوامر و نواہی کی کوئی کوتاہی نہ ہو۔ حالانکہ وہان تو ذرہ ذرہ نیکی و بدی کی جزا و سزا ملے گی "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" پھر وہان کی ذرا سی مصیبت بھی یہان کی بڑی سے بڑی مصیبت سے بڑی ہو گی۔ لیکن ساتھ ہی

Marfat.com

دوسرا قانون یہ بھی تو ہے "ان الحسنات یذھبن السیئات"[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ میزان مین حساب کا پلہ بھاری رہا تو بس انشاءاللہ بیڑا پار ہے۔ اس کے علاوہ کفارۂ سیئات کا باب کتنا وسیع ہے کہ کانٹے کی معمولی خلش اور خواب کی تکلیف بھی اجر و کفارہ سے خالی نہین۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انابت و استغفار کا دروازہ کسی وقت بند نہین۔ بڑے سے بڑے معاصی سے بھی صحیح اور سچی توبہ کرکے آدمی اسی طرح پاک و صاف ہو جا سکتا ہے کہ گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ کفر و شرک سے بڑھکر کون سی معصیت ہو گی، جب اس تک کو توبہ نیست و نابود کر دیتی ہے تو دوسرے معاصی کا ذکر ہی کیا! غرض یہ احتمال محض احتمال ہے اور اتنا احتمال رہنا عین مطلوب ہے ورنہ آدمی سرے سے نڈر اور بے خوف ہو جائے ایمان کی شان یہی ہے کہ بین الخوف والرجاء ہے۔

اور اتنا خوف و احتمال نہ دنیا مین ہمارے غم و مصیبت کو بڑھاتا ہے اور نہ راحت و مسرت مین مخل ہوتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کسی محنتی و ذہین طالب علم کو بھی باوجود محنت و شوق اور پوری تیاری کے امتحان مین نمایاں کامیابی کا کچھ نہ کچھ احتمال و خوف لگا ہی رہتا ہے۔ لیکن یہ خوف چونکہ اس کی رجا یا امید کامیابی پر غالب نہین ہوتا، اس لیے نہ اس امید کی مسرتون مین مخل ہوتا ہے، اور نہ ان مسرتون کے مقابلہ مین امتحان کی محنت و مشقت کوئی معتدبہ مصیبت معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے ذوق و شوق مین اضافہ ہوتا ہے۔ یہی حال دنیا کے تمام کامون ملازمت تجارت، صنعت و حرفت سب ہی کا ہے کہ اسباب کامیابی

---

[1] نیکیان بدیون کو مٹا دیتی ہین ۱۲

کی زیادہ سے زیادہ فراہمی کے باوصف ناکامی کا اندیشہ و احتمال کچھ نہ کچھ باقی ہی رہتا ہے۔

انتہائی تسلی | ان سب باتوں کے باوجود خود راقم احقر کے ضعفِ قلب و ضعفِ تحمل کا یہ حال ہے کہ آخرت و جہنم کی مصیبتوں کا حال پڑھ کر ایک دن کیا ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی برداشت کا یارا نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے گو یہ سچ ہے کہ "مان بھی لو کہ کچھ دن کے لیے جہنم ہی میں جانا پڑا تو پھر عقلی قاعدہ یہ ہے کہ جو تکلیف منقطع ہونے والی ہو وہ ہلکی ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کا عذاب یقیناً ایک نہ ایک دن منقطع ہوگا، اس لیے بعد کی حالت کو یاد کر کے اور جنت میں جانے کی امید سے یہ کلفت سہل ہو جائے گی" لیکن احقر جیسے کم حوصلہ و کم ہمت کی اس سے بھی کیسے تسلی ہو سکتی ہے۔ اس لیے آگے حضرت نے ایسے کم ہمتوں کی تسلی کے لیے عجیب بات بیان فرمائی جس کے دہرانے سے گو طبیعت جھجکتی ہے کہ خدانخواستہ کسی پڑھنے والے کی جرأت کا باعث ہو جائے، جس پر خود اپنی پکڑ ہو جائے تاہم بقول حضرت ہی کے کہ جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھپایا "میں اس کو کیوں چھپاؤں" وہ یہ کہ مسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ جو مسلمان جہنم میں داخل کئے جائیں گے حق تعالیٰ ان کو ایک قسم کی موت دیدیں گے **اماتھم اللہ اماتۃ** یہ الفاظ ہیں حدیث کے۔ اس کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی موت نہ آئے گی مگر کوئی حالت مشابہ موت کے ہوگی مثلاً یہ کہ جسم بے حس ایسا کر دیا جائے جیسا موت سے بے حس ہو جاتا ہے یا کم جس کر دیا جائے، سو اب اس کو عذاب وغیرہ کا احساس ہی نہ ہو یا کم ہو۔ بہرحال مسلمان کا عذاب

Marfat.com

بھی دوسرون کے عذاب کی طرح نہین - حدیث شریف مین آیا ہے کہ جب مسلمان پل صراط سے گذرین گے جس کا رستہ جہنم کی پشت پر سے ہوگا تو جہنم مسلمانون سے کہے گی جز یا مومن فان نورک اطفاء نارى - اے مسلمان جلدی سے پار ہو جا تیرے نور کی ٹھنڈک نے تو میری آگ ہی کو بجھا دیا جب پشت پر سے گذرنے کا یہ اثر ہے تو جب مسلمان جہنم کے اندر ہوگا اس وقت بھلا کیا حال ہوگا - کچھ عجب نہین کہ بر دایمان کی وجہ سے نار جہنم اثر ہی نہ کرے یا اثر کرے اور اس کو احساس نہ ہو یا احساس ہو اور کم ہو - گو وہ کم بھی خدا کی پناہ کہ بہت کچھ ہے[1] "

ایک بڑا اہم آدمی کو خود اپنی موت کا ہوتا ہے' اور گو غفلت کی وجہ سے عام لوگون کو بس کبھی کبھی اور بہت کم محسوس ہوتا ہے تاہم بہت سے اچھے اور نیک عمل لوگون کو اس سے اس لیئے وحشت ہوتی ہے کہ خدا جانے وہان کیا معاملہ پیش آئے تقریر بالا زیادہ تر ایسے ہی لوگون کے لیئے تھی چنانچہ فرماتے ہین کہ

"مین ان باتون سے معاصی پر جرأت نہین دلاتا - بلکہ مطلب یہ ہے کہ موت سے جو آپ کو وحشت ہے کہ اس کے تصور سے بھی ڈرتے ہین - اس کو دور کرون - مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے خدام سے تفریح و تفریح کے لیئے دریافت کیا کہ کیون بھائی آخرت مین کیا ہے' جو یہان دنیا مین ہے' سب نے عرض کیا ہان - فرمایا پھر تو انشاء اللہ تعالیٰ کچھ اندیشہ نہین' کیونکہ یہان تو وہ بڑے مہربان ہین'

---

[1] خیر الحیات و خیر الممات ص ۲۳

Marfat.com

بس وہان بھی ایسے ہی مہربان ہون گے۔

محبت کی پڑیا

"مین کہتا ہون بلکہ وہان یہان سے زیادہ مہربان ہونگے کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا مین رحمت کے سو حصون مین سے ایک حصہ ظاہر کیا ہے۔ اور آخرت مین پورے سو حصون کے ساتھ مسلمانون سے برتاؤ کرین گے۔ دیکھئے کیسی اچھی بات ہے کہ جب آخرت مین وہی خدا ہے، جو دنیا مین ہے، تو بچہ ڈرتا کاہے کا اور یہ اثر محبت کا تھا

"مولانا کو حق تعالیٰ سے محبت تھی۔ اس واسطے کہتا ہون کہ تم محبت کی پڑیا کھالو پھر سب مشکلین آسان ہوجائین گی۔ مین یہ نہین کہتا کہ محبت کے بعد تم پٹوگے نہین۔

"بلکہ یہ کہتا ہون کہ اگر پٹوگے بھی تو اس طرح پٹوگے جس طرح عشاق پٹا کرتے ہین۔ عشاق کو غیرون کی طرح نہین پٹوایا کرتے، بلکہ یون ہی برائے نام کچھ سزا دیدیتے ہین۔ محبوب کو ان کی محبت و عشق کی بھی للچ ہوتی ہے۔ دوسری ایک ادبیات ہے گو کہنے کی نہین مگر جب زبان پر آگئی تو چھپاؤن کیون وہ یہ کہ عشاق کو محبوب کے ہاتھ سے پٹنے مین مزہ آتا ہے بلکہ محبوب کے سامنے پٹنے مین بھی مزہ آتا ہے۔ اسی کو ایک عاشق کہتا ہے کہ

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بامم بکوش تماشائیست

Marfat.com

"ایک عاشق کا قصہ ہے کہ اس کو کسی سے محبت تھی اس کی اطلاع محبوب کے اقارب کو ہوئی تو انھوں نے اس کے تئیں دے لگائے۔ ننانوے تک تو اس نے ایک آہ بھی نہ کی۔ اس کے بعد جو ایک لگا تو آہ کی۔ کسی نے ملامت کی کہ ننانوے تک تو تحمل کیا اخیر میں ایک کا تحمل نہ ہو سکا۔ کہنے لگا بات یہ ہے کہ ننانوے دے دان تک تو محبوب مجھ کو اور میری اس حالت کو دیکھ رہا تھا تو اس وقت مجھ کو یہ حظ آ رہا تھا کہ محبوب دیکھ رہا ہے کہ اس کی محبت میں میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے۔ اس حظ نے ضرب کے الم کو محسوس نہ ہونے دیا جب ننانوے دے لگ چکے تو وہ چلا گیا، اس وقت مجھے ضرب کا احساس ہوا، اس لیے اخیر دن پر آہ کی۔

"گو یہ عشق مجازی کا واقعہ ہے مگر عشق حقیقی و عشق مجازی کے بعض آثار متحد ہیں۔ کیونکہ عشق تو دونوں جگہ مشترک ہے، اس لیے ایک سے دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔ **العشاق یفسر بعضھم بعضا** اور یہی تو وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مراقبہ تعلیم فرمایا **واصبر بحکم ربک فانک باعیننا** کہ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کئے رہو اور استقلال سے جمے رہو کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ **فانک باعیننا** اس لیے بڑھایا تاکہ آپ پر کلفتوں کی ایذائیں آسان ہو جائیں اور ان سے بجائے کلفت کے لذت حاصل ہو۔ بتلا دیا کہ جو کچھ آپ کے ساتھ برتاؤ ہو رہا ہے ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ اس مراقبہ کا اثر لازمی ہے کہ کلفت مبدل بہ لذت ہو جائے۔ یہاں تک کہ سب سے

Marfat.com

بڑھ کر مکروہ و ناگوار چیز موت ہے، مگر عشاق کو وہ بھی لذیذ ہو جاتی ہے
عارف شیرازی فرماتے ہین ؎

حرم آن روز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم وز پے جانان بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر این غم روزے
تا در میکدہ شادان و غزلخوان بروم[1]

از محبت تلخہا شیرین شود | اس "محبت کی پڑیا" سے پہلے ایسے باطنی و قلبی اخلاق و فضائل یا ایسے دینی و اسلامی عقائد و تصورات کا بیان تھا کہ، جن کے کسب و استحضار سے انسان کے دنیوی غم و مصیبت یا پریشانیان اگر دور نہین تو ہلکی اور بہت ہلکی ضرور ہو جاتی ہین۔ مسلمان اپنے ایمان و عمل مین اگر اوسط درجہ کا بھی مسلمان ہو تو اس کی دنیا کی زندگی بھی یقیناً "حیات طیبہ" بن جاتی ہے لیکن اسلامی تصوف جیسا کہ اوپر جا بجا معلوم و مذکور ہوتا رہا۔ دراصل نام ہے کمال اسلام کا اس لیئے کمال حیات طیبہ بھی یہ ہوگا، کہ مصیبت کا دور یا ہلکا ہونا کیا معنی مصیبت سرے سے مصیبت ہی نہ رہے عین راحت و لذت بن جائے" محبت کی پڑیا" کا نسخہ ہے کہ از "محبت تلخہا شیرین شود"

اب یہ معلوم ہے کہ تصوف مین کمال عشق و محبت کی تعلیم و حصول پیا جاتا ہے اور یہ کہ تصوف کا سارا دفتر کہنا چاہیئے کہ داستان عشق ہی ہے۔ اس لیئے بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ دین کا تو کہنا ہی کیا دنیا کے بھی سارے آلام و مصائب کا کامل علاج

---

[1] خیر المحبات و غیر الممات ص۴۴ و ۴۵ ۱۲

Marfat.com

داستیصال اگر چاہتے ہو تو بس پکے صوفی ہو جاو پھر تو یہ کہنے لگو گے کہ

ناخوش تو خوش بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من

عشاق صوفیا اور اہل اللہ کے مصائب کی مثال حضرت علیہ الرحمہ اکثر یہ دیا کرتے ہین کہ

"دیکھو اگر ایک شخص کا محبوب موت سے پچھڑا ہوا اچانک مل جائے اور اس عاشق کو بہت زور سے اپنی بغل مین دبائے، حتی کہ اس کی ہڈیان بھی ٹوٹنے لگین، تو بظاہر یہ نہایت تکلیف مین ہے، لیکن دل کی یہ حالت ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اور دبائے تو اچھا ہے۔ اور اگر محبوب سے کہ تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دون تو یہ جواب مین کہے گا کہ

اسیرت نخواہد رہائی ز بند نشکارت نخواہد خلاص از کمند

اور اگر وہ کہے کہ تم کو دبانے سے تکلیف ہوئی تو تم کو چھوڑ کر تمھارے رقیب کو اسی طرح دباؤن تو کہے گا کہ

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حتی کہ اگر اس کا دم بھی نکل جائے تو اس کے لیئے عین راحت ہے۔

اور یہ نری شاعری نہین بلکہ اس رنگ کے اہل محبت کے واقعات سے اہل اللہ کے تذکرے بھرے ہین۔ خود حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے استاد رحمہ اللہ (مولانا محمد یعقوب صاحب) کی زبانی ایک واقعہ بیان فرمایا کہ

"ایک بزرگ سخت مرض مین مبتلا تھے اور ساتھ ہی زخمی تھے، کوئی جگہ

Marfat.com

زخم سے خالی نہ تھی۔ زمین پر پڑے تھے، زخموں پر مکھیاں بھن بھن کر رہی تھیں۔ ایک دوسرے بزرگ وہاں سے گذرے تو انھوں نے پہچانا کہ یہ صاحب نسبت اور عالی مقام ہیں۔ وہ خدمت کے لیے ان کے پاس آگئے اور پنکھا جھلنے لگے۔ اُن کو افاقہ ہوا تو گھبرائے اور فرمایا کہ یہ کون شخص ہے جو مجھ میں اور میرے محبوب میں حائل ہوگیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میں خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا نہیں مجھ کو اس کی ضرورت نہیں تم اپنے کام میں لگو اور مجھے اور میرے محبوب کو چھوڑو۔

" بتلایئے اس شخص کو اس تکلیف میں کچھ تو لذت تھی جو دوسرے کی خدمت اور راحت رسانی تک گوارا نہ ہوئی بلکہ تکلیف میں پڑا رہنا پسند ہوا۔ تو بات یہ ہے کہ مصیبت میں بھی اسرار و حکم ہوتے ہیں، جنکی وجہ سے مصیبت مصیبت نہیں رہتی بلکہ لذت ہو جاتی ہے "

اس کے ساتھ ہی حضرت خود اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ

" اس کی چھوٹی سی نظیر اپنا ہی واقعہ بیان کرتا ہوں۔ گو مجھے بزرگوں سے کیا نسبت۔ مگر ان کی جوتیاں سیدھی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کو تحدث بالنعمۃ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس سال آنت کے درد کی سخت تکلیف ہوئی، کلفت تو بعض وقت ایسی ہوتی تھی جیسی نزع میں سنی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قلب کو اپنے متعلق کر کے اس کلفت کو آسان کر دیا۔ پھر اس میں جو حکمت معلوم ہوئی تو اس نے کلفت کو عقلاً لذیذ کر دیا۔ پھر جسمانی تکلیف جاتی رہی اور صرف عذر رہ گیا،

Marfat.com

تو وہ عقلی لذت طبعی فرحت بن گئی۔

"وہ حکمت یہ ہے کہ مجھے سفر سے بہت کلفت تھی کچھ تو طبعًا اور کچھ اس لیئے کہ سفر مین بمذاق لوگون سے پالا پڑتا ہے۔۔۔۔ اب حق تعالیٰ نے غیب سے یہ عذر پیدا کر دیا (جس کی وجہ سے لوگ سفر پر اصرار نہین کرتے) ۔۔۔ ۔۔تو اس کلفت مین یہ حکمت معلوم ہو کر مجھے اس قدر راحت ہے، جسے بیان نہین کر سکتا۔۔۔ اب کوئی اس قسم کا خط آتا ہے کہ ہم نے فلان شخص سے سنا ہے کہ آپ کو تکلیف ہے تو جواب مین لکھ دیتا ہون کہ صدق وکذب یعنی عذر کے بیان مین تو سراسر سچا ہے لیکن تکلیف کی روایت مین غلط۔ کیونکہ مجھے اس عذر سے الم و پریشانی نہین بلکہ حظ حاصل ہوتا ہے"[1]

حضرت مولانا محمد حسین صاحب حیدرآبادی کا یہ رنگ اپنی آنکھون کا دیکھا ہے کہ اکثر بیماری و تکلیف مین جوش و خروش کے ساتھ بے تکلف اپنے خاص رنگ توحید کی باتین مزہ لے لے کر فرماتے رہتے۔ ایک دفعہ غالبًا نمونیا مین مبتلا تھے۔ حضرت مولانا گیلانی کے ساتھ عیادت کو حاضر ہوا تو جب تک پردہ کا انتظام ہوا حضرت حقانی ململ کا معمولی کرتا پہنے فورًا باہر آگئے اور حسب معمول ذوق و شوق کے ساتھ گفتگو مین مصروف ہو گئے مزاج پرسی تک کا ہم لوگون کو اطمینان کے ساتھ موقع نہ دیا۔ ایک دفعہ سخت زہریلے بچھو نے ڈس لیا، تو کبھی کبھی فرماتے کہ بڑا مزہ آیا۔ سب سے بڑی مصیبت آدمی موت کو سمجھتا ہے، لیکن محبت مین موت بھی محبوب

---

[1] خیر الحیات و خیر للممات ص ۳۹ و ۴۰ ۱۲

Marfat.com

جاتی ہے۔ مولانا موصوف کو دیکھا، جیسا اوپر بھی کہین ذکر آچکا ہے کہ موت کے مشتاق معلوم ہوتے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا فرماتے بھی کہ خودکشی حرام نہ ہوتی تو اب تاب نہ تھی۔ اور جب موت ہی حیات ہو تو کیسے تاب ہو۔

"جب منصور سولی پر چڑھانے کے لیئے بڑھائے جانے لگے تو یون کہتے جارہے تھے۔

اقتلونی یاثقاتی ان فی قتلی حیاتی[1] ۔ غلبہ محبت کے بعد موت کا تعلق کبھی غالب ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جانان رحمۃ اللہ علیہ جس دن صبح کو شہید ہونے والے تھے، اس کی رات مین آپ کو مکشوف ہو گیا تھا کہ کل کو شہادت کا دن ہے، تو رات کو آپ کی یہ حالت تھی کہ غسل کرکے عمدہ کپڑے پہنے خوشبو لگائی اور وصال حق کے لیئے تیار ہو گئے اور جب باہر تشریف لاتے ہین تو بار بار یہ شعر پڑھتے ہین ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود[2]

اسی طرح کسی "دوسرے بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مرنے لگے تو خوش ہو کر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

وقت آن آمد کہ من عریان شوم جسم بگذارم سراسر جان شوم

---

[1] ثقہ لوگو مجھے قتل کردو۔ میرے قتل ہی مین میری زندگی ہے ۱۲

[2] خیر الحیات وخیر الممات ص ۳۹ و ۴۰ ۱۲

Marfat.com

غرض عشق ومحبت کی خاصیت یہ ہے کہ موت ومصیبت، موت ومصیبت ہی نہین رہ جاتی حیات وراحت بن جاتی ہے۔ اور محبوب حقیقی کے عشق مین یہ حال کیون نہ ہو جب کہ

"مجنون نے ایک ادنیٰ مخلوق کی محبت کے غم سے نجات نہ چاہی۔ جب اس کا عشق مشتہر ہوا اور سوز وگداز سے کھانا پینا تک متروک ہوگیا اور دیوانون کی طرح جنگلون مین پھرنے لگا، تو اس کا باپ اس کو مکہ معظمہ لایا اور کہا بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر خدا سے دعا کر کہ لیلیٰ کی محبت میرے دل سے نکال دے تو اسی نے رو کر کہا کہ

یارب لا تسلبنی حبہا ابدًا ورحمہ اللہ عبدا قال آمینا

اور کہا

الٰہی تبت عن کل المعاصی ولکن حب لیلیٰ لا اتوب[1]

تو جب ایک ادنیٰ مخلوق کی محبت مین غم لذیذ ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ کے عشاق کو اگر مصائب مین راحت ہو تو کیا عجب"

اسی کو مولانا روم فرماتے ہین کہ

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یعنی کیا خدا کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہے۔ ہرگز نہین تو اب غور کیجیے کہ وہ کیسی لذت کی ہو گی"

اور ہمارے کتاب وسنت کے مجدد وقت کو کتاب وسنت سے جو عشق ہے، اس کی

---

[1] پروردگار لیلیٰ کی محبت میرے دل سے کبھی نہ نکالنا، خدا کی رحمت اس بندہ پر جو میری اس دعا پر آمین کہے خداوندا سب گناہون سے توبہ کرتا ہون۔ لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہین کر سکتا ۱۲

Marfat.com

کرامت یہ ہے کہ ایسی چیزون کی بھی سند بے تکلف کتاب وسنت سے پیش فرما دیتے ہین - چنانچہ خود حضرات صحابہ مین سے اس رنگ کے ایک صحابی کا حال حدیث مین آتا ہے - کہ

"نماز مین قرآن شریف پڑھ رہے تھے کہ ایک تیر آکر لگا، لیکن قرآن پڑھنا ترک نہین کیا - آخر ایک دوسرے صحابی جو سوتے تھے جاگنے کے بعد انھون نے اس حالت کو دیکھا اور بعد سلام ان سے پوچھا تو فرمایا کہ جی نہ چاہا کہ قرآن شریف کی تلاوت کو منقطع کر دون -

"غرض محبت ایسی چیز ہے - لیکن چونکہ ہم نے محبت کا مزہ چکھا نہین، اس لیے سمجھتے ہین کہ یہ لوگ مصیبت مین ہین[1]"

اہل محبت کی دنیا ہی الگ ہے | جب محبت سے مصیبت تک لذیذ ہو جاتی ہے تو اس سے محبت کے دوسرے احوال کا اندازہ کیجئے - اصل مین محبت کی دنیا ہی الگ ہے ان کو محبوب کا نام لینے مین بھی مزہ آتا ہے - حضرت ہی سے کسی بزرگ کا حال سنا جو فرماتے تھے کہ جب اللہ اللہ کہتا ہون تو منھ میٹھا ہو جاتا ہے - اس کے مقابلہ مین محبت سے محروم وناآشنا اللہ کا نام لینے والے ہم مسلمانون کا حال دیکھئے کہ دس یا پانچ منٹ کی نماز تک ہمارے اوپر پہاڑ بے خدا کا منادی (موذن) زور زور سے پکار رہا ہے اور ہم ہین کہ کان رکھ کر بہرے بن جاتے ہین - کھیل تماشے اور گپ شپ تک کو خدا کی پکار پر چھوڑنا گوارا نہین کرتے -

ہمارے اسی عہد کے ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی

---

[1] خیر الحیات وخیر الممات ۱۲

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہین، ان کی شان عشق ومحبت کی یہ عجیب وغریب تمنا حضرت علیہ الرحمہ کی زبان سے سنی کہ فرمایا کرتے تھے، بس آرزو یہ ہے کہ قبر مین نماز پڑھنے کی اجازت مل جائے!

جب ہم اہل عقلت رات کو خراٹے لیتے ہوتے ہین، تو اہل محبّت، محبت کے مزے لوٹتے ہین، اس کے سامنے سلطنت بھی بے حقیقت ہوتی ہے۔ اسی مذکورہ صدر آیت (فلنحینہ حیوۃ طیبہ) کا ایک تفسیری حاشیہ سنیئے[1]

"ذکر اللہ کی لذت، حب الٰہی کا مزہ، عبودیت کی خوشی، تعلق مع اللہ کی حلاوت، جس کا ذائقہ چکھ کر ایک عارف نے کہا

چون چتر سبزی رخ نجستم سیاہ باد — در دل اگر بود ہوس چتر سبزی
زنگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

سچ ہے اھل اللیل فی لیلھم الذ من اھل اللھو فی لھوھم۔

اسی لیئے ایک بزرگ نے فرمایا کہ سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب بیدارون کو رات کے اٹھنے مین کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے۔ تو اس کے چھیننے کے لیئے اسی طرح لشکر کشی کرین جیسے ملک گیری کے لیئے کرتے ہین"

حداس لذت کی یہ ہے کہ بعض دفعہ عارفین اس لذت سے پناہ مانگتے اور استغفار کرتے ہین، کہ محبوب کے بجائے کہین خود یہ لذت ہی محبوب ومقصود بالذات نہ ہو جائے

"کیونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات نہین، بلکہ مقصود بالغیر ہے۔

عارف کو بعض دفعہ شبہہ ہو جاتا ہے کہ کہین مین تہجد وذکر اس لذت

---

[1] از حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی بر ترجمہ قرآن مجید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ ۱۲

Marfat.com

ہی کے واسطے نہ کہہ رہا ہون، اس لئے وہ اس لذت پر التفات کرنے سے بھی استغفار کرتے ہین۔ اب سمجھ مین آگیا ہوگا۔ وبالاسحار ھم یستغفرون کا ربط کانوا قلیل من اللیل ما یھجعون سے۔

"ظاہر مین یہ بات سمجھ مین نہین آتی کہ رات کو تہجد پڑھنے سے استغفار بالاسحار کو کیا تعلق ہے۔ بعض مفسرین نے تو یہ کہا کہ وہ معاصی سے استغفار کرتے ہین، اور اسحار کی تخصیص اس لیئے ہے کہ وہ وقت اجابت دعا کا ہے اور تہجد سے استغفار کا تعلق یہ ہے کہ وہ جلب منفعت ہے اور یہ دفع مضرت ہے۔ اور بعض نے کہا کہ وہ تہجد پڑھ کر خود اس طاعت ہی سے استغفار کرتے ہین کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاعات بھی (کما حقہا ادا نہ ہو سکنے سے) معاصی ہین۔

"مگر مین کہتا ہون کہ زیادہ سہل اور ظاہر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہین اور اخیر شب مین لذت طاعات یا اس لذت کے آثار سے استغفار کرتے ہین۔ کیونکہ اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ

چہ خوش وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخوردار از وصل یارے

اور وصل کی لذت جیسی ہوتی ہے معلوم ہے۔ اس لذت مین کبھی انہماک ہو کر اس کی مقصودیت کا شبہ ہو جانا بعید نہین۔ اور اس دولت وصل سے مشرف ہو کر عجب کا پیدا ہو جانا بھی جو آثار لذت سے ہے) تعجب نہین اس لئے استغفار کرتے ہین۔

خلاصہ یہ کہ محبت کی بدولت طاعات مین ایسی لذت ہونے لگتی ہے کہ سلطنت بھی

Marfat.com

ہیچ ہو جاتی ہے۔

"یہ تو دین کا نفع ہوا اور دنیا کا نفع یہ ہوگا کہ محبت سے تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی میں یہ نہیں کہتا کہ محبت کے بعد بیماری ہوگی یا کوئی تکلیف نہ پیش آئے گی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت حوادث کا رنگ دوسرا ہوگا۔ اس وقت آپ کو کلفتوں میں بھی مزہ آئے گا"[1]

از محبت تلخہا شیریں شود

حاکم وحکیم کا مراتبہ

محبت ہی کی طرح ذات وصفات کی توحید بھی جب قال سے گذر کر صوفی کا حال بن جاتی ہے، تو اس کی تفویض کا خاصہ تلخیوں کو شیریں بنا دینا ہے۔ جیسا کہ مضمون ہذا کی ابتدا ہی میں "اثر توحید" کے عنوان سے اس کا مجملاً ذکر آچکا ہے۔ البتہ حضرت حکیم الامت کی حکیمانہ مصلحت شناسی اس کی صوفیانہ تعلیم و تفصیل کی تفہیم کو پسند نہ فرماتی تھی۔ اولاً تو اس کی فہم کے لیئے ذرا تجریدپسند یا فلسفیانہ ذہن درکار ہے (جس کا وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے مباحث سے اندازہ ہو سکتا ہے) دوسرے اس توحید کا لازمہ یہ ہے کہ خیر وشر کے سارے افعال و آثار کا منشا حق تعالیٰ ہی ذات اور اس کے صفات جمال وجلال کو سمجھا جائے جس میں خدا سے سوء ظن و شکایت کا شدید خطرہ رہتا ہے۔ اسی خطرہ کی بنا پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عام طور سے مراقبۂ توحید کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے۔ الا آنکہ کسی پر محبت کا رنگ غالب ہو، کیونکہ محبت کے یہ بالکل منافی ہے کہ محبوب سے

---

[1] خیر الحیات و خیر الممات ص ۳۸ و ۳۹ ۱۲

Marfat.com

کسی حال مین بھی شکایت پیدا ہو۔

لیکن ہمارے حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے حکیمانہ رنگ مین اس مراقبہ کا بھی بچوڑ دو لفظون مین نکال کر اس کو عام و تام دونون بنا دیا تھا کہ بس ہر امر مین حق تعالےٰ کے "حاکم و حکیم" ہونے کا خیال رکھا جائے۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے تو ان کو ہمارے اندر ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے، اور حکیم ہونے کی حیثیت سے یہ تصرف حکمت سے خالی نہین ہو سکتا تو پھر اعتراض و شکایت کی کیا گنجایش۔ بلکہ اس مراقبہ کا لازمہ تو خالص تفویض یا بے چون و چرا تسلیم و رضا ہے۔ تاہم ہے مصائب کا یہ علاج خاص ہی۔

اس کا لازمہ تفویض | "جس کو خواص استعمال کرتے ہین۔ اس کا نام تفویض ہے جس کی حقیقت قطع تجویز ہے۔ یعنی وہ اپنے کو خدا تعالےٰ کے سپرد کر دیتے ہین کہ وہ جو چاہین ان مین تصرف کرین۔ اپنی طرف سے وہ کوئی حالت یا نظام تجویز نہین کرتے اور تمام تر پریشانی کا سبب تجویز ہی ہے کہ ہم نے ایک ہر چیز کا ایک خاص نظام (پروگرام) اپنے ذہن مین قائم رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہیئے۔ اولاد کو اس طرح پڑھنا چاہیئے۔ پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے۔ اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کے لیئے نظام تجویز کرنا حماقت نہین تو کیا ہے"

"اسی قطع تجویز کے لیئے حدیث مین آیا ہے اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث نفسك بالصباح۔

Marfat.com

کہ جب صبح ہو تو شام کے متعلق اپنے دل مین خیال نہ لاؤ اور شام ہو تو صبح کے متعلق خیال نہ لاؤ۔ راحت اسی مین ہے، اسی لیے اہل اللہ نے تجویز کو قطع کرکے یہ مذہب اختیار کرلیا ہے کہ

زندہ کنی عطائے تو در کشی فدائے تو　　دل شدہ جلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور یہ مذہب بنالیا ہے کہ

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　دل فدائے یار دل رنجان من[1]

مگر دیکھیے اس توحیدی تفویض کے ساتھ وہی محبت کا رنگ شریک بلکہ غالب ہے، جس کے بغیر تفویض کا نباہنا ہی دشوار ہے کہ "انھون نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم خدا کے ہین ان کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہین تصرف کرین" ساتھ ہی اس تفویض و محبت مین کچھ ایسا لازم و ملزوم کا علاقہ ہے کہ جس طرح غلبۂ محبت مین یہ تفویض پیدا ہو جانا لازم ہے، اسی طرح اس تفویض کے ساتھ محبت کا پیدا ہو جانا لازم ہے۔

اس لیے اس کو عاشقانہ تفویض یا تفویضی عشق دونون کہا جا سکتا ہے۔

لیکن دراصل یہ تفویض توحید ذات و صفات کی لازمی تفریع اور وہی **عبدیت** ہے جو انسان کی تخلیق کا خاص مقصد اور "**خواص**" کا مردانہ مقام ہے۔ اور جو اس مردانہ مقام پر کھڑا رہ سکے اس کے لیے رنج و مصیبت خوف و حزن کا سوال ہی پیدا نہین ہوتا (انہ ین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون) عبد یا غلام کے معنی ہی یہ ہین کہ رب یا مالک

---

[1] الجبر بالصبر ص۳۲ ۱۲

Marfat.com

کو حق ہے، جس طرح اور جس حال مین چاہے غلام کو رکھے اور وہ راضی رہے۔ لہٰذا آخر مین اپنے رب کے ساتھ عبد کے اس رشتۂ عبدیت و بندگی کو (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے) ایک مرتبہ اور سُن لین۔

"حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر انتکاں کیا گیا کہ جن وانس کی تخصیص کی کیا وجہ عبادت تو ساری مخلوق ہی کرتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک تو عبادت ہے اور ایک طاعت۔ اول ایک مثال مین فرق سمجھ لو وہ یہ کہ ایک نوکر ہے ایک غلام۔ نوکر کا کام معین ہوتا ہے خواہ ایک خواہ متعدد مثلاً باورچی کے لیے پکانے کی خدمت معین یا مکان پر بازار اور گھر کا کام کرنے کے لیے کوئی نوکر ہے، تو جس خدمت کے واسطے نوکر ہین ان سے وہی خدمت لیجا سکتی ہے۔ خود آقا بھی اس کا لحاظ رکھتے ہین۔ حتیٰ کہ اگر آقا باورچی سے کہے کہ یہ خط لے کر گنگو ۔ چلے جاؤ تو نوکر ضابطہ سے انکار کر سکتا ہے۔

"اور غلام کی کوئی خدمت معین نہین تمام خدمات اس کے ذمہ ہین جس کا حکم ہو جائے۔ چنانچہ ایک وقت اس کو آقا کا پاخانہ بھی اٹھانا پڑتا ہے، اور ایک وقت مین آقا کی پوشاک پہن کر آقا کا قائم مقام ہو کر جلسہ یا دربار مین جانا پڑتا ہے۔ غرض غلام کو کسی وقت کسی خدمت سے بھی انکار نہ ہوگا۔ اسی طرح جن وانس کے سوا تمام مخلوق کی طاعت معین ہے۔ ہر شے مخلوقات مین سے ایک خاص کام پر معین ہے کہ اس کے

Marfat.com

سوا اس سے دوسرا کام نہین لیا جاتا۔

"مگر انسان کی کوئی خدمت معین نہین۔ چنانچہ ایک وقت مین انسان کا سونا عبادت ہے اور ایک وقت مین پاخانہ پھرنا بھی عبادت ہے۔ مثلاً جماعت تیار ہو اور پاخانہ پیشاب کا زور ہو تو اس وقت پیشاب وغیرہ سے فراغت حاصل کرنا واجب ہے اور نماز پڑھنا حرام ہے۔ اس وقت بیت الخلا جانا ہی عبادت ہے۔ ایک تو یہ حالت ہے اور ایک وقت انسان کی یہ شان ہے کہ **مظہر حق** بنا ہوتا ہے، اس وقت اس کی زبان سے مردہ دل زندہ ہوتے ہین۔ غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی انسان کی ہے۔ عبد شدن کے لیئے انسان ہی ہے۔ باقی تمام مخلوق ذاکر و شاغل ہے مگر **عابد** صرف انسان ہے۔

لہٰذا اس کا لازمی اقتضا یہ ہے کہ

"یہ کسی خاص حالت اور کسی خاص کام کو اپنے لیئے تجویز نہین کر سکتا۔ بلکہ حضرت حق جس حالت مین بھی رکھین اسی مین اس کو رہنا چاہیئے کمبل اڑھائین تو کمبل اور دوشالہ اڑھائین تو دوشالہ اور ٹڑھے۔ بھوکا رکھین تو بھوکا رہے، گھی دودھ کھلائین تو گھی دودھ کھائے۔ یہی شان تھی حضور کی۔

مگر اس مقام سے ناآشنا دین کے نام سے بھی آج کل کیسی غلطی و غلط فہمی مین مبتلا ہین کہ اپنی اپنی

"تجویز و اختیار کا نام بزرگی رکھ لیا ہے کہ فلان شخص بہت بزرگ ہین

Marfat.com

گھی نہین کھاتے۔ فلان بزرگ گائے کا گوشت نہین کھاتے، قربانی نہین کرتے بڑے رحم دل ہین جانور کے گلے پر چھری رکھنے کو اچھا نہین سمجھتے۔ حالانکہ قربانی مین تو جانور کو خدا کے نام پہ فدا کرنا ہے.... اگر حق تعالیٰ ہماری جان بھی طلب فرماتے تو اس مین بھی دریغ نہ ہونا چاہیئے تھا چہ جائیکہ وہ ہمارے بجائے جانورون کی جانین طلب فرماتے ہین.... اور حکم فرماتے ہین قربانی کرو۔

آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست نائب است و رحمت او دست خداست

"غرض تفویض کلی عبدیت ہے اور اپنی تجویز سے امتیازی شان بنانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً جب حق تعالیٰ کھانے پینے کو اچھا دین اور خستہ حالت مین رہنا ناشکری، نعمت کی ناقدری اور خلاف اطاعت ہے۔ کیونکہ جیسے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے نوکرون کو تنخواہ دو کھانا کپڑا دو ویسے ہی یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنی جان کو بھی راحت دو۔ پس جیسے نوکر خدا کی مخلوق و مملوک ہے، تمھاری جان بھی خدا کی مخلوق و مملوک ہے اس لیئے تم کو اپنے اندر بھی بدون اجازت کسی تصرف کا حق نہین۔ اگر نوکر کو حکم الٰہی سے کھانا کپڑا دیتے ہو، تو اسی آقا کے حکم سے تم اپنی خدمت بھی کرو۔ کیونکہ تمھاری جان بھی خدا کی ہے۔ اس حقیقت پر نظر کرکے ایک عارف فرماتے ہین کہ

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است انعم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

کہ مجھ کو اپنے اعضا پر اس وجہ سے ناز ہے اور ان کی قدر ہے کہ آپ سے

Marfat.com

ان کا تعلق ہے۔ صاحبو ہم کو اپنی آنکھ سے اس وجہ سے تعلق نہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہماری آنکھ ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ حق تعالیٰ کی چیز ہے، ان کی خدمت کرتی ہے اس سے ان کا جمال دیکھا ہے گو بواسطہ مظاہر ہی سہی۔ آگے فرماتے ہین۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس اعتبار سے عارف کو اپنے نفس سے بھی محبت ہوتی ہے اور اسی لیئے حدیث مین ہے ان لنفسک علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تو عارف کو اپنے نفس سے اس لیئے محبت ہے کہ وہ سرکاری چیز ہے دیکھو اگر کوئی مشین سرکاری کسی کے سپرد ہو تو اس کے آلات صاف رکھنا اور تیل دینا ضروری ہوگا ورنہ باز پرس ہوگی۔ البتہ اگر اپنی ہو تو اختیار ہے چاہے صاف کرکے تیل دے چاہے نہ دے... غرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے کہ خدا کا کام کرے۔

"مگر آج کل جہلا اس قسم کی درویشی کو دیکھ ترحم خیال کرتے ہین کہ مثلاً فلان شخص قربانی نہین کرتا گوشت نہین کھاتا جس کی خدا کے ہان کچھ قدر نہین۔

مگر کہتے ہین کہ فلان شخص میلہ کھینچ رہا ہے اور گوشت سے پرہیز ہے۔ سبحان اللہ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل نبوت کچھ ایام کے لیئے بغرض خلوت غار حرا مین تشریف لیجانا ثابت ہے اور بعد نبوت کے اعتکاف ثابت ہے۔ مگر آپ نے کبھی گوشت سے پرہیز نہین کیا پھر یہ کیسی

Marfat.com

بزرگی ہے کہ چلہ کی وجہ سے گوشت چھوڑ دیتے ہین - حالانکہ حدیث مین ہے کہ سید الطعام اللحم - دست کا گوشت کھانا حضور سے ثابت ہے بلکہ مرغوب تھا، اس لیئے اتباع سنت ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک متبحر عالم نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ترک حیوانات کے ساتھ چلہ کھینچون حضرت نے فرمایا کہ مولانا توبہ کیجئے بدعت ہے - حالانکہ حاجی صاحب اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حالم گر تھے۔ اسی لیئے حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا تھا کہ لوگ حضرت حاجی صاحب کے مختلف کمالات کے معتقد ہین - مگر مین علم کی وجہ سے معتقد ہون - اصل یہ ہے کہ جب قوت حاسہ درست و صحیح ہو تو کھانے مین کتنا ہی بال کیون نہ ہو محسوس ہو جاتا ہے - اسی طرح جب فہم درست ہو تو حق و باطل مین امتیاز ہو جاتا ہے - حضرت اپنے زمانہ مین صدیق اعظم تھے (جو بہت بڑا مرتبہ ہے مراتب ولایت سے)

غرض اس طرح اپنی رائے و تجویز سے گوشت وغیرہ سے پرہیز۔

"یہ بھی ایک مکر ہے شیطان کا کہ عبادت کے رنگ مین دھوکا دیتا ہے ... باقی کاملین کی نظر ہر وقت عبدیت پر ہے اس لیئے وہ پلاؤ اور متنجن اور چٹنی ایک ہی رغبت سے کھاتے ہین[1]"

اور یہی کمال عبدیت یا توحیدی تفویض کی کامل سپردگی اور تسلیم و رضا کا وہ

---

[1] وعظ سادۃ الحزین از ص ۱۴ تا ص ۱۸ ۱۲

Marfat.com

کٹھن مقام ہے کہ

موحد چہ پائے ریزی ز رشش — چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس — ہمین است بنیاد توحید و بس

باقی خالی زبان سے اسرار و معارف بگھاڑ لینا یہ تو ہر تصوف خوان، بلکہ فلسفہ خوان بھی کر سکتا ہے۔

Marfat.com

بعض اکابر تصوّف کی بدنامی کی حقیقت

الحمدللہ کہ تصوف وسلوک کے اصولی اور بعض اہم فروعی مسائل ومباحث سے متعلق حضرت مجدد وقت کی تجدیدات وتحقیقات نے پوری طرح واضح کردیا کہ تصوف کے بغیر کمال دین یا حسنۂ آخرت کیا حسنہ دنیا بھی نصیب نہین ہوتا۔ اس سے بڑھ کر سچ یہ ہے کہ صوفی بنے بغیر انسان انسان ہی نہین بنتا یا حیوان رہتا ہے یا شیطان بن جاتا ہے۔ لیکن جس طرح بہت سے نام کے صوفیون نے تصوف کو بدنام کیا ہے، اسی طرح بعض اکابر صوفیا کی بیجا بدنامیون نے بھی بہتون کی راہ ماری ہے اس لیے اس کی تحقیق وتنقیح بھی ضروری تھی۔

حضرت شیخ اکبر | ان اکابرین اکبرالاکابر حضرت شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) رحمہ اللہ علیہ ہین۔ جن کی کتابون مین ذات وصفات رسالت وآخرت وغیرہ کے باب مین بعض باتین ایسی ہین کہ ان کے ظاہری معنی لے کر اوران کو جھنڈے پر چڑھا کر ایک طرف تو جاہل صوفیون یا نفس پرستون نے دین کو بے دینی کا مرادف بنا دیا، اور دوسری طرف بعض اہل علم نے خود حضرت شیخ کی تضلیل وتکفیر کی جرات کرکے معادات اولیا کا خطرہ خریدا۔ حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی نظر مین یہ دونون چیزین اتنی اشد تھین کہ پہلے تو حضرت شیخ کی مشہور کتاب فصوص الحکم کی (جو تصوف

Marfat.com

کی گویا درسی کتاب بن گئی ہے) اسی نقطۂ نظر سے خصوص الکلم کے نام سے شرح لکھنا شروع کی تھا، جس کو المحل الاقوم کی صورت مین صرف بعض مقامات کی شرح پر اکتفا کرکے درمیان مین چھوڑ دیا گیا۔" یہ کتاب اور اس کی شرح و حل خاص اس مذاق کے اہل علم کے مطالعہ و ملاحظہ کے لائق ہے۔ باقی عوام تو عوام عام اہل علم کی سلامتی ایسی کتابون اور ایسے مضامین سے احتراز ہی مین ہے، جس کا اندازہ خود حضرت علیہ الرحمہ جیسے صاحب علم و تحقیق کے اس تجربہ سے فرمائین کہ

خصوص سے توحش اور اس کی شرح کا ترک

"اس (شرح و حل کے لکھنے) کے زمانہ مین مجھ کو جو توحش و انقباض ان مضامین سے ہوتا تھا، عمر بھر یاد رہے گا۔ بعض مقامات پر قلب کو بیحد تکلیف ہوتی تھی، چنانچہ اس مین کہین کہین اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور یہ بھی وجہ تھی اس شرح کے چھوڑ دینے کی۔"

یہ توحش و انقباض ایسا شدید تھا کہ پھر حضرت اس کام کی طرف سالہا سال طبیعت کو رجوع نہ فرما سکے، باین ہمہ اس معاملہ مین بھی جادۂ اعتدال سے جو حضرت کی خصوصیت خاصہ ہے، قلم کو اتنی لغزش بھی نہ ہوئی کہ خود حضرت شیخ کے ساتھ کسی ادنیٰ سوء ظن کا ترشح تک ہوتا۔ بلکہ بالآخر سات سال بعد التنبیہ الادبی فی تنزیہ ابن العربی کے نام سے ایک کتاب مستقلاً **شیخ** کے تبریہ و حمایت مین سپرد قلم فرمائی جس کی تمہید مین ارشاد ہے کہ

شیخ کا تبریہ خود شیخ کے کلام سے

"ایام حامزہ مین قلب پر دفعۃً وارد

Marfat.com

ہوا کہ شیخ کے کلام کی شرح جس غرض سے کی جاتی تھی کہ لوگ خود ضلالت
مین واقع ہون شیخ کی تضلیل کرین یہ غرض گو تفصیلاً اس شرح ہی سے
حاصل ہوتی جو کہ مکمل نہین ہوئی ۔ مگر اجمالاً ایک اور طریق سے بھی حاصل
ہو سکتی ہے وہ یہ کہ خود شیخ کے کلام سے وہ حقائق جمع کیے جائین جو ان
اقوال موہمہ کے مضاد و معارض ہین ۔ اور چونکہ قائل واحد کے کلام
مین (خصوصًا جب کہ وہ عاقل و عالم اور متدین اور صاحب کمال بھی
ہو) تعارض خلاف اصل ہے "

لہذا تطابق کی دو ہی صورتین ہین

" یا تو ایسے اقوال جن کی دلالت و صحت ظاہر و قطعی ہے ان کو ایسے
اقوال کی طرف راجع یا ان کا تابع کر دیا جائے جن کی دلالت و صحت محتمل
و مشکوک ہے ۔ یا اس کے بالعکس کیا جائے ۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت
عقلاً و نقلاً مردود ہے ، اس لیے دوسری ہی قابل قبول رہ جائیگی ۔

" یا کہ یہ طریق کہ شیخ پر اعتراضات کا تیر و اندازہ شیخ ہی کے کلام
سے کیا جائے صاحب البیت ادری بما فیہ کے اعتبار سے زیادہ
نافع و قوی ہے ، جس سے شیخ کی ضلالت و گمراہی کا حکم جو شیخ کے ساتھ
سوء ظن اور کلام شیخ کو ظاہر پر حمل کرنے سے پیدا ہوا تھا وہ تو اس
طرح رفع ہو جائے گا کہ " خود شیخ ہی کے دوسرے اقوال اس سوء ظن
کے رافع موجود ہین ۔ اور اپنی ضلالت و گمرہی جو شیخ کے ساتھ حسن ظن
اور کلام شیخ کو ظاہر پر محمول کرنے سے پیدا ہوتی تھی ، وہ اس طرح

Marfat.com

رفع ہو جائے گی کہ دوسرے اقوال ان اقوال کی دلالت کو مشتبہ ومشکوک کر دین گے ۔

"اور اگر ان متضاد و متعارض اقوال مین سے ایک کو دوسرے کی طرف راجع نہ کیا جائے اور ان کی تاریخ تحریر نہ معلوم ہونے سے ان کے تقدم وتاخر کو محتمل کہا جائے، تب بھی زیادہ سے زیادہ اشتباہ کی حالت رہے گی، جس کا مقتضا احتیاط ہے اور ظاہر ہے کہ احتیاط یہی ہے کہ ایسے اقوال خلاف ظاہر سے شیخ پر طعن ہو نہ حجت۔ بلکہ اصولاً ظاہر الصواب کو اصل اور ظاہر الخطا کو تابع قرار دیا جائے ۔

"بہر حال یہ طریقہ حضرت شیخ کے ایسے اقوال سے خود گمراہ ہونے والون یا حضرت شیخ کو گمراہ ٹھہرانے والون دونون کو نافع اور حقیقت و شریعت کی حفاظت اور حقوق اولیا کی حفاظت کا جامع ہوگا۔[1]

شیخ پر سب سے بڑا اعتراض اور الزام مسئلہ وحدۃ الوجود کے باب مین عینیت یا حلول و اتحاد کا ہے۔ لیکن خود فتوحات مکیہ باب ۵۵۸ مین اس کی کیسی صاف وصریح تردید موجود ہے ۔ کہ

ان العالم ماھو عین الحق تعالیٰ	عالم حق تعالیٰ کا عین نہین، اس لئے کہ
اذ لو کان عین الحق تعالیٰ ما	اگر وہ حق تعالیٰ کا عین ہوتا تو حق تعالیٰ
صح کون الحق تعالیٰ بدیعًا	کا بدیع ہونا صحیح نہین ہوتا ۔

جس کی حقیقت ہے عدم سے وجود مین لانے والا۔ کیونکہ عالم اگر عین

---

[1] از تمہید (تلخیصًا وتسہیلاً) ۱۲

Marfat.com

حق ہوتا اور حق تعالیٰ کبھی عدم کے ساتھ متصف نہین ہوا تو عالم بھی عدم کے ساتھ متصف نہ ہوگا، پھر اس کو عدم سے وجود مین لانے کے کیا معنیٰ ہوتے۔

"پس ثابت ہوا کہ عالم اور حق متحد نہین اور عینیت و اتحاد اگر ان کے کلام مین ہے تو بمعنی اصطلاحی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلق کا وجود حق کے وجود کے تابع ہے۔

اسی طرح فصوص الحکم کی "فص آدمی" مین ہے کہ

"وان وصفنا بما وصف	اگرچہ حق تعالیٰ نے ہم کو بھی تمام وجوہ
به نفسه من جميع الوجوه	سے ان چیزون کے ساتھ موصوف فرمایا
فلابد من فارق	ہے جن سے اپنے کو موصوف فرمایا ہے
وليس الا افتقارنا	پھر بھی کوئی بات فرق کی ضرور ہے۔
اليه في الوجود توقف	کہ ہم وجود مین اس کے محتاج ہین
وجودنا عليه	ہمارا وجود اس پر موقوف ہے بوجہ
لامكاننا وغنائه	اس کے کہ ہم ممکن ہین اور وہ ایسی
عن مثل ما افتقرنا	چیز سے غنی ہے جس مین ہم اس کے
اليه۔	محتاج ہین۔

(اس سے بڑھ کر عینیت کے ابطال اور تباین یا غیریت کے اثبات پر کیا نص ہوگی)

علیٰ ہذا ایسی ہی صریح تردید حلول و اتحاد کی خود شیخ ہی کے العقیدۃ الصغریٰ

Marfat.com

مین موجود ہے کہ

"تعالیٰ اللہ ان تحلہ الحوادث او یحلھا ..."

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہین کہ اسمین حوادث حلول کرین. یا وہ حوادث مین حلول کرے ...

"اور شجرۃ الکون مین فرمایا کہ وہ فرد ہے صمد ہے نہ کسی شے کے اندر ہے، نہ کسی شے پر ہے، نہ کسی شے کے ساتھ قائم ہے، نہ کسی شے کا محتاج ہے۔ نہ وہ ہیکل ہے، نہ شبیہہ ہے، نہ صورت ہے، نہ جسم ہے، نہ حیز والا ہے، نہ ذی کیفیت ہے نہ مرکب ہے لیس کمثلہ شئ وھو السمیع العلیم۔

"اور شیخ نے ایک طویل کلام مین فرمایا ہے کہ اتحاد کا وہی قائل ہوگا جو ملحد ہوگا اور جو لوگ حلول کے قائل ہین وہ جاہل اور فضول گو ہین۔

"امام شعرانی نے اس کو نقل فرمایا۔ بس جھوٹا ہے وہ شخص جس نے شیخ پر افترا کیا کہ وہ حلول و اتحاد کے قائل ہین ...

"اور فتوحات کے باب **اسرار** مین ہے کہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بلا اختلاف واحد (حقیقی) ہے اور واحد (حقیقی) کا مقام اس سے عالی ہے کہ اس مین کوئی شے حلول کرے یا وہ کسی شے مین حلول کرے۔

"اور باب الاسرار ہی مین فرمایا کہ کسی عارف کو یہ کہنا جائز نہین کہ مین اللہ ہون اگرچہ قرب مین انتہائی درجہ کو پہنچ جائے۔ عارف کو ایسے قول سے کیا تعلق۔ اس کا قول تو یہ کہ مین حرکت و سکون سب مین ایک ذلیل بندہ ہون"

Marfat.com

جس شخص کی مختلف کتابون اور ان کے مختلف مقامات پر عینیت یا حلول واتحاد کی اس شد و مد سے تردید و ابطال موجود ہو اُس کو اِس کا قائل قرار دینا بہتان عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ ایک مثال مشتے نمونہ از خروارے ہے، ورنہ التنبیہ الطربی کے پورے ملاحظہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ شیخ پر مسلمات شریعت کے خلاف اور بھی جتنے الزامات و اعتراضات ہین سب کا کم و بیش یہی حال ہے کہ خود حضرت شیخ ہی کے کلام مین ان کا رد موجود ہے۔

شریعت کی تعظیم و تحفظ اس کے علاوہ خود شیخ ہی کے کلام مین جا بجا نفس شریعت کی تعظیم و تحفظ کے اہتمام پر کثرت سے اقوال موجود ہین۔ التنبیہ الطربی کی فصل اول مین صوفیائے محققین کا مسلک اتباع علوم شریعت کے معاملہ مین جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سلسلہ مین حضرت شیخ کے بعض اقوال ملاحظہ ہون۔ مثلاً

"جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو وہ زندقہ ہے" "ہمارے لیئے اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ نہین بجز اس طریقہ کے جو مشروع فرمایا ہے"۔ "جو شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا شریعت کے سوا کوئی راستہ ہے اس کا کہنا جھوٹ ہے"۔ "جو شخص میزان شریعت کو ایک لحظہ کے لیئے بھی اپنے ہاتھ سے پھینک دیگا وہ ہلاک ہو جائے گا"۔

"علم شریعت کو لازم پکڑو کیونکہ شریعت ہی تمھاری وہ کشتی ہے، کہ جب اس مین رخنہ پڑجائے تو تم بھی ہلاک ہو جاؤگے اور جتنے بھی اس مین سوار ہین وہ سب ہلاک ہون گے"[1]

---

[1] التنبیہ الطربی صفحہ ۱۲

Marfat.com

بھلا جس شخص کے یہ اقوال ہوں، کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ اس کا کوئی عقیدہ مسلمات شریعت کے خلاف رہا ہوگا۔ ہاں کسی پر کوئی خاص حال غالب ہو جائے تو وہ معذور ہے۔ اس کی نسبت بھی خود شیخ ہی کا ارشاد ہے کہ

"شرع کی جو میزان دنیا میں موجود ہے وہ وہی شریعت ہے جو علما کے ہاتھ میں ہے۔ پس جب کوئی دلی عقلی تکلیف کے ہوتے ہوئے اس میزان سے خارج ہوگا، اس پر اعتراض واجب ہوگا البتہ اگر کوئی حال غالب ہوگا تو اس کے لیے اس حال کو مسلم رکھیں گے اور اعتراض نہ کریں گے۔ کیونکہ کوئی عقلمند آدمی ایسے شخص کا اتباع نہ کرے گا (اور اعتراض اسی مصلحت سے تھا کہ اس کا کوئی اتباع نہ کرنے لگے)

"لیکن اگر اس سے کوئی ایسا امر ظاہر ہو جو ظاہر شرع کی رو سے موجب حد ہو اور وہ امر حاکم کے نزدیک ثابت بھی ہو جائے تو اس پر حد قائم کی جاوے گی اور ضرور ایسا کیا جائے گا۔ اور اس پر حد قائم کرنے سے یہ دعوے مانع نہ ہوگا کہ میں اہل بدر کے مثل ہوں (جن کے لیے ارشاد ہوا تھا اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم) کیونکہ اہل بدر سے بھی دنیا میں مواخذہ ساقط نہیں ہو گیا تھا (پھر ان کے حق میں تو نفس تھی اور اس شخص کے پاس تو کوئی نفس بھی نہیں)

"علاوہ بریں اگر کسی بندہ سے (بالفرض) یہ بھی کہہ دیا جائے کہ تو جو چاہے کر میں نے تیری مغفرت کر دی (جیسا کہ اہل بدر سے کہہ دیا تھا) تب بھی وہ شریعت میں گنہگار ہی ہے۔ کیونکہ مغفرت تو گناہ کے بعد ہی

Marfat.com

ہوا کرتی ہے اور اسی لیئے (اہل بدر سے) فقد غفرت لکم فرمایا گیا تھا۔ اور یون نہین فرمایا کہ حدود (شرعیہ) کو ساقط کر دیا۔ لہذا جو حاکم ایسے شخص پہ حدود و تعزیر کو قائم کرے گا اس کو اجر ملے گا۔)

"اور کبریت احمر مین حضرت شیخ سے اتنا اور زائد نقل کیا ہے کہ حسین ابن منصور حلاج کا معینہ یہی واقعہ ہوا (کہ ان سے ایک امر ظاہر شرع کے خلاف ثابت ہوا اور عذر ثابت نہین ہوا اس لئے حاکم نے تعزیر جاری کر دی[1])"

ایک بڑا مغالطہ کشف کا ہے، جس کی بعضون مین طبعی صلاحیت ہوتی ہے اور مجاہدہ و ریاضت سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا کشف کوئی بے خطا ذریعۂ علم نہین نہ اسکی حیثیت ایک حاسۂ ادراک کی ہو سکتی ہے، اور جس طرح انسان کے دیگر حواسی ادراکات بہرحال انسانی یعنی محدود و ناقص یا خطا پذیر ہوتے ہین، وہی حال کشفی ادراکات و معلومات کا ہے۔ اس لیئے ان کا وحی و شریعت کے منصوصات و قطعیات کے مقابلہ مین رد اور ترک کرنا ہی واجب ہوگا۔ دیکھو کہ شیخ نے اس کو بھی کس شد و مد سے واضح فرمایا ہے کہ

"جب کسی صاحب کشف پر کوئی ایسا کشف الٰہی وارد ہو، جو اس کے لیئے ایسے امر کو حلال کرے، جس کی حرمت شرع محمدی مین ثابت ہو چکی ہو تو اس وارد کا ترک کر دینا جزماً واجب ہے۔ کیونکہ وہ تلبیسی ہے اور ثابت شدہ شرعی حکم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور یہ بات تمام

[1] العربی ملخصاً ۱۲

Marfat.com

اہل کشف کے نزدیک ثابت ہے کہ انقطاع نبوت و رسالت کے بعد حلال وحرام کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں .... بھائیو بڑی ہوشیاری سے کام لو اور کشف کی خرابیوں سے اپنی حفاظت کرو[1]

شیخ کے فضل و کمال کی شہادتیں مزید برآں المطرفی کی ایک مستقل فصل ہیں حضرت شیخ کے فضل و کمال کے متعلق بہت سے اساطین امت کی شہادتیں نقل فرمائی ہیں جنہیں صرف صوفیا ہی نہیں، بلکہ علمائے ظاہر محدثین و فقہا اور قضاۃ تک کی شہادت موجود ہے۔ اور بقول صاحب قاموس مجدالدین فیروز آبادی کے "شیخ پر صرف بعض ایسے فقہا خشک ہی نے نکیر کیا ہے، جن کو محققین کے مشرب سے کچھ بہرہ نہ تھا باقی جمہور علما و صوفیا نے تو اس کا اقرار ہی کیا ہے کہ وہ اہل تحقیق و توحید کے امام ہیں اور علوم ظاہرہ میں یکتا و یگانہ ہیں[2]

علامہ حافظ ذہبی (صاحب اسماء والرجال) جو علامہ ابن تیمیہ کی طرح خود شیخ اور دیگر صوفیہ پر شدت سے اعتراض کرنے والوں میں ہیں، ان سے جب شیخ ابن عربی کے اس قول کی نسبت پوچھا گیا جو انھوں نے اپنی کتاب فصوص میں لکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو حضرت نبویہ کے اذن سے لکھا ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ "میں گمان نہیں کرتا کہ ایسا شخص جھوٹ کہتا ہو[3] اسی طرح امام نووی سے شیخ کی نسبت پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا

"کہ ہمارے نزدیک یہ حرام ہے کہ اولیاء اللہ میں کسی کے ساتھ بدگمانی رکھے (بلکہ) واجب ہے کہ ان کے افعال و اقوال کی تاویل کرتا ہے"

---

[1] المطربی ص۱۱ ۱۲ [2] ایضاً ص۱۸ ۱۲ [3] ایضاً ص۲ ۱۲

Marfat.com

جب تک کہ ان کے درجہ تک نہ پہونچے - اور جس کو اتنی بھی توفیق نہ ہو وہ بالکل ہی گیا گذرا ہوا . . . پھر جب تاویل کرے تو ان کے کلام کی ترجیح تک تاویل کرے (تاکہ جس طرح بھی ممکن ہو ان پر سے اعتراض کو اٹھاوے) اور ہم صرف ایک دو تاویل کو قبول نہ کرین گے (کہ ایک دو احتمال نکال کر پھر ان کو رد کرکے اعتراض کو قائم رکھے - ایسا کرنا محض تعنت (عناد) ہے"

خود نصوص کی شرح جن لوگون نے کی ان مین مشاہیر شافعیہ بھی ہین... قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین خوبجی شافعی شیخ ابن عربی کی خدمت غلامون کی طرح کرتے تھے"

"شیخ سراج الدین بلقینی اور شیخ تقی الدین سبکی ابتدا مین شیخ ابن عربی پر نکیر رکھتے تھے - پھر جب ان کے کلام کی تفسیر و مراد کی تحقیق ہوگئی تو دونون نے رجوع کیا اور نادم ہوے . . . (حتی کہ) امام سبکی نے لکھا ہے کہ شیخ محی الدین آیۃ من اللہ تھے اور فضیلت نے ان کے زمانہ مین اپنی کنجیان ان کی طرف پھینکدی تھین اور کہہ دیا تھا کہ مین ان کے سوا کسی کو نہین جانتا (جس کو یہ کنجیان سپرد کرون)

حضرت مجدد الف ثانی کی شہادت سب سے بڑھکر شیخ کی ولایت و مقبولیت کی سند حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہے کہ شیخ کے بہت سے علوم و معارف کی شدت سے تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہین اور بڑے تعجب سے فرماتے ہین کہ" عجائب کاروبار است شیخ محی الدین از مقبولان درنظر می آید و اکثر علوم او کہ مخالف آرائے حق اند خطا و ناصواب ظاہر می شود"- یہی نہین بلکہ فرماتے ہین کہ" دو

Marfat.com

کنندۂ شیخ در خطر است و قبول کنندہ او با سخنان او نیز در خطر ست"۔ اور اپنا طریق توسط و تحقیق یہ قرار دیتے ہین کہ

"شیخ را قبول باید کرد و سخنان خلاف او را قبول نباید کرد۔ این است طریق وسط در قبول و عدم قبول شیخ کہ اختیار این فقیر ست (مکتوب ہفتاد و ہفتم جلد ثالث)[1]

سب سے بڑا اور خاص مسئلہ حضرت شیخ کا وحدۃ الوجود کا ہے۔ مگر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مین بھی ان کی بڑی رعایت فرماتے ہین۔ جیسا کہ اجمالاً ان کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ

"آرے در مسئلہ وحدت وجود جم غفیر ازین طائفہ با شیخ شریک اند۔ ہر چند شیخ درین مسئلہ نیز طرز خاص دارد اما قابل توجہ است و شایان جمع این فقیر بعنایت اللہ سبحانہ در شرح رباعیات حضرت ایشان این مسئلہ را بمعتقدات اہل حق جمع ساختہ است و نزاع فریقین را بلفظ عائد داشتہ و شکوک و شبہات طرفین را حل ساختہ بر نہجیکہ محل ریب و اشتباہ نماند (مکتوب ۲۲۶ جلد اول)[2]

دقیق یا وجدانی مسائل | پھر بعض مسائل قدرۃً نہایت دقیق اور عام سطح عقل سے بلند ہوتے ہین، یا ان کا منشا الہام و وجدان ہوتا ہے اس لیے بھی ان مین غلطی اور غلط فہمی زیادہ واقع ہوتی ہے، اور اسی لیے حضرات صوفیا نے ان کی تعبیر کے لیے خاص خاص اصطلاحات و رموز اختیار کیے تاکہ عام لوگون کی ضلالت

[1] الطریق ص ۲۲ و ۲۳ ۱۲

Marfat.com

واضلال کا باعث نہ ہون۔ بلکہ ہر کس و ناکس کو اپنی کتابون اور کلام کے مطالعہ سے روکا ہے۔ اور یہ طرز حضرت شیخ کے ساتھ خاص نہین، بلکہ صوفیائے متقدمین سے چلا آتا ہے۔ حتی کہ امام قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) فرماتے ہین کہ

"صوفیہ نے رموز مین تعبیر کرنے کا کام بہت اچھا کیا کہ اہل اللہ کا طریق غیر اللہ پر ظاہر ہونے سے غیرت کی کہ وہ اس کو غلط سمجھ کر خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسرون کو بھی گمراہ کرتے۔ اور اس لیئے ان حضرات نے مرید (مبتدی) کو اس سے منع کیا کہ صوفیہ کے رسائل کو بدون کسی شیخ سے پڑھے ہوئے خود مطالعہ کرے۔

"بعض عارفین کہتے ہین کہ عشاق کی زبان غیر عشاق کے لیئے عجمی (یعنی غیر مفہوم) ہے اور وہی زبان اپنے ہم طریق کے لیئے عربی (یعنی مفہوم) ہے۔ اور یہ حکم اولیاء اہل تمکین کیلئے ہے کہ (اُن کی زبان اہل طریق کی سمجھ مین آتی ہے) باقی جن پر حال غالب ہے، سو اہل طریق کے آداب مین سے یہ ہے کہ اس کے حال کو مسلم رکھین (اور معذور سمجھین) کیونکہ وہ عشق کی زبان بول رہا ہے، نہ کہ علم صحیح کی[1] (بخلاف اہل تمکین کے کہ انھون نے عشق کے ساتھ علم صحیح کو جمع کر رکھا ہے)

علوم کی تین قسمین "بجملہ علوم تین قسم کے ہین۔ علم عقل و علم احوال اور علم اسرار... علم اسرار وہ علم ہے جو عقل سے بلند ہے، اور اس لئے اس علم والے پر جلدی اسے انکار کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ طریق الہام سے

---

[1] التعرف ص ۳۶ ۱۲

Marfat.com

حاصل ہوتا ہے۔ اور اکثر عقول ضعیفہ یا متعصبہ اس علم کو رد کر دیتی ہیں اور اس وجہ سے (کہ وہ عقل سے خارج ہے) جو شخص یہ علم دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے، وہ کمزور فہم والون تک اس کو پہونچانے پر کسی طرح قادر نہین ہوتا بجز اس کے کچھ مثالین یا خطابیات شعریہ استعمال کرے (جن مین اور بھی بُعد بڑھ جاتا ہے) اور کاملین کے اکثر علوم اسی قبیل کے ہین[1]"

"حضرت جنید و حسن بصری (ان علوم کو نہایت احتیاط سے بند مکان مین ظاہر کرتے تھے اور) فرماتے تھے کیا تم (ان علوم کو ظاہر کر کے چاہتے ہو کہ اولیاء اللہ (جن سے ہم نے یہ علوم لیئے ہین) ایسے لوگون کے نزدیک جھوٹ اور بہتان کے طور پر زندقہ کے ساتھ متہم کیئے جاوین جو ان کی اصطلاحات نہین جانتے[2]"

متاخرین مین حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے مستند و محقق اس حقیقت کو اپنی تفسیر مین اس طرح واضح فرماتے ہین کہ

"جو شخص ان پر گفتگو کرنا چاہتا ہے اس کو ایسے مجازات و استعارات سے کام لینا پڑتا ہے جن کے مقصود تک عوام کی رسائی نہین ہوتی، اس لیئے وہ لوگ اس کو فاسق و کافر بنا دیتے ہین"

رہا یہ سوال کہ پھر ایسی باتون پر گفتگو یا تصنیف کی ضرورت ہی کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ

"ان تصنیفات سے غرض ان علوم کا افادہ نہین، اور نہ ان کے مطالعہ

---

[1] الطربی ص ۳۷ و ۳۸ ۱۲ [2] ایضاً ص ۴۰ ۱۲

Marfat.com

سے قرب سے وہ ولایت حاصل ہوتی ہے بلکہ مقصود تو ان عارفین کو جو ان علوم کو جذب اور سلوک سے حاصل سے کرتے ہین بعض تفصیلات پر متنبہ کرنا ہوتا ہے اور مریدین کے احوال و مواجید کو اکابر کے احوال و مواجید پر منطبق کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ ان کے احوال کا صحیح ہونا ظاہر ہو جائے اور ان کے قلب کو قلب کو اطمینان ہو جائے۔ اور بسا اوقات ان معارف کے ساتھ غلبۂ احوال مین گفتگو کرتے ہین۔ پس عوام کے لیے ان حضرات کا کلام سننے اور انکی کتابین دیکھنے مین طریق مستقیم یہ ہے کہ اعتراض نہ کرین اور بقدر امکان تاویل کرکے ظاہر شریعت پر محمول کرین۔ کیونکہ ان کا کلام رموز و اشارات ہوتے ہین یا اگر تاویل سمجھ مین نہ آئے تو علام الغیوب کے حوالہ کر دین جیسا کہ متشابہات کی شان ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے کلام مین مجازات و استعارات ہوتے ہین، جن کا ظاہری مطلب نہین ہوتا۔ (ورنہ درحقیقت) ان مین کوئی بات شرع کے خلاف نہین ہوتی، بلکہ کتاب و سنت کا مغز ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان سے نصیب فرمائے۔

ایک اور احتمال | ایسے مشاہیر و اکابر کے اقوال و تصانیف کے باب مین یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ان کی غیر معمولی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے بعض معاندین حق و دین ان کی طرف خلاف حق و دین باتین منسوب یا ان کی کتابون مین الحاق کر دیتے ہین، اور حضرت شیخ کے متعلق تو یہ نرا احتمال ہی نہین، بلکہ امام عبدالوہاب شعرانی صاف صاف فرماتے ہین۔ کہ

لہ الطربی صلے ۱۲

Marfat.com

"جس قدر ان کا کلام ظاہر شریعت اور طریق جمہور کے خلاف ہے، وہ خارج سے داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ شیخ ابو طاہر مغربی نزیل مکہ نے پہلے تو مجھ سے یہ بیان کیا اور پھر بعد میں میرے دکھلانے کو فتوحات کا وہ نسخہ نکالا جس کو حضرت شیخ کے اس نسخہ سے مقابلہ کیا تھا، جو خود شیخ کے خاص قلم کا لکھا ہوا شہر قونیہ میں تھا، تو میں نے ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت نہیں دیکھی جس میں مجھ کو تردد تھا اور فتوحات کے اختصار کے وقت میں نے ان کو حذف کر دیا تھا"

اس کے علاوہ بھی امام شعرانی نے ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ مفسدوں نے بزرگوں کے کلام میں کچھ نہ کچھ عبارتیں ملحق کر دی ہیں، اس لیئے حضرت علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ

"جہاں کوئی اور تاویل نہ ہو سکے وہاں بجائے بزرگوں پر اعتراض کرنے کے یہی احتمال تجویز کرے کہ شاید کسی نے یہ مضامین خلوص دیئے ہوں[1]"

غرض حدیث قدسی کی اس شدید وعید کی بنا پر کہ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی اس کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں (من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب) حضرت علیہ الرحمۃ کا مسلک ہر معاملہ کی طرح اس میں بھی غایت حزم و احتیاط کا ہے کہ تا بہ امکان مشہور و مسلم اولیاء اللہ سے سوء ظن و عداوت سے بچنا لازم ہے اور التنبیہ النظری کی فصل سوم کی مذکورہ عبارات و اقتباسات کے تحت آخر میں صوفیا اور ان کی کتابوں کے ساتھ معاملہ رکھنے کا خلاصۃ تحریر فرمایا ہے کہ

---

[1] النظری ص ۲۸ و ۲۹ ۱۲

Marfat.com

حضرت کا مسلک احتیاط و اعتدال "جن حضرات مین قبول کے علامات ظاہر ہین، اور منجملہ ان علامات کے علمائے محققین کا حسن ظن بھی ہے، ان کے ساتھ حسن اعتقاد رکھے۔ اور ان کے کلام مین اگر کوئی امر اظاہراً خلاف سواد اعظم دیکھے تو اپنا اعتقاد اس کے موافق نہ رکھے، نہ اس کو کسی کے سامنے نقل کرے، نہ ایسی کتابون کا مطالعہ خود کرے، جب تک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے۔ کیونکہ ان حضرات کا مقصود عوام کے لیئے تدوین نہین، بلکہ عوام سے اخفا فرماتے تھے۔ لہٰذا اعتقاد سواد اعظم کے موافق رکھے اور اس کلام مین اگر تاویل ممکن ہو تاویل کرے، ورنہ غلبۂ حال پر محمول کرے یا دشمنون کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے، یا مثل متشابہات کے اس کو مفوض بحق کرے۔

غرض جہان تک ممکن ہو، ایسے حضرات پر اعتراض اور ان کے ساتھ گستاخی سے بچے۔

"کیونکہ گو وہ معصوم نہ تھے، لیکن شریعت کے بیحد متبع تھے چنانچہ غیر معذور سے اگر کوئی فعل خلاف شریعت ظاہر ہو تو اس) پر خود ان سے نکیر منقول ہے۔ اور اس لیئے احکام مین خود ان سے ایسا امر منقول نہین (جو شریعت کے خلاف ہو) صرف بعض اسرار منقول ہین، جن کی بنیاد ذوق و کشف پر ہے، اور تعبیر خاص اصطلاحات مین کی گئی ہے۔ اور ان دونون چیزون سے چونکہ عوام اور اہل ظاہر بے بہرہ ہین، اس لیئے ان کے کلام کے معارض شریعت ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہین کر سکتے گو ظاہری

Marfat.com

(علم وفضل کے اعتبار سے) ان سے بڑھے ہوئے ہون اس لیے ان کو اجمالاً تسلیم کرلینا چاہیئے، ورنہ گستاخی سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

"البتہ جو شخص ایسا ہی محقق ہو اس کو حق ہے کہ ایسے کلام پر مفصلاً رد کرے خواہ خطاء اجتہادی کے درجہ مین اور خواہ ابطال کی حد تک[1]۔

حضرت کا مسلک خاص حضرت شیخ کی نسبت

آخر مین خاتمۂ کتاب پر تحقیقات بالا ہی کے موافق حضرت علیہ الرحمہ نے خود اپنا مسلک حضرت شیخ کی نسبت جو تحریر فرمایا ہے، وہ اس لحاظ سے سننے کے لائق ہے کہ ہر ہر جز کتاب وسنت کے کیسا تابع ہے۔ خصوصاً ان حضرات کے لیئے جو کتاب وسنت ہی کا نام لے کر حضرت شیخ یا ایسے دیگر حضرات پر زبان دراز کرتے ہین ارشاد ہے کہ

"میرا مسلک حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کے باب مین یہ ہے کہ بنا بر شہادت جم غفیر اکابر امت، جس کی حجیت انتم شھداء اللہ فی الارض سے ثابت ہے، شیخ کی مقبولیت وولایت کا عقیدہ کامل رکھتا ہون، اور شیخ کے اکثر علوم جو از قبیل اسرار ہین، اور میرے فہم سے خارج ہین عقلاً نہ ان کے اثبات کا حکم کرتا ہون باعتبار آیت لا تقف ما لیس لک بہ علم اور نہ ان کی نفی کا باعتبار آیت بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔ اور بلا ضرورت شرعیہ ان کی اشاعت واشتغال کو مضر سمجھتا ہون بحکم آیت واما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ اور طبعاً

---

[1] الطریق ص ۴۲ ۱۲

Marfat.com

ان کے اقوال کی طرف توجہ کرنے سے قلب مین اطمینان نہین پاتا ہون اس لیے مطابق حدیث دع ما یریبك الی ما لا یریبك ان کا استحضار نہین کرتا اور جن علما نے حفاظت شریعت کیلئے حدود شرعیہ کے اندر رہ کر اقوال شیخ بلکہ شیخ پر نکیر کیا ہے ان کو حسب آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها اور حدیث انما الاعمال بالنیات معذور جانتا ہون۔

"اور اس مجموعی مسلک مین اپنے کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متوافق دیکھتا ہون۔ جیسا کہ ان کے بعض مکتوبات سے ظاہر ہے (جس کے کچھ جملے اوپر نقل ہوے) البتہ مجدد صاحب مین یہ امر مزید ہے کہ وہ ان کے اقوال پر کلام بھی کرتے ہین، جو بوجہ ان کے محقق و صاحب کشف ہونے کے ان کا حق ہے اور ہم یہ منصب نہین رکھتے بقول عارف رومیؒ ؎

آرزو میخواہ لیک اندازخواہ　　بر تناید کوہ را یک برگ کاہ

حضرت منصور اس زمرۂ عشاق مین سب سے زیادہ بدنام شخصیت حضرت منصور کی ہے، جو اصل مین حسین ابن منصور ہین، لیکن شہرت منصور ہی کے نام سے ہو گئی۔ ان کے ایک ہی قول (انا الحق) نے ان کو اہل باطن کی نظر مین عرفان و ولایت کی سند دلوائی اور اسی نے اہل ظاہر کی نظر مین مستوجب دار و رسن ٹھہرایا۔

Marfat.com

ان کی صفائی | حضرت علیہ الرحمہ کو ان کی صفائی کی شہادت کا اتنا اہتمام تھا کہ اولاً تو ان کے کلام (اشعار) کی ایسی شرح تحریر فرمائی "جس کے بعد کوئی بات شریعت مقدسہ کے خلاف ان کے کلام مین باقی نہین رہتی"۔ ساتھ ہی ان کے دیگر حالات وواقعات کی تحقیق کے لیئے القول المنصور فی ابن منصور کے نام سے ایک رسالہ کا بھی مواد جمع کرایا، اور حد یہ کہ وصیت فرمائی کہ "اگر یہ کام میرے سامنے پورا نہ ہو تو بعد مین کوئی صاحب اس کی تکمیل کر دین"[1] اس سے اندازہ فرمایئے کہ حضرت کی نگاہ مین ان حضرات اہل اللہ کی حمایت وتبریہ کا کام کتنا مہتم بالشان تھا جس کی وجہ بھی کیسی معقول ودلنشین بیان فرمائی کہ

"کسی غیر مقبول کے ساتھ حسن ظن رکھنا مضر نہین۔ اور مقبولون سے بلا وجہ بدگمانی کرنا مضر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی رذیل کے ساتھ شریفون جیسا معاملہ کرنا برا نہین۔ لیکن کسی شریف سے رذیلون جیسا برتاؤ بہت برا ہے"[2]۔

ان کی مقبولیت کے گواہ | لیکن حضرت کی یہ وصیت الحمد للہ کہ زندگی ہی مین حضرت کے صاحب علم وفضل بھانجے مولانا ظفر احمد صاحب نے ایسے احسن طریق پر پوری فرمادی کہ حضرت فرماتے ہین کہ "مین خود ایسے طرز سے لکھنے پر قادر نہ تھا"۔ بلکہ اس حدیث کی رو سے ابن اخت القوم منھم[3] ان کے قلم یا ہاتھ کو حکماً اپنا ہی ہاتھ قرار دیا۔ اور حق یہ ہے کہ مولانا موصوف نے کوئی قریب وبعید پہلو داد تحقیق کا اٹھا نہین رکھا جتنے مشکوک ومشتبہ اقوال وملفوظات مل سکے سب کی ایک ایک کرکے تحقیق وتوجیہ

---

[1] القول المنصور ص ۱۲ [2] ایضاً ص ۱۲ [3] ایضاً ص ۱۲

Marfat.com

کی گئی ہے۔ متقدمین و متاخرین مین بہت سے ظاہر و باطن کے مسلم اکابر کی شہادتون کو حضرت ابن منصور کی ہمراہت ہی مین نہین بلکہ ان کی مقبولیت و ولایت کے ثبوت مین پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً امام قشیری۔ امام غزالی، حضرت غوث اعظم، شیخ عبدالقادر جیلانی، مولانا رومی، علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت مولانا عبدالرشید گنگوہی وغیرہم۔ راقم سطور کے نزدیک سب سے زیادہ تحقیق اس باب مین حضرت شیخ ابن عربیؒ کی فیصلہ کن ہے، جو اس حیثیت سے اور بھی دلچسپ و قابل نقل ہے کہ اس سے خود حضرت شیخ پہ طعن کرنے والون کو معلوم ہوگا، کہ شیخ کی نگاہ مین کتاب و سنت کے اتباع و احترام کا کیا مقام ہے فرماتے ہین کہ

شیخ اکبر کا قول فیصل "مشائخ صوفیہ کی دو قسمین ہین۔ ایک جو کتاب و سنت کے عارف ہین، ظاہر مین کتاب و سنت کے موافق باتین کرتے ہین اور باطن مین کتاب و سنت سے رنگے ہوتے ہین۔ اللہ کے حدود کی نگہبانی کرتے، اس کے عہد کو پورا کرتے، احکام شرع کی پابندی کرتے ہین۔ امت پر شفقت کرتے ہین۔ کسی گنہگار کو حقیر و ذلیل نہین کرتے۔ اللہ کو جو محبوب ہے، اس سے محبت کرتے ہین، اور اللہ کو جو مبغوض ہے، اس سے بغض رکھتے ہین۔ اللہ کے راستہ مین کسی ملامت کی پروا نہین کرتے، اچھی باتون کا امر کرتے ہین، اور متفق علیہ منکر سے منع کرتے ہین۔ یہ حضرات وہ ہین جن کا اقتدا کیا جاتا ہے، ان کا احترام واجب ہے۔ یہی ہین جن کی صورت دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔

Marfat.com

اور دوسری قسم کے وہ مشائخ ہین جو صاحب احوال ہین، ان کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ظاہر مین ان کے اندر (شریعت کا وہ) تحفظ نہین (جو پہلی قسم کے مشائخ مین ہوتا ہے، نہ وہ احتیاط ہے، جو ان مین ہوتی ہے) ان کے احوال کو تو تسلیم کرلیا جائے، مگر ان کی صحبت نہ اختیار کی جائے اگر ان سے کچھ کرامات بھی ظاہر ہون تو ان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے جب کہ ان کے اندر شریعت کے ساتھ سوء ادب موجود ہے۔ کیونکہ ہمارے لیئے اللہ تک پہونچنے کا راستہ اس راستہ کے سوا کوئی نہین جو اللہ تعالےٰ نے شریعت مین مقرر فرما دیا ہے، تو جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تک پہونچنے کا راستہ شریعت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، اُس کا قول غلط اور جھوٹ ہے۔ بس جس شخص مین (شریعت کا) ادب نہ ہو اس کی اقتدا نہ کی جائے گی اگرچہ وہ اپنے حال مین سچا ہو، اس کا احترام کیا جائے گا۔" (فتوحات باب)

بس اس تقسیم کی رو سے قول فیصل یہی ہے کہ حضرت منصور کا شمار قسم ثانی کے مشائخ مین کیا جائے، جیسا کہ فتوحات ہی کے ایک دوسرے باب کرامات مین ارشاد ہے کہ

"جس طرح رسول کے ذمہ معجزات و کرامات کا اظہار واجب ہے، کیونکہ وہ (رسالت و نبوت کا) مدعی ہے اسی طرح ولی کے ذمہ کرامات کا اخفا واجب ہے، کیونکہ وہ مدعی نہین، نہ اس کو دعویٰ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ صاحب تشریع نہین .... اور یہ ولی اگر کسی وقت شریعت کے مقرر کردہ میزان سے باہر قدم نکالے تو اگر وہ عاقل و مکلف ہے،

Marfat.com

(مغلوب الحال نہین) تو اس کے حال کو تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ اس کے متعلق نفس الامر مین احتمال ہے کہ (قوی عذرات سے اس کے حق مین شریعت کی مخالفت معذرۃ ہو) اور وہ احتمال بھی (بے اصل نہین بلکہ) میزان شرع مین موجود ہے۔

"لیکن اگر اس سے کسی ایسے امر کا صدور ہو جس پہ ظاہر شرع مین حد واجب ہوتی ہے اور حاکم کے نزدیک ثبوت بھی ہو گیا، تو اس پہ حد قائم کی جائے گی، اور وہ احتمال حدود سے نہ بچائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالے نے اہل بدر کے بارے مین اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم فرمایا ہے (کہ تم جو چاہو کرو مین نے تم کو بخش دیا) یہ نہین فرمایا کہ مین نے تم سے دنیا مین حدود بھی ساقط کر دین۔ تو اگر فرض کر لیا جائے کوئی اہل بدر کی طرح مغفور ہو گیا ہے سو ممکن ہے کہ آخرت مین اس سے مواخذہ نہ ہو لیکن دنیا مین جب تک وہ حد تکلیف کے اندر ہے ضرور مواخذہ کیا جائیگا)

"پس احکام ظاہر مین جو حاکم اس ولی پہ حد جاری کریگا ثواب کا مستحق ہوگا" جیسے (منصور حلاج اور ان جیسے دوسرے)" (فتوحات باب ۱۹۶)

مولانا روم کی توجیہ انا الحق

غرض قسم ثانی کے اولیا یا بزرگون سے اگر کوئی بات ظاہر شریعت کے خلاف ظاہر ہو تو چونکہ وہ صاحب احوال ہین یعنی ان کی حالت تمکین کی نہین کبھی کسی حال مین ہوتے ہین کبھی کسی حال مین، اس لیئے ان کا کسی وقت کسی حال سے مغلوب ہو جانا بالکل بعید نہین اور زیادہ تر غلبۂ حال کی معذوری ہی ان حضرات سے بعض بظاہر خلاف ادب اقوال و افعال کے صدور کا

Marfat.com

باعث ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا روم نے بھی اس غلبۂ حال ہی کو منصور کے انا الحق کا عذر قرار دیا ہے جس کو مستی یا غلبۂ وفا (یعنی غلبۂ عشق و محبت) سے تعبیر فرمایا ہے کہ

گفت فرعونے انا الحق گشت پست　　گفت منصورے انا الحق گشت مست
لعنۃ اللہ این انا در رفتا　　رحمۃ اللہ این انا اندر وفا

اور اپنے ملفوظات "فیہ ما فیہ" مین اس غلبۂ حال و استغراق کی عجیب لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ انا الحق مین انا العبد سے بھی زیادہ تواضع و تذلل ہے۔ فرماتے ہین کہ۔

"استغراق آن باشد کہ او درمیان نباشد، او را جہد نماند و حرکت نماند غرق آب باشد ہر فعل کہ از و آید آن فعل او نباشد فعل آب باشد۔ اگر ہنوز در آب دست و پا زند آن را غرق نگویند یا بانگے می زند کہ آہ غرق شدم این را نیز استغراق نگویند۔ آخر این انا الحق گفتن منصور ہم ازین معنی است مردم پندارند کہ دعوی بزرگ است۔ انا العبد گفتن دعوے بزرگ است انا الحق عظیم تواضع است۔ آنکہ می گوید کہ من عبد خدایم دوستی اثبات می کند یکے خود را و یکے خدا را اما آنکہ انا الحق گوید خود را عدم کرد و بباد داد۔ می گوید کہ انا الحق یعنی من نیستم ہمہ اوست جز خدا ہستی نیست من بکلی عدم محضم و ہیچم تواضع درین جا بیشتر است۔ این ست کہ مردم فہم نمی کنند" (ص۱۱)

یعنی پانی مین پوری طرح غرق ہو جانا یہ ہے کہ آدمی مین اپنے ارادہ کی کوئی حرکت باقی نہ رہ جائے جو حرکت بھی ہو وہ پانی کا فعل ہو۔ حتی کہ جب تک وہ ہاتھ پاؤن

Marfat.com

مار رہا ہے یا یہ شور مچا رہا ہے کہ مین ڈوبا، اس وقت تک وہ ڈوبا نہین (استغراق کامل نہین) اور منصور کے "انا الحق" کا منشا یہ استغراق کامل ہی تھا لوگ سمجھتے ہین کہ یہ کوئی بڑا دعوے ہے۔ حالانکہ بڑا دعوے "انا العبد" کہنا ہے کیونکہ اس مین خدا کے ساتھ اپنی یا عبد کی ہستی کا بھی دعوے ہے، اور انا الحق کے معنی یہ ہین کہ مین کچھ نہین ہون عدم محض ہون، وجود صرف خدا ہی کا ہے۔ اس مین تواضع زیادہ ہے۔ بس یہ بات ہے کہ لوگ اس کو سمجھتے نہین۔

حضرت باقی باللہ کی تائید | اسی کو خواجہ باقی باللہ فرماتے ہین کہ "معنی عبارت انا الحق نہ آنست کہ من حقم بلکہ آنست کہ من نیستم و وجود حق ست سبحانہ"۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ سے بڑھ کر شریعت اور کتاب و سنت کا پاس کس کو ہوگا مگر حضرت مکتوبات باقی باللہ کے اس قول کو بلا کسی رد و نکیر کے نقل فرماتے ہین (دیکھو دفتر اول حصہ ۴ صـ۱۱ مطبوعہ امرتسر)

عارف الہ آبادی کا نکتہ | اس نکتہ کو عارف الہ آبادی حضرت اکبر نے اور تیز کر کے "حضرت منصور" پر مواخذہ اور اجرائے حد کو کیسا حق بجانب ثابت فرمایا کہ

حضرت منصور کہتے ہین انا بھی حق کے ساتھ
دار تک تکلیف فرمائین گر اتنا ہوش ہے

یعنی انا الحق کہنے مین خدا کی ہستی کے ساتھ انا کا بھی اثبات ہے، جو ہوش اور تکلیف کی دلیل ہے اس "انا" کو بھی فنا کر کے خالی حق کہتے تو عین حق تھا۔ کون اعتراض کر سکتا تھا۔

Marfat.com

استغراق کی عام فہم توجیہ

لیکن حال یا استغراق تام کی سب سے سہل اور عام فہم توجیہ عشق و محبت کا استیلائی غلبہ ہے، جس کا اثر جب مجازی عشق مین یہان تک ہو سکتا ہے کہ مجنون انا لیلیٰ کہنے لگتا ہے تو پھر "عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود" جیسا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"صاحبو مجنون عامری کی حالت یہ تھی کہ جب اس سے لیلیٰ کو دریافت کیا جاتا تو کہتا کہ مین ہی تو لیلیٰ ہون وہ لیلیٰ کی محبت مین لیلیٰ کی ذات (خاص) سے بھی غائب ہو جاتا تھا۔ لیلیٰ کے مشاہدہ ہی مین رہتا تھا یہ مشاہدہ اس کو لیلیٰ کے سوا ہر چیز سے غائب کر دیتا تھا۔ تمام چیزون (حتیٰ کہ خود اپنے کو بھی) لیلیٰ ہی مشاہدہ کرتا تھا۔ پھر اللہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والا یہ دعوائے محبت کیونکر کرتا ہے، حالانکہ وہ تمیز کی صفت بھی رکھتا ہے، اپنی معلومات و مالوفات اور حظوظ نفس سے تعلق بھی رکھتا ہے۔ بیہات (ایسی صورت مین) اس کو اللہ سے محبت کے دعوے کا کیا حق ہے" ص۹۶

اسی طرح امام ابو نصر سراج نے تصوف کی سب سے قدیم کتاب کتاب اللمع مین کسی کا قول نقل کیا ہے کہ

انا من اھوی ومن اھوی انا　　فاذا ابصرتنی ابصرتنا

نحن روحان معًا فی جسد　　الیس اللہ علینا بدنا

یعنی مین محبوب کا عین ہون اور محبوب میرا عین ہے، جب تو مجھے دیکھے ہم دونون کو دیکھے گا۔ ہم دو روحین ایک بدن مین اکٹھے

Marfat.com

ہین، اللہ تعالےٰ نے ہم دونون کو ایک قالب بنھا دیا ہے بس وہی کہہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی　　تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

اسی طرح کسی اور کا قول ہے -

یاسنیة المتمنی افتینی بك عنی　　ادنیتنی منك حتی ظننت انك انی

یعنی آرزو کرنے والے کی آرزو تو نے اپنے ساتھ مشغول کرکے مجھ کو خود اپنے سے فنا کر دیا اور خود سے مجھ کو اس قدر نزدیک کر لیا ہے کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ تو مین ہون"۔ (ص ۱۹۵)

اس کو نقل کرکے امام سرّاج فرماتے ہین کہ "یہ محبّت کے غلبہ سے ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے ساتھ حال وخطاب ہے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اس ذات کی محبت کا مدعی ہے، جو رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے" عجیب بات ہے کہ اوپر جو اشعار اس حال کے نقل ہوے وہی خفیف لفظی تغیر کے ساتھ خود حضرت منصور کی طرف بھی منسوب ہین - ملاحظہ ہو (ص ۲۹۴)

انا من اھویٰ ومن اھویٰ انا　　نحن روحان حللنا بدنا

عجبت منك ومنی افتینی بك عنی　　ادیتنی منك حتیٰ ظننت انك انی

اس عام فہم توجیہ کے ہم رنگ ایک اور توجیہ خواص اہل علم کے لیے بھی قابل ملاحظہ ہے، جو تذکرۃ الاولیا حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے القول المنصور کے ضمیمۂ اول مین نقل ہے کہ

"مجھے تعجب ہے کہ بعضے اس کو تو جائز سمجھتے ہین کہ ایک درخت سے تو انی انا اللہ کی آواز آئے اور درخت کا اس مین کچھ دخل نہ ہو، اُن کے

Marfat.com

نزدیک یہ کیون جائز نہین کہ حسین منصور سے انا الحق کی آواز صادر ہو، اور ان کا اس مین کچھ دخل نہ ہو۔ جس طرح حضرت عمرؓ کی زبان پر حق تعالیٰ نے تکلم کیا تھا، اسی طرح منصور کی زبان پر تکلم فرمایا۔ اس مین نہ حلول کا کچھ کام نہ اتحاد کا۔"

قرب نوافل کی حدیث سے توجیہ | راقم احقر کے نزدیک اسی سے ملتی جلتی صورت قرب نوافل کی مشہور و مسلم حدیث والے قرب کی ہے، جس مین حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ بندہ کا مین پاؤن ہو جاتا ہون جس سے وہ چلتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہون جس سے وہ پکڑتا ہے الی آخر الحدیث جس کی تعبیر کی جاتی ہے کہ بندہ اپنے ارادہ سے خالی ہو جاتا ہے، اس کے اعضاء و جوارح فعلِ حق کا محض آلہ رہ جاتے ہین۔ فاعل حقیقی خود حق تعالیٰ ہوتے ہین۔ اسی طرح اس قرب نوافل کے مقام مین زبان بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تکلم کا محض آلہ بن جاتی ہے اور اصل متکلم خود اللہ تعالیٰ ہوتے ہین تو اب انا الحق منصور نے نہین کہا بلکہ اُن کی زبان اسی طرح اس کلام کے نطق کا محض آلہ تھی جس طرح شجر طور انی انا اللہ کے نطق کا محض آلہ یا مظہر تھا، اور اصل متکلم اللہ تعالیٰ تھے واللہ اعلم بالصواب۔

حق و خلق کی غیریت پر خود حضرت منصور کا قطعی قول | خصوصاً جب حضرت منصور کے خود اور بہت سے اقوال حلول و اتحاد کے قول و عقیدہ کے صراحۃً خلاف اور خدا و بندہ کی غیریت پر نص قطعی ہین تو انا الحق وغیرہ کے سے مشکوک اقوال کی کوئی نہ کوئی ایسی ہی توجیہ و تاویل قبول کرنا پڑے گی، جو حقیقی حلول و اتحاد یا عینیت کو مستلزم نہ ہو چنانچہ امام قشیری نے ان کے جو اقوال نقل فرمائے ہین ان مین سے

Marfat.com

بعض یہ ہین کہ

"اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے احوال سے منزہ ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کسی قسم کا امتزاج نہین .... وہ اپنی قدامت کے سبب مخلوق سے الگ ہے جیسا مخلوق اپنے حدوث کے سبب اس سے الگ ہے .... اس کی معرفت یہ ہے کہ اس کو واحد جانو اور توحید یہ ہے کہ مخلوق سے اس کو ممتاز سمجھو .... جو چیز اسی سے پیدا ہوئی وہ اس مین کیسے حلول کر سکتی ہے"[1]

قتل سے پہلے "پورے ایک ہزار تازیانے لگائے گئے مگر اس (اللہ کے بندے) نے نہ معافی طلب کی نہ آہ کی بس ہر تازیانہ پر احد احد ہی کہتے رہے۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس — ہمین است بنیاد توحید بس

فناء عشق کا کمال | فلسفہ کی کرسی پر بیٹھ کر وحدۃ الوجود کا لکچر تو سب ہی دے سکتے ہین لیکن انا الحق کہنے کا کسی کو کچھ حق ہو سکتا ہے تو اس کو جو ذات حق کی محبت مین اس درجہ فنا و غرق ہے کہ "جب ہزار تازیانے لگ چکے تو ایک ہاتھ کاٹا گیا، پھر ایک پاؤن کاٹا گیا، پھر دوسرا ہاتھ کاٹا گیا، پھر دوسرا پاؤن کاٹا گیا، مگر اف نہ کی بلند آواز سے صرف یہ اشعار پڑھے" (ص ۱۰۴)

وحرمۃ الود الذی لم یکن — یطمع فی افسادہ الدھر
ما نالنی عند ھجوم البلاء — باس ولا مسنی الفر
ما قُد لی عضو ولا مفصل — الا وفیہ لکم ذکر

---

[1] ص ۱۴۱ ۱۲ [2] ص ۴۰ ۱۲

Marfat.com

قسم کھاتا ہون اس محبت کی حرمت کی جس کو بگاڑنے کی زمانہ نے کبھی طمع نہین کی (یعنی وہ محبت ایسی قوی ہے کہ انقلاب زمانہ سے اُس مین ضعف وتغیر کا احتمال نہین) مجھ کو ہجوم بلا کے وقت دکھی تکلیف پہونچی نہ کوئی ضرر پہونچا۔ میرا کوئی عضو یا جوڑ نہین کاٹا گیا جس مین تمھاری یاد نہ ہو (یعنی تمھاری یاد ایسے وقت بھی دل سے نہ گئی (اسی سے وہ تکلیف تکلیف نہ معلوم ہوئی)

مؤلف رسالہ المنصور نے خاتمہ پر خوب ہی تحریر فرمایا کہ

"ایسی سخت سزا اور سنگین مصیبت کو اس درجہ صبر و استقلال کے ساتھ اور خندہ پیشانی سے تحمل کرنا نہ کسی زاہد خشک سے ممکن ہے نہ کسی صاحب ذوق سے۔ اور عین اس حالت مین نشۂ توحید سے سرشار ہوکر محبت و عشق الٰہی کا ایسا درد انگیز اظہار کرنا کہ مشائخ وقت بھی نعرۂ حسب الواحد افراد الواحد لہ سن کر رقت پذیر ہوگئے اور اس درد انگیز حالت مین فنا فی اللہ جیسے امام طریقت کے سوالات کا جواب دینا ابن منصور کی جس شان یکتا کو ظاہر کرتا ہے۔ زمانہ کی نگاہ نے اس کا نظارہ بہت کم کیا ہوگا۔

"پس حقیقت یہ ہے کہ ابن منصور کا واقعۂ قتل اور صاحبۂ ہونہار بیٹی ان کے سچے صوفی عاشق فانی محبت سبحانی اور صاحب استقلال لاثانی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(سبحانہ امرکہ) اس مجمع مین کسی نے بھی ان کی اس حالت استقامت

Marfat.com

اور مستی محبت بدرجہ کمال سے ان کی ولایت و معرفت پر کیون نہ استدلال کیا!؟ تو اہل بصیرت نے ضرور کیا ہوگا۔"

لیکن اہل عداوت یا ابوجہلون کے آنکھین ہی کہان ہوتی ہین۔ اور ابن منصور کے بارے مین تو تاریخ کی تحقیق کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ وزیر حامد کی سازش و عداوت کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ مولانا روم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ

چون قلم در دست غدارے فتاد　　لاجرم منصور بر دارے فتاد

مغلوبیت کمال نہین تاہم آخر مین یہ بات ضرور پیش نظر رہے کہ حضرت منصور کی ولایت و معرفت اور عشق و محبت کی مغلوبیت سب مقبول و مسلم لیکن یہ مغلوبیت بہرحال مغلوبیت ہی تھی اور خالص اسلامی تعلیم و تصوف اور اسوۂ نبوت کے اعتبار سے یہ کمال نہین بلکہ نقص کی حالت ضرور تھی۔ جس کی طرف حضرت مخدوم شیخ عبدالحق ردولوی رحمہ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ "منصور بچہ بود از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا با فرو برند و آروغے نہ زنند (ص۶۵) اور جس کی صاف تصریح حضرت مجدد وقت حکیم الامت رحمہ نے فرما دی کہ

"وہ اہل باطل مین سے تو نہین اور ایسے اقوال (و احوال جن سے ان کے صاحب باطل ہونے کا وہم ہوتا ہے) یا غلط ہین یا مؤول یا قبل دخول فی الطریق کے ہون۔ مگر اس کے ساتھ ہی کاملین مین سے نہین بغلبۂ الحال ہین، اس لیئے معذور ہین"۔ (ص۶۵)

یہ تو وہ حضرات تھے، جن کے سر سے ایمان و عقیدہ ہی مین خلل و فساد کی بدنامی

Marfat.com

و بدگمانی پھیلی - ان سے بہت زیادہ تعداد ان اکابر کی ہے، جو اپنے عمل یا اتباع شریعت و سنت مین سستی و کوتاہی کے لیئے بدنام ہین - ان مین خاص طور سے خانوادۂ چشتیہ کا نام زیادہ لیا جاتا ہے اور ہمارے ملک مین اسی سلسلہ کے نام لیوا زیادہ ہین خود حضرت علیہ الرحمہ کے سلسلہ کی نسبت یون تو تمام نام آور سلاسل سے ہے۔ لیکن خصوصی ربط و نسبت اسی "خاندان عالی" سے ہے - اس لئے اور بھی حضرت پر اس سلسلہ کی طرف سے دفاع و تبریہ کا حق تھا۔ "السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ" کے نام سے کچھ کم دو سو صفحات کی کتاب اسی موضوع پر سپرد قلم فرمائی ہے۔ تمہید مین ارشاد ہے -

"مدت سے عام لوگون کے ذہن مین یہ خیال بسا ہوا ہے اور جون جون جہل کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اس مین قوت ہوتی جاتی ہے کہ حضرات صوفیہ مین عموماً اور چشتیہ مین خصوصاً شریعت کا اتباع نہین ہوتا یا کم ہوتا ہے۔ اس سے دو مفسدے پیدا ہوتے ہین ایک ان حضرات کے معتقدین مین دوسرا غیر معتقدین مین۔

"معتقدین کے اعتقاد مین تو خود شریعت ہی کا اتباع اس خیال سے ضروری نہین رہا کہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات ہی متبع ہوتے - اور غیر معتقدین مین یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ ان کے اعتقاد مین شریعت تو واجب الاتباع ہے، مگر چونکہ یہ حضرات ان کے زعم مین متبع نہین اس لیئے وہ ان کی شان مین گستاخی کرنے لگے - اول مفسدہ تو سرحد کفر سے ملا ہوا ہے کہ اس مین مجرد (انکار) ہے شریعت مقدسہ کا جس کا

Marfat.com

وجوب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور دوسرا مفسدہ گو کفر نہین، مگر درجہ بدعت شنیعہ و معصیت قطعیہ تک یقیناً پہونچا ہے، کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل مقبولان الٰہی سے بدگمانی اور ان کی شان مین بدزبانی ہے جو نصوص کے خلاف ہے اور نصوص کے خلاف عمل اگر شبہہ سے ہے تو بدعت ہے ورنہ فسق و معصیت بلاشبہہ ہے۔

"و نصوص یہ ہین قال تعالیٰ ولا تقف مالیس لك به علم و قال تعالیٰ ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا و قال تعالیٰ اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم"۔ و لا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ و قال تعالیٰ ان الذین یؤذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا۔ و قال تعالیٰ فی الحدیث القدسی من عادلی ولیا فقد آذنته بالحرب وغیر ذلك من الآیات و الاحادیث[1]

---

[1] فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ "جو تم جانتے نہین اس کے درپے نہ ہو"۔ اور فرمایا کہ "وہ محض ظن و تخمین سے کام لیتے ہین حالانکہ ظن حق کا کام بالکل نہین دیتا۔ اور فرمایا کہ ظن و تخمین سے بہت کام نہ لیا کرو کیونکہ بعض ظنی باتون مین گناہ ہو جاتا ہے"۔ اور فرمایا کہ "ٹوہ نہ کیا کرو نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو"۔ فرمایا کہ "جو لوگ مسلمان مرد عورتون کو ایسی باتون سے متہم کرتے ہین جو انھون نے کی نہین، تو یہ کھلے بہتان اور گناہ کا وبال خریدتے ہین"۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات و احادیث ہین۔ ۱۲

Marfat.com

"چونکہ یہ دونوں ضرورتیں شدید ہیں، اس لیئے ان کی اصلاح کی سخت ضرورت تھی۔ اور کسی مفسدہ کی اصلاح کا متعین طریق اس کے سبب کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اس مفسدہ کا سبب وہی ان حضرات کے تبع شریعت نہ ہونے کا خیال ہے۔

لیکن یہ خیال بے بنیاد نہیں، بلکہ اس کا ایک بہت بڑا مبنیٰ موجود ہے جو ان دونوں مفسدوں کا بڑا منشا رہا ہے، وہ یہ کہ

"ان حضرات کو دوسرے طبقات مسلمین سے دو امر میں خاص درجہ کا امتیاز حاصل ہے۔ ایک ان کے نور قلب و مشاہدات کی وجہ سے ان پر اسرار خاصہ کے انکشاف کا، دوسرے کثرت ذکر و مراقبات کی وجہ سے غلبۂ محبت کا یہ دونوں امر کبھی بعض ایسے اقوال کے صدور کا سبب ہو جاتے ہیں۔ جس کی کنہ تک اہل ظاہر نہیں پہونچتے۔ اور کبھی بعض ایسے افعال کے صدور کا، جن کے عذر تک اہل ظاہر نہیں پہونچتے۔"

لہذا اصلاح کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ان اقوال و افعال کی کنہ و عذر کی تحقیق و تفصیل کی جاتی، جس کے لیئے اول تو بڑے بڑے دفتر بھی کافی نہ ہوتے دوسرے جو لوگ "انکشاف اسرار" اور "غلبۂ محبت" کو نہیں جانتے کہ کیا ہے جیسا کہ عامۃ الناس اور اہل ظاہر کا حال ہے تو ان کے لیئے یہ تفصیل و تحقیق بھینس کے آگے بین بجانا ہوتا۔

"اس لیئے اکثر اوقات مصلحین نے اس کے ایک بدل ہی کو کافی سمجھا۔ وہ یہ کہ خود ان حضرات کے اقوال و افعال سے کلی طور پر اتباع شریعت کا اہتمام

Marfat.com

والتزام ثابت کر دیا جائے۔ اور چونکہ مسلمان عقلا کے اقوال و افعال مین اصل یہی ہے کہ ان مین تعارض نہ پایا جائے اور ان کو صلاح پر ہی محمول کیا جائے، جب تک اس کے خلاف کوئی یقینی وجہ نہ ہو، جیساکہ فقہانے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ان حضرات کی مجموعی حالت کے خلاف ایسی کوئی یقینی وجہ پائی نہین جاتی بلکہ نہ پایا جانا یقینی ہے۔

"پس یہ اجمالی دلیل اس کے لیئے کافی ہوگی کہ ان کے مشتبہ اقوال و افعال کا حضرت کوئی صحیح محمل ہے۔ اور اس اجمالی دلیل کے بعد ان مشتبہات یا موہمات کی توجیہ یا عذر کی تفصیل کی حاجت باقی نہین رہتی لیکن محتمل کو واقع کی صورت مین دکھلانے کے لیئے مناسب سمجھا گیا کہ بعض توجیہات و عذرات کو بھی نمونہ کے طور پر کہین کہین ذکر کر دیا جائے۔

اگرچہ اس قسم کے اصلاحی مواد حضرت علیہ الرحمہ سے پہلے بھی مختلف بزرگ وقتاً فوقتاً جمع کرکے نفع رسانی فرماتے رہے اور خود حضرت علیہ الرحمہ کے اس سے پہلے کے شایع فرمودہ رسالہ التنبیہ الطربی مین یہ مواد کافی موجود ہے تاہم

"اقتضاء وقت سے ایک خاص اضافہ کی صورت ذہن مین آئی۔ وہ یہ کہ عدم اتباع شریعت کی یہ تہمت حضرات چشتیہ کے سر خصوصیت کے ساتھ تھوپی گئی ہے ... جس کی وجہ ایک تو ان حضرات پر شورش و سوزش کے رنگ کا غلبہ ہے، جس سے بعض اوقات ان کا اعتدال مائل بہ اختلال ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان حضرات کی یہ سکنت کہ ملامت گر کو جواب نہین دیتے یا کبھی ناتمام جواب دیتے، پھر اس کے پیچھے نہین پڑتے، جس سے

Marfat.com

جاہل کو شبہہ ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس واقع مین کبھی جواب نہین۔ اور غایت فنا و محویت سے ان کے ذہن مین یہ نہین آتا کہ ہمارے اس طرز سے دوسرون کو ضرر ہوگا۔ بس ان کے مذاق کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
کار ملک است آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

ورنہ انصاف تو یہ ہے کہ حضرات چشتیہ کو اتباع سنت مین خاص امتیاز حاصل ہے۔ حتیٰ کہ ان کی تعلیمات مین حصول مقصود کے لیے کوئی ایسی شرط نہین جو سنت سے صراحۃً ثابت نہ ہو جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ

"حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے متبع سنت ہونے پر قریب قریب سب کو اتفاق ہے اور صحیح اتفاق ہے۔ مگر خود ان کے طریق مین بعض ایسی چیزین جو نصوص مین وارد نہین شرط طریق ہین۔ اور شرط بھی اعظم واہم۔ چنانچہ تصور شیخ باوجودیکہ مر کیا کسی نص مین وارد نہین، اور پھر خطرناک بھی ہے اور بعض کو اس مین غلو بھی ہوگیا ہے، اور اس خطرہ و غلو کے سبب مولانا شہیدؒ اس کو منع فرماتے ہین۔ مگر باوجود اس کے اکابر نقشبندیہ اس کو شرط مقصود فرماتے ہین۔ چنانچہ انوار العارفین ذکر تصور شیخ مین کنز الہدایہ بحوالہ مکتوبات حضرت مجدد صاحب کا ارشاد نقل ہے کہ

"ذکر تنہا بے رابطہ و بے فنا فی الشیخ موصل نیست۔ ذکر ہر چند از اسباب وصول است لیکن غالبًا مشروط بہ رابطۂ محبت و فنا در شیخ است۔

Marfat.com

آرے این رابطہ تنہا باد عایت آداب صحبت و توجہ و التفات شیخ بے التزام ذکر موصل است۔

"اور گو چشتیہ مین بھی مثل دیگر طُرق کے ایسے اشغال ہین جو صریح سنت مین وارد نہین۔ مگر کوئی شغل شرط طریق نہین۔ بلکہ مطلق شغل بھی شرط نہین۔ بعض کے لیئے صرف ذکر ہی کافی ہو جاتا ہے۔ پس چشتیہ کی شان بالکل حنفیہ کے مشابہ ہے کہ باوجود تمام مذاہب سے زیادہ سنت مین شدید الاتباع ہونے کے، جیساکہ ان کے اصول سے ظاہر ہے، اپنے دقیق ماخذ کے سبب مخالفت حدیث مین بدنام ہین۔ اسی طرح چشتیہ کے اصول سے ان کا سنت مین شدید الاتباع ہونا ظاہر ہے۔ جیسے کہ اوپر ایک اصل دلیل گذری کہ ان کے طریق مین کوئی امر ایسا شرطِ مقصود نہین جو سنت مین وارد نہ ہو۔ اور اصول ہی اصل معیار ہین"

لیکن حضرت علیہ الرحمہ کا احتیاط و ادب کا مذاق حضرات نقشبندیہ پر بھی کسی ایسے شبہہ کا تحمل کیسے فرما سکتا تھا اس لیئے آگے بڑھے بغیر پہلے اس کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ "شرط مقصود" مین مقصود سے مراد مقصود اصلی نہین بلکہ "کچھ خاص کیفیات ہین جو خود مقصود اصلی کے لیئے شرط نہین"

اہل تامل و انصاف کے لیئے تو اصولاً یہ تمہیدی گفتگو اور اس کے اشارات ہی حضرات چشتیہ پر سے اتباع سنت مین سستی و کوتاہی کی تہمت کو دور کر دینے کے لیئے کافی ہین، تاہم عام نفع کے لیئے بعض چیزین اصل کتاب سے پیش کر دینا ضروری ہے۔ پوری کتاب مین تین ابواب ہین۔

Marfat.com

"باب اول مین ان حضرات کے بعض وہ اقوال ہیں جن مین اتباع کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ باب ثانی مین بعض وہ افعال ہین جن مین خود ان کا شدید الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ باب ثالث مین بعض ایسے اقوال ہین یا افعال کی توجیہ ہے اور ان کے اشکال کا رفع ہے، جن سے عدم اتباع کا وہم ہوتا ہے۔"

اب ان ابواب مین سے چند مثالین ملاحظہ ہون باقی "قیاس کن زگلستان من بہار مرا" اتباع شریعت کے لیئے سب سے مقدم علم شریعت ہے۔ اس علم کی تحصیل و تقدیم کا ایک واقعہ سنئے کہ حضرت فریدالدین شکر گنج رحمہ اللہ علیہ حفظ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کے بعد ابھی ملتان مین علوم ظاہری کی تحصیل مین مصروف تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کا ادھر سے گذر ہوا تو

"آپ نے پوچھا صاحب زادہ کیا پڑھتے ہو۔ انھون نے عرض کیا کہ نافع۔ فرمایا نافع خواہد شد انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ فرمانا ایسا موثر ہوا کہ مرید ہو گئے اور آپ کے ساتھ دہلی جانا چاہا۔ حضرت خواجہ نے منظور نہ فرمایا اور کہا بالفعل یہین رہو اور تحصیل علوم ظاہری مین خوب کوشش کرو، پھر میرے پاس آؤ کہ "**زاہد بے علم سخرۂ شیطان است**"

اسی طرح حضرات چشتیہ کے سرتاج خود حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے پیر خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات مین نقل فرمایا ہے۔

"علم دین کے فضائل مین ارشاد ہوا کہ جو کوئی ایک کلمہ بھی حق کا سنے تو وہ

Marfat.com

ایک سال کی عبادت شبانہ روزی سے بڑھ کر ہے، اور جو شخص عالم حقانی کے درس مین بیٹھے، تو گویا اس نے ایک بردہ آزاد کیا اور علم اندھے کی روشنی ہے۔ جنت کی راہ بتلانے والا ہے۔ اور علم کو خدا تعالیٰ کبھی اور کہین ضایع نہین کرتا نہ دنیا مین نہ آخرت مین"

خواجہ عثمان ہارونی رح کے حال مین ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا نسخہ خود آپنے اپنے ہاتھ سے نقل فرمایا تھا[1]۔ علم کے بعد عمل مین سب سے زیادہ مقدم نماز ہے جس کے عمداً ترک کو حدیث مین کفر کے مرادف ٹھہرایا گیا ہے (من ترك الصلوة متعمدًا فقد كفر) پھر نماز ہی نہین نماز باجماعت کی بھی جیسی کچھ احادیث مین تاکید ہے معلوم ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جی چاہتا ہے کہ کسی کو حکم دون کہ لکڑیان جمع کرے پھر اذان کا حکم دون اور کسی سے کہون کہ امامت کرے اور مین لوگون کے گھرون پر جاؤن جو جماعت مین نہین آتے ان کے گھرون کو جلا دون۔ اس لیے جماعت کا بلا عذر عمدًا ترک بھی ایک قسم کے کفر کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ملفوظ بالا ہی کے سلسلہ مین "کفر کی ایک قسم جماعت سے نماز نہ پڑھنے کو فرمایا"۔

نماز اور جماعت تو بہت بڑی چیز ہے، فرض و واجب ہے۔ مستحبات تک مین ان حضرات کے اہتمام و اتباع کا یہ عالم رہا کہ حضرت خواجہ اجل (معین الدین چشتی) اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات مین حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

---

[1] السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ ص۱۵ ۱۲

Marfat.com

"ایک وقت ہم اور خواجہ اجل بیٹھے نماز مغرب کا وقت تھا۔ خواجہ تازہ وضو کرتے تھے انگلیون مین خلال کرنا سہوًا رہ گیا ہاتف غیبی نے کان مین کہا کہ اے اجل ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دعوے کرتے ہو، ان کی امت سے کہلاتے ہو اور ان کی سنت کو تم نے ترک کیا۔ اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ جس دن سے یہ ندا سنی موت کے وقت تک کوئی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتون سے ترک نہ ہوگی"

یہ غیبی تنبیہ یا یاد دہانی دراصل غائت اہتمام ہی کی برکت تھی، کہ ایسے حضرات خود مراد و محبوب بن جاتے ہین حتیٰ کہ سہوًا بھی ان کی کسی طاعت سے محرومی گوارا نہین فرمائی جاتی اور کیسے گوارا فرمائی جب کہ سہو پہ بھی ان کی ندامت کا یہ حال ہوتا ہے، کہ اسی ملفوظ مین ہے کہ

"ایک وقت خواجہ اجل کو بہت متردد دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا کہ جس روز سے انگلیون کا خلال مجھ سے فوت ہوا ہے مجھ کو حیرت ہے کہ کل کے روز قیامت مین یہ منھ خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر دکھلاؤن گا" (السنۃ الجلیہ ص۸)

اور اتباع شریعت و سنت کا یہ اہتمام صرف عبادات یا نماز روزہ وغیرہ کے واجبات و مستحبات ہی تک نہ تھا بلکہ معاملات اور کھانے پینے کے جائز و ناجائز حلال و حرام کے معاملہ مین تو ان حضرات کے ہان یہ مسلمات سے ہے کہ حضوری جو اس راہ کا بڑا مقصود ہے، وہ لقمۂ حلال کے بغیر میسر نہین آسکتی۔ حضرت شکر گنج کا

Marfat.com

ارشاد ہے کہ

"اس راہ مین اصل دل کی حضوری ہے، اور دل کی حضوری اس وقت میسر ہوگی جب کہ حرام لقمے سے بچے گا اور اہل دنیا کی صحبت سے پرہیز کرے گا (کیونکہ اہل دنیا اصل مین وہی ہین جو حرام چیزون سے پرہیز نہین کرتے)

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد ہے کہ

"کوئی شخص کسی کو سید سمجھ کر نذر دیتا ہے۔ پھر اگر وہ سید نہین ہے تو اس کو لینا حرام ہے۔ اسی طرح جو درویش طاعت و عبادت مین مصروف ہے، بیت المال مین اس کا کچھ حق نہین، جو درویش تعلیم و تعلم یا درس و تدریس کا سلسلہ نہین رکھتے، جس مین مسلمانون کا نفع ہے ان کو بیت المال سے کیا تعلق"۔ صـ۳۷

شریعت کا حرام تو خیر حرام ہے ہی۔ حد یہ ہے کہ

"خواجہ عثمان ہارونیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ حکم تو شریعت کا ہے کہ شراب حرام ہے اور طریقت مین تو جو پانی پینا کہ طاعت و عبادت مین کاہلی و سستی پیدا کرے وہ مثل شراب کے حرام ہے اور وہان اس کی بھی باز پرس ہوگی (جب ہم پیدا ہی عبادت کے لئے کئے گئے ہین جو چیز بھی اس مین مخل ہوگی اس کی باز پرس کیون نہ ہوگی۔)

اس کی نقل کے بعد خود ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ

"دیکھئے جو شخص شریعت کے مباحات کو بھی اثر مذموم کی وجہ سے غیر مباح

Marfat.com

سمجھتا ہو وہ عمل بالشریعت کو کس درجہ لازم سمجھے گا۔ بلکہ ان تدقیقات کی بنا پر اگر ان حضرات پر تشدد فی الاعمال کا شبہہ کیا جائے تو ظاہر ہے گنجایش ہے۔ باقی تساہل فی الاعمال کے شبہہ کی گنجایش ہی نہین (ص۸)

کھانے پینے تک کے آداب مین سنت کی یہ رعایت کہ

"کھانا لایا گیا تو فرمایا دسترخوان پر لاؤ اس لیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان (چوکی) پر نہین کھایا۔ لیکن منع بھی نہین فرمایا لہٰذا اگر کوئی کھالے تو روا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ و اہلبیت رضوان اللہ علیہم سب دسترخوان پر کھاتے تھے"

"دیکھئے باوجود یکہ چوکی پر کھانا رکھ کر کھانے کو جائز سمجھتے تھے۔ (یہ تو آپ کی رائے تھی) مگر سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو پسند نہ کیا۔ کس درجہ اتباع سنت ہے"۔ (ص۹)

ایک شبہہ یہ بھی ہے کہ ان حضرات کے ہان عرفی اذکار کو تلاوت کلام اللہ سے بھی زیادہ مہتم بالشان خیال کیا جاتا ہے۔ بلکہ بقول حضرت علیہ الرحمہ کے کہ نام نہاد صوفی تارکان شریعت تو ذکر متعارف کو علماً و عملاً قرآن پر ترجیح دیتے ہین۔ لیکن اکابر چشتیہ اکثر حافظ تھے۔ اور حضرت بابا صاحب جو خود بھی حافظ تھے ارشاد فرماتے ہین کہ

"کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہین۔ اس کی تلاوت کیا کرین۔ کیونکہ اس کا نتیجہ کل طاعتون سے بڑھ کر ہے"

پھر قرآن مجید کی یہ تلاوت کس طرح کرنا چاہیئے اس کا حال حضرت سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کی زبان مبارک سے ذرا سنین کہ

"سکون و اطمینان کے ساتھ ایک ایک حرف پڑھنے مین تلاوت کا ثواب ہے اور بغیر حضور قلب کے پڑھنا ٹھیک نہین۔ تمام خیالات و خطرات کو دل سے دور رکھے۔ معنی جانتا ہو تو دل مین دھیان کرے... قرآن پڑھتے وقت دل خدا کے ساتھ مشغول ہو، اور سمجھے کہ خدا کے ساتھ ہمکلام ہون۔ مین اس لائق کہان تھا کہ یہ دولت میسر ہوتی۔ اور جس کو یہ حالت میسر نہ ہو وہ تصور کرے کہ خدا کے سامنے پڑھ رہا ہون کہ ضرور مجھ کو اس کا ثواب ملے گا۔

"قرآن شریف ترتیل و تردید کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔ ترتیل یہ ہے کہ تمام حروف و مدود وغیرہ ٹھیک ادا ہون، اور تردید ہے کہ جس آیت مین ذوق و حلاوت حاصل ہو اس کو مکرر پڑھے"

اس کے بعد ہمارے حضرت فرماتے ہین کہ "کیا آج کل کے مدعی قرآن مجید کا اتنا احترام و اہتمام کرتے ہین، بجز خاص اوراد و اذکار کے قرآن مجید کو آنکھ سے بھی نہین لگاتے۔" راقم سطور عرض کرتا ہے اور بیسیون ذاتی تجربات کے بعد عرض کرتا ہے کہ ان نقلی مدعیون کا ذکر ہی کیا، خود علمائے ظاہر کا جو صوفیا اور بزرگون پر زبان طعن کھولتے ہین یہ حال ہے کہ معمولی صحت مخارج تک کا تعلیم و تعلم قرآن مین خود اپنے اور اپنے بچون تک کے لیے اہتمام نہین فرماتے۔ دین کے نام سے کتنے ایسے بڑے بڑے مدارس کھول رکھے ہین جن مین تجوید یا تصحیح مخارج کے ساتھ

لہ السنۃ الجلیلہ ص ۳۵ ۱۲

Marfat.com

تعلیم قرآن کا انتظام ندارد ہے ۔!

تصوف کے متعلق بہت سے مدعیان علم جہلا اور خود جاہل صوفیہ اور ان کے جاہل تر معتقدین مین بعض باتین بالکل ہی خلاف شریعت بلکہ ملحدانہ مشہور ہوگئی ہین ۔ مثلاً سب سے بڑھکر یہ کہ صوفیانہ کمال توحید و خدا رسی یا باطنی کمالات کے لیئے ایمان و اسلام بھی شرط نہین ۔ اس کی نسبت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو فرماتے ہین

"عام مسلمانون کی ایمانی توحید اور خدا پر ایمان بالغیب اور صرف آخرت کے ثواب و عقاب پر نظر، اس کو توحید مقید کہتے ہین اور توحید مطلق کا اس کو زینہ جانتے ہین ۔ اس توحید مقید کے بغیر تو مطلق ہرگز نصیب نہین ہو سکتی ۔ نہ اس تک رسائی ہو سکتی ہے ۔ اس لیئے کہ بدون ایمان کے کوئی توحید توحید ہی نہین اسی لیئے کہا ہے کہ راہ سلوک توحید مطلق یا تصوف مین کون چلتا ہے ایمان ہی چلتا ہے، اس خونخوار جنگل کو کون قطع کرتا ہے ایمان ہی کرتا ہے ۔ اس دولت تک کون پہونچتا ہے ایمان ہی پہونچتا ہے ۔

ہر کہ در راہ محمدؐ رہ نیافت تا ابد گردے ازین درگہ نیافت

ایسے غلط کار لوگ

"احکام شریعت سے ہٹ گئے حلال و حرام کو چھوڑ دیا اور گمراہی مین پڑ گئے، کل کے دن یہ لوگ کفار کے ساتھ جہنم مین ہون گے ۔ لیکن اگر توحید دین کی درستی، احکام شرع کی پابندی اور دینی عقیدہ

Marfat.com

کے ساتھ ہوتی، تو وہ کشف یا مقال زبان یا حال حبس درجہ کی بھی ہوتی
کچھ ضرر نہ کرتی، بلکہ مطلوب راہ و مقصود درگاہ ہوتی "

اسی طرح جاہلانہ غلطی یہ ہے کہ لوگ حضوری و مشاہدہ اور خدا رسی کا مطلب یہ سمجھتے ہین کہ اس دنیا ہی مین خدا تعالےٰ کا دیدار میسر آجاتا ہے۔

"سلطان فیروز شاہ حضرت شیخ جلال الدین کی زیارت کے لیے پانی پت حاضر ہوا۔ اور حضرت سے عرض کیا کہ بندہ ایک بات دریافت کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا پوچھو عرض کہ کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ خدا کو سر کی ان آنکھون سے دیکھنا شریعت کی رو سے ممکن نہین۔ البتہ اس کے سایہ کو مین نے دیکھا ہے "

" دیکھیے ذات و صفات کے متعلق یہ کیسا صحیح عقیدہ اہل سنت و جماعت کے موافق ہے "

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مین کسی نے یہ حدیث نقل کی " رایت ربی علی صورۃ امرد جعد قطط " یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین نے اپنے رب کو گھونگر بالون والے امرد کی صورت مین دیکھا "

" حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اول تو یہ حدیث مشہور کتابون مین نہین، اور اگر حدیث ہے تو اس کو متشابہات پر محمول کیا جائے گا۔ اور متشابہات پر ایمان لانا چاہیئے بحث و تاویل نہ کرے۔

" دیکھیے نقل حدیث مین کیسی احتیاط ہے اور عقائد کے باب مین

Marfat.com

کیسی سنت کے موافق تحقیق ہے "

باقی اس رویت حق کے باب مین ذرا ایک مفصل و محققانہ مکتوب حضرت شیخ عبدالقدوس رحمہ اللہ علیہ کا قابل دید ہے۔ فرماتے ہین کہ

"بھائی دیدار آخرت مین ہوگا، دنیا مین نہ ہوگا اس لیئے کہ پاک اور باقی کے دیدار کا وقوع عالم فانی مین ہونا حکمت و وعدہ کے خلاف ہے گو کہ عقلاً ممکن ہے اور جو چیز ممکن ہو اس کا امکان کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ مختص نہین ہوتا۔ خصوصًا حق تعالیٰ جو جہت اور مکان و زمان سب سے پاک ہے، اس کا دیدار کسی زمان و مکان کے ساتھ مقید نہ ہوگا"

"اور اہل حق و اہل سنت کا اجماع بھی اس پر ہے کہ خدا تعالیٰ کا دیدار دنیا مین نہ ہوگا نہ سر کی آنکھ سے نہ دل کی آنکھ سے، اس طرح کہ موجودات کا پردہ دل سے اٹھا دیا جائے۔ باقی یہ جو بزرگون نے فرمایا ہے کہ

ہر کرا آفتاب این جا بتافت — ہر چہ آنجا بود این جا بیافت
دیگران را وعدہ گر فردا بود — لیک ما را نقد ہم این جا بود

اور جو اس قسم کے اقوال ہین ان سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ رویت کا وعدہ آخرت کے متعلق ہے، یہان یقین کی آنکھ سے اس کا مشاہدہ ہوگیا۔ اور جو کچھ رویت کے وقت حاصل ہوگا اس مشاہدہ مین اس سے زیادہ حاصل ہوا۔

"چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہین اگر حجاب اٹھا دیا جائے تو میرے یقین مین کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ یعنی میرا یقین مشاہدۂ خدا کا

Marfat.com

اس درجہ پہونچا ہوا ہے کہ (سر کی آنکھ سے) دیکھنے مین وہی بات ہوگی جو مشاہدۂ یقین سے حاصل ہے۔ اور اس کو (اصطلاح مین) دیدار سر کہتے ہین (سالکین) اس مقام کے عروج مین، انکشاف حق اور مشاہدہ رب کے بہت ہی بلند درجہ پر پہنچ جاتے ہین۔ اور زمان و مکان کو اس وقت لپیٹ دیتے ہین۔

"اس کا یہ مطلب نہین کہ ظاہر مین زمان و مکان کو لپیٹ دیتے ہین اور دنیا کو (بالائے طاق) رکھ دیتے ہین، اور درحقیقت عالم آخرت مین چلے جاتے ہین کیونکہ یہ اعتقاد تو باطل ہے۔ (بلکہ مطلب یہ ہے کہ نظر قلب سے عالم محجوب ہو جاتا ہے، اور اس کی جگہ محبوب حقیقی سما جاتا ہے) مردان حق کے اس مقام مین مختلف مراتب ہوتے ہین۔ کافر کو یہ مرتبہ ہرگز حاصل نہین ہوتا۔ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہین ہوتا"

بعض اہل حال کے ہفوات کا بھی کچھ حال سُن لین۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے۔

"ایک شخص نے سوال کیا کہ خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ لوائی اعظم من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات کیونکر ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ مشائخ کے بعض کلمات حال کی کیفیت کے ہوتے ہین جن کو ہفوات کہتے ہین۔

"جیسے یہ قول کہ لیس فی جبتی سوی اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سبحانی ما اعظم شانی۔ سو ان سب کو ہفواتِ عشاق کہتے ہین یہ باتین

Marfat.com

اور کس قدر اعتدال سے کام لیا کہ منقولات کا انکار کیا اور نہ حد سے بڑھایا، بلکہ حقیقت بیان کر دی جس سے افراط و تفریط کی اصلاح ہو گئی۔ اور جو حدیث نہ ثابت ہو نہ دلائل صحیحہ کے معارض ہو اور کسی بزرگ سے منقول ہو اس مین بھی الہامی اور کشفی ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے۔

"جیسا کہ علمائے ظاہر احادیث منامیہ (خواب کی احادیث) کو نقل کرتے ہین اور اس کو بھی حدیث کہتے ہین جیسے صاحب مشارق الانوار نے خواب مین بارہ ذیقعدہ ۶۱۱ھ نجر کے قریب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث اذا وضع العشاء واقیمت الصلوٰۃ کے متعلق تحقیق کی کہ یا رسول اللہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہان۔ اور اس کو ایک درجہ کی حدیث قرار دیا گیا۔

"البتہ وہ منامی ہونے کی تصریح فرما دیتے ہین، اور صوفیہ اس کی تصریح کا التزام نہین کرتے ممکن ہے اصل راوی اس کا التزام کرتے ہون، پھر اہتمام نہ رہتا ہو"[1]

باقی حدیث و سنت پر نفس عمل کی انتہا تو اکابر چشتیہ کی یہان تک ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین پانی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے مین ہے کہ

"ابتدائے عمر سے آخر عمر تک استقامت مین فرق نہ آیا۔ ایک روز مرض مین خادم سے دوائین طلب کی، خادم نے معجون کا ڈبہ حاضر کیا، آپ نے اس مین تھوڑی سی نکالی اور چاہا کہ نوش فرمائین (اچانک)

---

[1] السنۃ الجلیہ ص ۶۵ ۱۲

Marfat.com

اس کو پھر ڈبہ مین ڈالدیا اور چارپائی سے نیچے تشریف لے آئے تب استعمال کیا، اس لئے کہ چارپائی پر کھانا شرعًا ممنوع ہے۔"

"یہ جداگانہ امر قابل تحقیق ہے کہ چارپائی پر کھانا کیسا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ حضرت موصوف کی تحقیق یہی تھی اور اس کی کس قدر رعایت فرمائی کہ دوا کھانے کو عرف مین کھانا نہین کہا جاتا ہے، مگر وہ بھی چارپائی پر نہین کھائی۔"

ہمارے حضرت کو ان حضرات کی حمایت کا جیسا کچھ التزام تھا اس کی کرامت و برکت کہئے کہ بعد کو اس کی اصل بہی احیاء العلوم آداب الاکل مین یہ مل گئی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب کھانا آپ کے سامنے لایا تو آپ اس کو دسترخوان بچھا کر، زمین پر رکھتے۔"

اور اتباع سنت و شریعت کا یہ اہتمام اپنی ذات ہی تک نہ تھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مین لکھا ہے کہ

"شریعت کی متابعت مین اس قدر مضبوط و راسخ تھے کہ ظاہری و باطنی احکام مین ذرہ برابر تجاوز کرنے کو جائز نہ سمجھتے تھے نہ اپنے لئے نہ دوسرون کے لئے اگر کسی سے کوئی امر خلاف شریعت معلوم ہوتا تو اس سے بیزاری و تبری فرماتے اور اپنے پاس تک نہ آنے دیتے۔[1]

دوسرون کا کیا ذکر شریعت کے مقابلہ مین حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے شیخ و مرشد حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[1] السنۃ الجلیہ ص۸۱ ۱۲ [2] ایضًا ص۸۲ ۱۲

Marfat.com

ساتھ یہ معاملہ فرمایا کہ

"شیخ جلال الدینؒ کے کسی مرید نے دعوت کی جس مین شیخ احمد کو بھی بلایا کیا۔ اس مجلس مین بعض امور خلاف شرع تھے، تو انھون نے فوراً بیعت فسخ کر دی اور اسی وقت طاقیہ (خاص ٹوپی) جو شیخ جلال الدین سے ملی تھی واپس کر دی اور جنگل کی طرف چل دیئے"

پھر غیب سے ایک تنبیہ ہوئی اور اپنی غلطی معلوم کر کے تائب ہوئے اور تجدید بیعت کی یہ الگ بات ہے۔ لیکن بقول ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کے

"اپنے نزدیک جس امر کو خلاف شرع دیکھا اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بیعت فسخ کر دی اور نشانی واپس کر دی، مگر واقع مین وہ امور خلاف شرع نہ تھے یا شیخ کو کچھ عذر ہوگا، اس لیئے غیب سے پھر اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا۔ مگر اس سے ان کا مذاق تو معلوم ہو گیا، اور حضرت شیخ جلال الدین کا بھی یہی مذاق تھا ورنہ غایت ناراضی سے ان کی دوبارہ درخواست کو قبول نہ فرماتے"

اور تو اور سفارس تک مین حدود شریعت کی رعایت کا ایک واقعہ سنئے کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے درخواست کی کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے پاس ایک سفارش نامہ تحریر فرما دین۔ کیسی عجیب جامع معرفت و شریعت سفارش فرمائی کہ

"رفعت قضیۃ الی اللہ ثم الیک فان اعطیتہ شیئا فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور وان لم تعطہ شیئا

Marfat.com

فالما نعرھوا اللہ وانت المعذور یعنی اس شخص کے معاملہ کو پہلے خداتعالیٰ کے روبرو پیش کرتا ہون پھر تمھارے سامنے۔ پس اگر تم نے اس کو کچھ دیا تو دینے والا (حقیقت مین) خدا ہے۔ اور (چونکہ بظاہر تم بھی ہو اس لیئے تم) قابل شکریہ کے ہو اور اگر تم نے اس کو کچھ نہ دیا، تو نہ دینے والا خدا ہے اور تم معذور رہو"

اس دور مین معاملات و شریعت کے ان حدود و دقائق کی فہم و رعایت ہیں مجدد وقت حکیم الامت علیہ الرحمہ کے ہان دیکھی، ورنہ یہ باتین تو ایسی متروک ہین کہ گویا شریعت سے ایسی باتون کو لوگون کے نزدیک کوئی سروکار ہی نہین۔

جن حضرات (چشتیہ) کے ہان بظاہر معمولی معاملات و معاشرات مین قدم قدم پر شریعت کا یہ اہتمام و اتباع ہو، ان کے ہان دیگر عبادات اور نوافل و مستحبات کا اہتمام کیا کچھ نہ ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حالات مین ہے کہ

"بڑھاپے اور آخر عمر مین سو رکعت نماز شب برات کی، نماز تراویح رمضان المبارک کی اور تمام وظیفے رات دن کے پابندی سے پورے کرتے تھے، کبھی ناغہ فرماتے عزیمت پر عمل کرتے، رخصت کی قدر و قیمت ان کے نزدیک نہ تھی۔ بالخصوص جس دن بارش کی کثرت ہوتی جاڑا شدت سے ہوتا یا ہوائین چلتی تو اپنے نفس پر سختی فرماتے، اور وضو نماز اور دوسری عبادات کا عمل زیادہ کر دیتے۔

"غرض دین مین حضرت کی استقامت سے عقل حیران تھی۔ حضرت کا

Marfat.com

معاملہ معمولی بشری طاقت سے خارج تھا، جیسا کہ کسی نے ایسے ہی حضرتؒ کی نسبت کہا ہے کہ

می ندانم کاین چہ مردان بودہ اند کز عمل یکدم نمی آسودہ اند

ایسے حضرات کے اقوال و افعال مین اگر اتفاق سے کوئی بات بظاہر خلاف شریعت وسنت معلوم و مشاہد بھی ہو تو اس کی وجہ تحقیق و اجتہاد مین خطا یا کسی شدید غلبۂ حال وغیرہ کے عذر کے سوا اور ہو ہی کیا سکتی ہے، ایسے عذرون کی تفصیل بھی چنداں ضروری نہ تھی تاہم حضرت علیہ الرحمۃ نے اتمام حجت کے لیے ایک مستقل باب مین کچھ ایسے اقوال و افعال کی توجیہات بھی فرمادی ہین -

"جو دو قسم کی ہین ایک کلی اور دو بعض واقعات مین تو یہ ہے کہ ان حضرات پہ اکثر باطنی حالات کا غلبہ رہتا تھا جس سے لازماً بعض نظری بلکہ بدیہی، بلکہ حسی امور تک کی طرف التفات نہین ہوتا - اور بعض واقعات کی وجہ یہ ہے کہ بعض احکام دقیق ہوتے ہین، جن کا استحضار مزاولت علوم کے بدون وقت پہ نہین ہوتا - اور یہ حضرات مزاولت کے لیے فارغ نہ تھے - اور بعض واقعات کی توجیہ یہ ہے کہ کسی غیر ثابت روایت کو ثابت سمجھ کر یا اپنے بزرگون کو مجتہد سمجھ کر عمل کر لیتے تھے اور بعض واقعات کی صورت یہ ہے کہ جو اقوال یا افعال محل اعتراض ہین وہ ان بزرگون سے ثابت ہی نہین، اور بعض مین معترض واقعہ کی حقیقت ہی نہین سمجھا۔ اور بعض ایسے ہین جن کا صدور بلا شعور یا بلا عذر ہو گیا - اس کو غلبۂ حال سے تعبیر کیا جاتا ہے"!

Marfat.com

ایک بڑی غلط فہمی خود اس غلبۂ حال کے معاملہ مین ناواقف اعتراض کرنے والون کو یہ ہوجاتی ہے، کہ ان کے نزدیک غلبۂ حال کے معنی ہمہ وقت مدہوش رہنے یا بالکل مجذوب ہوجانے کے ہین - حالانکہ نہ اس کا اتنا شدید ہونا ضروری ہے نہ اتنا مدید یا طویل کہ لوگون کو محسوس بھی ہو، جس کی نظیر مین خود حضرت علیہ الرحمہ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ

"جمعہ کا دن تھا - قیلولہ کا وقت نہین ملا - شب کو بھی کچھ بدخوابی رہی تھی، اس لیے آنکھون مین نیند بھری تھی مجمع بھی کثیر تھا اور وہی وقت ڈاک لکھنے کا بھی تھا - مین باتین بھی کر رہا تھا اور خطوط بھی لکھ رہا تھا، بات کرنے مین تو نیند کا غلبہ نہ ہوتا تھا، لیکن خطوط لکھنے مین بعض اوقات اتنا اثر ہوجاتا تھا کہ کچھ کا کچھ لکھ جاتا تھا - مگر قلم برابر چل رہا تھا اور بیچ بیچ باتین بھی کرتا جاتا تھا، جن مین کوئی لغزش نہ ہوتی تھی جس سے اس غلبۂ نوم کا کسی کو ادراک نہ ہوتا تھا - پھر لکھ کر خود ہی افاقہ ہوتا تھا، اور لکھے ہوے کو دوبارہ دیکھ کر تصحیح کرتا تھا - بڑی دیر تک یہ حالت رہی -

"جب کہ نیند کے خفیف اثر سے یہ حالت ہوجاتی ہے کہ شعور و اختیار مختل ہوجاتا ہے اور بوجہ عدم انتداد و عدم امتداد دوسرون کو اس کا احساس نہین ہوتا، تو حالات باطنی تو اس سے بھی اشد اور زیادہ عاصف ہین، وہان ایسا ہوجانا کیا بعید ہے - مگر صحو (افاقہ) و اطلاع کے بعد وہ حضرات اس کا تدارک فرما دیتے ہین"

حضرت نے تو نیند کا واقعہ بیان فرمایا، ورنہ بیداری مین بھی کسی وقت جب کہ

Marfat.com

کسی فکر و خیال مین آدمی زیادہ ڈوبا ہوتا ہے، تو دوسری طرف التفات نہ ہوتا معمولی بات ہے۔ بلکہ جو لوگ کسی خاص شغلہ زندگی مین زیادہ انہماک و یکسوئی کے ساتھ لگے ہوتے ہین، وہ زندگی کے دوسرے معاملات مین تو اکثر بالکل سادہ لوحی کی باتین کرتے ہین۔ راقم ہذا کو تو بعض ایسے ہی واجب الاحترام اہل علم و اہل اصلاح تک کا تجربہ ہے، کہ ان سے دینی خدمات ہی کے کسی خاص شعبہ مین غایت اشتغال و انہماک کی بدولت، بعض دوسرے دینی احکام مین تسامح ہو جاتا ہے۔

بلاشبہہ مستقلاً ایسی حالت و کیفیت اسوۂ نبوت و سنت کے اعتبار سے ضرور ناقص حالت ہے۔ ورنہ کبھی کبھی عارضی و وقتی طور پہ کاملین کیا حضرات انبیا و ملائکہ علیہم السلام کو بھی یہ حال پیش آجاتا ہے۔

"بدر کے روز خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم (کہ اے اللہ اگر آپ نے اس جماعت کو ہلاک فرما دیا تو اس دن کے بعد آپ کی عبادت نہ ہوگی) اور فرعون کے غرق کے وقت جبریل علیہ السلام کا اس کے منہ مین کیچڑ ٹھونسنا اگر غلبۂ حال نہین تو اور کیا۔ بس اتنا فرق ہے کہ معصوم سے اس حالت مین ظاہرا بھی خلاف شرع کا صدور نہین ہو سکتا اور غیر معصوم سے ہو سکتا ہے، مگر وہ اس حالت مین معذور ہوتا ہے۔"

جو اقوال و افعال کبھی کبھی بظاہر شریعت و سنت کے خلاف مسلم حضرات اہل اللہ سے ظاہر و صادر ہو گئے ہین، چونکہ اس کا سبب زیادہ تر یہی غلبۂ حال کی معذوری رہی ہے، اس لیئے اس کی ذمہ یہ تحقیق و تفصیل ضروری تھی، باقی دوسرے قسم کے

Marfat.com

ایسے واقعات جو بظاہر شریعت کے خلاف اور بدعت معلوم ہوتے ہین، ان کی نجوت طوالت صرف دو مثالین درج کی جاتی ہین۔

"صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہین کہ اوائل مجاہدہ مین حضرت خواجہؒ نے شیخ فریدؒ کو طے کے روزہ کے لیئے ارشاد فرمایا کہ تین دن کے بعد افطار کرنا انھون نے ایسا ہی کیا۔ اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ صوم وصال کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے۔

"حلِ اشکال یہ ہے کہ خود فقہا مین یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ نووی نے نقل کیا ہے کہ قاضی عیاض فرماتے ہین کہ علما نے صوم وصال کی حدیث مین اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا اس کی ممانعت شفقت و تخفیف کی بنا پر ہے لہذا جو شخص قدرت رکھتا ہے، اس کے لیئے حرج نہین، اور سلف کی ایک جماعت نے کئی کئی دن کا صوم وصال رکھا ہے۔ اور جمہور نے عموم نہی کی وجہ سے (ممانعت پر) استدلال کیا ہے۔ پھر کراہت کے قول مین بھی درمختار مین تنزیہی ہونے کی تصریح ہے اس لیئے ایسے مختلف فیہ امر کو خلاف شرع نہین کہہ سکتے"

دوسری مثال بظاہر اس سے بھی سخت ہے کہ "شیخ نے کنوین مین الٹے لٹک کر چلہ کشی کی۔ ایسی مشقت بدعت ہے۔ اور حدیثون مین اس سے کم مشقت پر نکیر آئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

"بدعت اس وقت ہے جب اس مشقت کو قربت مقصودہ سمجھے یا بلا ضرورت ہو، جیسے صحابہ کو بعض مشقتون کی ضرورت تھی یا عدم تحمل کی وجہ سے

Marfat.com

صحت کو کوئی ضرر ہو۔ حدیثوں مین جو ممانعت ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ باقی معالجہ کے طور پہ کرے اور تحمل بھی کر سکے تو کوئی وجہ ممانعت کی نہین خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک طول قیام سے ورم کر جاتے تھے، پھٹ جاتے تھے، پوچھنے پہ آپ نے اس کو اپنے خصائص مین نہین فرمایا، بلکہ افلا اکون عبدا شکورا سے جواب دے کر عموم شکرین اس کو داخل فرمایا، جس سے اذن کلی ثابت ہو گیا۔

"یہ تو نفس مشقت کا جواب ہے۔ باقی الٹا لٹکنا سو فی نفسہ یہ ایک فعل مباح ہے۔ جو کسی مباح مصلحت سے مباح ہے، جیسے کسی غرقی کو الٹا لٹکا دینا جس سے پیٹ کا پانی نکل جائے بالاجماع مباح ہے۔ حضرت ابو لبابہ انصاری کا ایک غلطی پہ اپنے کو ستون سے باندھ دینا اور چھ روز تک بندھا رہنا صرف نماز کے وقت ان کی بی بی کا کھول دینا، پھر نزول توبہ کے بعد مستقلاً حضورؐ کا ان کا کھولنا، اس اباحت کا موید ہے۔

اور شیخ کا الٹا لٹکنا بھی ممتد نہ تھا عشا کے بعد سے تہجد کے قبل تک تھا۔[1]

اسی طرح حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات راحۃ القلوب (جمع فرمودۂ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ) مین ہے کہ عشا کے بعد وہ صلوٰۃ معکوس پڑھا کرتے تھے۔ اپنے دونون پاؤن باندھ کر لٹکا دیتے تھے، یہان تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔"

"اس کو صلوٰۃ مجازاً و تشبیہاً کہہ دیا ہے، جیسے نماز مین توجہ الی اللہ ہوتی

---

[1] ص ۱۵۰ ۱۲

Marfat.com

ہے، اس مین بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود اس کا نفس کو خوگر کرنا ہے تحمل تعب کا تاکہ توجہ الی اللہ کی تعب سے گریز نہ کرے (البتہ) ایسی مشقتون کو قربت مقصودہ سمجھنا بیشک بدعت ہے، لیکن اگر صرف تدبیر سمجھا جائے اور تجربہ سے مفید ہو تو کیا حرج ہے۔ جیسے بعض بدنی مصالح کے لیئے بعض ریاضات تجویز کی ہین، اہل طریق نے بعض نفسانی مصالح کے لیئے ایسی ریاضات تجویز کی ہین۔ لیکن جس کو تحمل نہ ہو اس کے لیئے جائز نہین[1]

عجیب بات ہے حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہین کہ

"اس کے بعد فوائد الفواد (ملفوظات حضرت سلطان جیؒ) مین ایک ملفوظ مین یہ روایت نظر سے گذری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس بھی پڑھی ہے۔ اس سے ایک اور جواب نکل آیا کہ انھون نے اتباع سنت کے قصد سے ایسا کیا ہو۔ یہ دوسرا سوال رہا کہ یہ روایت ثابت نہین[2]۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات صوفیہ

"اس مین معذور ہین کہ ان کو تحقیق احادیث کے لیئے فراغ میسر نہین ہوا۔ جس راوی پر علمی و عملی حالت سے حسن ظن ہو، اس سے روایت نقل کر دی۔ جس سے علمائے ظاہر بھی خالی نہین ایک کی روایت کو دوسرا بے اصل و موضوع بتلاتا ہے۔ اور دونون معذور ہین۔ اسی طرح یہان بھی سمجھ لیجیے۔ اور پھر جزئیہ کی خصوصیت نہین سب صوفیا بلکہ فقہا و مفسرین کے کلام مین بھی ایسی روایات پائی جاتی ہین غنیہ و احیاء العلوم اور بیضاوی

---

[1] السنۃ المجلیہ ص۱۲۶، ۱۲ [2] ص ۱۳۶ ۱۲

Marfat.com

وہدایہ ملاحظہ ہون - مکتوبات مجددیہ مین ذکر بطریق حبس دم حضرت صدیقؓ سے منقول فرمایا ہے -

"مگر یہ تساہل اصل مقصود کو مضر نہین، کیونکہ اس پر دوسرے دلائل صحیح قائم ہین - اس مخدوش پہ مدار نہین - پھر اس مقصود مین تفصیل ہے کہ اگر یہ صرف فن مین مقصود ہے دین مین مقصود نہین تو اس دلیل صحیح کا سمعی یعنی حدیث وغیرہ ہونا ضرور نہین، دوسری دلیل بھی اس کے لئے کافی ہے بشرطیکہ وہ شرعًا باطل نہ ہو، جیسے حبس دم کہ مقصود فی الدین نہین، تو گو یہ حدیث وغیرہ سے ثابت نہین مگر ایسے قواعد طبیہ سے ثابت ہے جن پر شریعت نے نکیر نہین کیا اور اگر وہ مقصود دین مین بھی مقصود ہے تو دلیل صحیح کا سمعی ہونا بھی ضروری ہے - جیسے اعمال مامور بہا و منہی عنہا کی مطلوبیت و مبغوضیت کہ ان کے متعلق اگر کوئی خاص روایت ثابت نہ ہو، مگر دوسری صحیح روایات تو بکثرت ثابت ہین"۔

ایسی جزئیات کا استقصار کہان تک کیا جا سکتا ہے - انصاف پسند اہل اعتراض کے لیئے اتنی مثالین کافی ہین - مزید کے طالب اصل رسالہ بھی ملاحظہ فرما سکتے ہین - البتہ ان مین بعض چیزین ایسی ہین، جن کے لیئے حضرات چشتیہ بالعموم زیادہ متہم ہین، ان مین سب سے زیادہ عموم سماع کو حاصل ہے، اور بکثرت اکابر چشتیہ اہل سماع گذرے ہین - اس لیئے ذرا اس کی تحقیق و تفصیل بھی سن لین - پہلی بات تو یہ ہے کہ سماع کا عدم جواز کوئی متفق علیہ مسئلہ نہین -

"خود علما مین مختلف فیہ ہے - سو حضرات چشتیہ نے بھی علما ہی کا ایک

Marfat.com

قول لے لیا - اس مین خاص قیود لگا دی ہین، جس سے کسی قسم کا مفسد نہین رہ گیا ہے - پھر باوجود اس کے کسی نے اس کو طریق کا جز نہین قرار دیا نہ طالبون کو اس کا حکم دیا، جس طرح کہ ذکر و شغل کا حکم دیتے تھے - البتہ بعض ضرورتون یا مصلحتون سے خود سنا ہے"۔

اب وہ قیود و شرائط جن کی پابندی کے ساتھ علی العموم ان اکابر نے سماع سنا جائز رکھا وہ اس سلسلہ کے سلطان الاولیا حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کی زبان سے ان اصاغر کے لیئے بالخصوص کان کھول کر سننے کے لائق ہین، جو اپنے ان اکابر کا نام لے کر ان کو بدنام کرتے اور سارے قیود توڑ کر سارے مفاسد جمع کر کے سنتے ہین -

"فرمایا کہ سماع کی چار قسمین ہین - حلال[1]، حرام[2]، مکروہ[3] اور مباح[4] (خلاف اولیٰ) اگر صاحب وجد کا میلان خاطر حقیقت کی طرف زیادہ ہو تب تو حلال (مباح) ہے اور اگر مجاز کی طرف زیادہ ہو تو مکروہ اور اگر بالکل ہی حقیقت کی طرف ہو تب حلال، اور اگر بالکل مجاز ہی کا دھیان ہے تب حرام ہے -

"فرمایا کہ سماع کے واسطے تین باتین درکار ہین زمان[1]، مکان[2]، اخوان[3] .... سماع کے واسطے کئی باتین درکار ہین، جب یہ موجود ہو اس وقت سنے - مسمع، مستمع، مسموع آلہ سماع "مسمع" یعنی گانے والا پورا مرد ہو لڑکا یا عورت نہ ہو - مستمع یعنی سننے والا یا دھن مین مشغول ہو مسموع یعنی گانا فحش اور کسی کی ہجو نہ ہو - آلہ سماع یعنی مزامیر وغیرہ نہ ہون

Marfat.com

تب یہ سماع مباح ہے"

اور شرائط تو جیسے کچھ ضروری ہین ظاہر ہی ہے، حضرت کے کسی مرید نے عرض کیا کہ مولانا رکن الدین ایسی مجلسون مین شریک ہوتے ہین جہان مزامیر بھی ہوتے ہین۔

"جب مولانا حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا۔ عرض کیا ایسی مجلسون مین بندہ کا کوئی دوست نہ تھا (جو میری تائید کرتا) اور گمان غالب تھا کہ میرے منع کرنے سے وہ لوگ باز نہ رہین گے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم منع کرو وہ لوگ باز آجائین گے تبھا، ورنہ تم وہان سے اُٹھ کھڑے ہو۔

حاصل یہ کہ

"مزامیر تو مطلقاً ممنوع اور سماعِ محض اگر بشرائط ہو تو مختلف فیہ جس مین صوفیہ نے اباحت کا قول لے لیا ہے"

لیکن چشتیہ چونکہ فقہ مین حنفی مذہب کے مقلد ہوتے ہین، اس لیئے "ایک سوال یہ باقی رہا کہ انھون نے اپنے مذہب کے خلاف کیون کیا۔ اس کا

"ایک جواب تو یہ ہے کہ محقق اتنے اختلاف سے حنفیت سے نہین نکلتا دوسرا جواب وہ ہے جس کو اقتباس الانوار مین حضرت قطب صاحب کے تذکرہ مین سیر الاقطاب سے قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ حاضر تھے کہا کہ

"مین ہون حمید الدین کہ سماع سنتا ہون اور بوجہ علما کی روایت کے مباح کہتا ہون۔ اس لیئے کہ مین دل کا مریض ہون اور سماع اس کی

Marfat.com

دوا ہے ۔امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شراب سے ایسے وقت علاج کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ ازالۂ مرض کے لیئے اور دوا ہی نہ ہو، اور حکیمون کا اتفاق اس پہ ہوگیا ہو کہ صحت بدون شراب کے ناممکن ہے ۔اب چونکہ میرے لاعلاج مرض کی دوا مرود سنا ہے، لہٰذا وہ میرے لیئے مباح ہے اور تم پہ حرام ہے"

"اس سے بھی معلوم ہوا کہ اباحت کا حکم ایسی اضطراری حالت مین ہے، جس مین حرام دوا حلال ہو جائے ۔کیا اس وقت ایسا اضطرار کسی مین دیکھا جاتا ہے" (ص۲۵۶)

حضرت سلطان جی ہی کے دو قول اور اس باب مین سننے کے لائق ہین۔ بعض اہل تعلق کی نسبت یہ شکایت پہونچی کہ انھون نے مزامیر کے ساتھ سماع سنا، تو آپ نے فرمایا کہ، انھون نے اچھا نہین کیا مین نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس مین محرمات نہ ہون.... پھر فرمایا کہ

"اگر کوئی شخص کسی مقام (ولایت وغیرہ) سے گرے گا تو شریعت مین رہے گا، اور جو وہان سے بھی گر گیا وہ کہان کا رہا" (ص۲۵۶)

ایک اور موقع پر کسی نے کہا کہ "آپ کو تو حکم ہوا ہے کہ جس وقت چاہین سماع سنین آپ کے لیئے حلال ہے ۔اس پر حضرت نے فرمایا کہ

"جو شے حرام ہے وہ کسی کے لیئے حلال نہین ہوتی اور جو حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہین ہوتی ۔یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے"

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دف کے ساتھ سماع کو مباح فرماتے ہین، اور

Marfat.com

ہمارے علماء اس کے خلاف ہیں "

سماع کے ساتھ اور اس سے ہٹ کر گوناگون مفاسد کا مجموعہ آج کل کے عرس اور میلے ہیں اس کی تحقیق و تفصیل بھی ایک چشتی بزرگ شیخ عماد الدین سہروردی کی اس نقل کے سلسلہ میں فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے پیروں کا عرس بھی کرتے تھے اور اس میں سماع بھی سنتے تھے ۔ اس مسئلہ میں حضرت علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے تو مخالفین کے تشدد کو اس طرح نرم فرمایا ہے کہ

"حدیث میں ہے کہ عن ابن عمرؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور قباء ! ویاتی قباء وفی روایۃ کل سبت راکبا وماشیا فیصلی فیہ رکعتین (للستۃ الا الترمذی جمع الفوائد) وعن ابی ھریرۃ مرفوعا لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم (للشیخین وابی داود والترمذی جمع الفوائد)

"ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ کسی مقصود مباح یا کسی طاعت کے لئے کسی خاص دن کا تعین اگر قربت کے اعتقاد سے نہ ہو بلکہ کسی مباح مصلحت سے ہو تو جائز ہے ۔ جیسے مدارس دینیہ میں اسباق کے لئے گھنٹے متعین ہوتے ہیں ۔ اور اگر قربت کا اعتقاد ہو تو منع ہے ۔

"پس عرس میں جو تاریخ متعین ہوتی ہے ، اگر اس تعین کو قربت سمجھیں بلکہ کسی اور مصلحت سے ہو ، مثلاً سہولت اجتماع تاکہ تداعی دبلاوے

Marfat.com

کی ضعویت یا لجنس اوقات اس کی کراہت سے مامون رہین - اور خود د
اجتماع اس مصلحت سے ہو کہ ایک سلسلہ کے احباب باہم مل کر حب فی اللہ
کو ترقی دین ، اور اپنے بزرگون کو آسانی سے اور کثیر تعداد مین جو کہ اجتماع
مین حاصل ہے ، ثواب پہونچانا بے تکلف میسر ہو جائے نیز اس اجتماع مین
طالبون کو اپنے لیئے شیخ کا انتخاب بھی سہل ہوتا ہے - یہ تو ظاہری مصالح
ہین جو مشاہد ہین -

"یا کوئی باطنی مصلحت داعی ہو جیسا مین نے بعض اکابر اہل ذوق سے
سنا ہے کہ میت کو اپنے یوم وفات کے آنے پر وصول ثواب کے انتظار کی تجدید
ہوتی ہے - اور یہ مصلحت محض کشفی ہے ، جس کی تکذیب مین کوئی عقلی یا نقلی
دلیل موجود نہین اس لئے صاحب کشف کو یا اس کے معتقدین کو بدرجۂ ظن
اس کی رعایت کرنا جائز ہے - البتہ جزم یا یقین جائز نہین - بہرحال اگر
ایسے مصالح سے یہ تعیین ہوتی ہو تو فی نفسہ جائز ہے -

"لیکن اگر کوئی موجب ممانعت عارض اس مین شریک ہو جائے مثلاً
خلاف شرائط سماع یا مردون اور عورتون کا اختلاط یا نفس مجمع کو
جمع کرنے کا اہتمام خصوصاً فاسقون فاجرون کی شرکت ، یا شرکت کے
بعد بلا ضرورت ان کا احترام یا عوام کے فساد عقیدہ کا احتمال تو ان
عوارض سے پھر وہ مباح بھی ممنوع ہو جائے گا ، اور ایسے عرس کا
ترک کرنا قطعاً واجب ہو گا ، جیسا کہ اس زمانہ کے اکثر عرسون کی حالت
ہو گئی ہے -

Marfat.com

"پس پرانے مشائخ سے جو اعراس منقول ہین اگر ان کی سند نقل صحیح ہو ان مین کوئی امر منکر ثابت نہین۔ لہٰذا ان کے فعل مین کوئی اشکال نہین۔ البتہ اس وقت کے عرسون کو اُن پر قیاس کرنے کی قطعاً گنجایش نہین، کہ اس مین علاوہ فساد اعتقاد کے التزام و اہتمام ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایسی عید ہو جاتے ہین، جن کی حدیث مین ممانعت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا قبری عیدًا وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر پر عید نہ منانا، اور مجھ پر درود پڑھنا، اس لیے کہ تم جہان بھی ہو تمھارا درود مجھ کو پہنچ جائے گا" (ص ۱۶۶، ۱۶۷)

"کیونکہ قبر کی عید سے صاحب قبر کی عید مقصود ہوتی ہے۔ جب خود ذات بابرکات (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر کی عید جائز نہین "تو بدیگران چہ رسد"

سماعِ مزامیر اور عید کے معاملہ مین بالعموم جو دو حدیثین زیر بحث آتی ہین وہ یہ ہین کہ

"حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہین کہ ابوبکر رضہ اندر داخل ہوے تو میرے پاس انصار کی دو بچیان وہ گیت گا رہی تھین جو انصار نے جنگ کے دن کہا تھا اور وہ (باقاعدہ یا پیشہ ور) گانے والیان نہ تھین (پھر بھی) ابوبکر رضہ نے فرمایا کہ شیطان کے مزامیر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

مکان مین کیون جمع کر رکھا ہے۔ اور یہ واقعہ عید کے دن کا ہے بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر ہر قوم کے واسطے ایک عید ہے اور یہ دن ہمارے لیئے عید ہے۔ (بخاری ابواب العیدین)

دوسری حدیث یہ ہے کہ

"ربیع بنت معوذ بن عفرا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پس اندر داخل ہوئے جس وقت میری رخصتی ہوئی تھی، اور بیٹھے میرے فرش پر جس طرح تم بیٹھے ہو۔ اس کے بعد ہماری چھوٹی بچیان دف بجانے لگین، اور جنگ بدر مین جو بڑے مقتول ہوئے ہین ان کا مرثیہ گانے لگین۔ دفعتہً ان مین سے ایک نے کہا کہ وفینا نبی یعلم ما فی غد (یعنی ہم مین ایک ایسے نبی موجود ہین جو آیندہ کے واقعات جانتے ہین) حضورؐ نے فرمایا کہ اس کلمہ کو چھوڑ دو، اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھین (بخاری ابواب النکاح)

ان دونون حدیثون کو حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ نے یہی امر فیصل قرار دے کر ان سے حسب ذیل نتائج اخذ فرمائے ہین کہ

"گانے والیان نابالغ بچیان تھین ۱؎ وہ اس فن کی (باقاعدہ) جاننے والیان نہ تھین، ان کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے اکثر گھرون مین چھوٹی بچیان جھولے مین دل بہلانے کو مہندی وغیرہ کے گیت گا لیتی ہین ۲؎ گیت گا مضمون شہوانی نہ تھا، بلکہ شجاعت انگیز تھا، اور ایک نے بے موقع مضمون شروع کیا تو حضور اقدس نے روک دیا، اب بے موقع ہونے کی

Marfat.com

خواہ وجہ کوئی ہو ۔ چونکہ اس فن کو نہ جانتی تھین ظاہر ہے کہ دف بھی باقاعدہ نہ بجاتی تھین ۔ فقہا نے بھی جو شادی کے اعلان کے لیئے دف کی اجازت دی ہے ، اس مین عدم تطریب کی شرط لگا دی ہے ۔ بدون (کسی خاص موقع یا) داعی کے اس شغل کو اس قدر ناپسندیدہ قرار دیا گیا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس کو مزامیر شیطان فرمایا اور حضور اقدس نے اس کو رد نہین فرمایا ، بلکہ ایک داعی (موقع) کو ذکر فرما دیا ، یعنی حضورؐ نے حضرت ابو بکر کے قول مین یہ ترمیم فرمائی کہ وہ یوم عید کو اس کا داعی (موقع) نہ سمجھے تھے آپ نے اس کا داعی ہونا بتلا دیا باقی بلا داعی اس اشتغال کے مذموم ہونے کی حضورؐ نے نفی نہین فرمائی ۔

"پس حدیث تقریری سے بلا داعی ایسے اشتغال کا مذموم ہونا ثابت ہو گیا اب یہ دوسری بحث ہے کہ دوسرے کن کن دواعی کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے ، سو یہ مجتہدین کا منصب ہے ، جن مین محققینِ مشائخ داخل ہین ۔ غیر مجتہدین کو اس مین کچھ دخل نہین" (ص ۱۷۰)

اسی سلسلہ مین (گو اصل موضوع سے ذرا دور) ایک تشدد کا بھی ازالہ فرما دیا گیا ہے ۔ وہ یہ کہ بعض متشددین اہل ظاہر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کو بھی ممنوع قرار ٹھہرا دیا ہے ۔

"کسی نے تو نفس سفر ہی مین کلام کیا اور اس حدیث سے تمسک کیا لا تشد والرحال الا الی ثلثہ مساجد حالانکہ اس حدیث کی تفسیر خود دوسری حدیث مین آگئی ہے فی مسند احمد عن

Marfat.com

ابی سعید الخدری رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد ینبغی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والاقصی ومسجد ھذا (یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ناجائز ہے مسافر کیلئے یہ بات کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیئے سواری تیار کرے بجز مسجد حرام ومسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے)

"اور کسی نے اجتماع سے منع کیا ہے اور اس حدیث سے تمسک کیا ہے لاتجعلو قبری عیدا حالانکہ وہاں کوئی تاریخ معین ہے نہ اجتماع میں تداعی (بلاوا) یا اہتمام ہے، اور عید کے یہی دو لوازم ہیں۔ اور بعض نے خیر القرون میں یہ سفر منقول نہ ہونے سے استدلال کیا ہے حالانکہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے جو جلیل القدر تابعین میں ثابت ہے کہ وہ ضہ اقدس پر سلام پہنچانے کیلئے قصداً قاصد کو بھیجتے تھے اور کسی سے اس پر نکیر منقول نہیں تو ایک قسم کا اجماع ہو گیا اور جب دوسرے کا سلام پہنچانے کیلئے سفر جائز ہے تو خود اپنا سلام عرض کرنے کیلئے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے

"اور نسائی باب ساعۃ الاجابۃ یوم الجمعہ میں بصرہ بن ابی بصرہ کا قول ہے کہ لو لقیتک (یا اباھریرہ) من قبل ان تاتیہ (ای الطور) لما اتاتہ۔ (یعنی اے ابوہریرہ اگر میں آپ سے آپ کے طور پر جانے سے پہلے ملاقات کر لیتا تو وہاں نہ جاتے) اور اس پر حدیث لا تحل المطی الا الی ثلثۃ مساجد سے استدلال فرمایا ہے۔

"تو اس سے مطلق زیارت طور کی ممانعت لازم نہیں بلکہ سفر

Marfat.com

باعتقاد قربت سے مبالغت ہے، کیونکہ سفر طور کا قربت ہونا کسی دلیل سے ثابت نہین - اور اگر کسی سفر کا موجب قربت ہونا ثابت ہو یا سفر باعتقاد قربت نہ ہو تو وہ اس مین داخل نہین - (صـ ۱۷۲)

اس ضمن مین ایک اور چیز بزرگون کے آثار کا مسئلہ ہے - اس مین بھی لوگون نے افراط و تفریط سے بہت کام لیا ہے - اور اعتدال و تحقیق کے مسلک کو حضرت نے ایک مختصر رسالہ مین واضح فرمایا ہے - تھانہ بھون کے قریب ایک قصبہ جلال آباد ہے وہان ایک جبہ تھا (بعد کو ریاست رامپور چلا گیا) جو عام طور سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے - یہ رسالہ اصل مین اس پر ہے اور السنۃ الجلیہ کا جز بنا دیا گیا ہے[1] - اس مین ارشاد ہے - کہ

"کسی ذات کا عشق لزوماً مقتضی ہے اس کے متعلقات و ملابسات کی محبت کو .... اور تعلق کے تفاوت کے درجات سے محبت کے درجات مین بھی تفاوت لازم ہے - اس اصل پر عشاق محمدی کو سب سے زیادہ محبت کا تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے ہوگا، پھر اپنے اپنے درجہ مین حضرات صحابہ اہل بیت و ذریت اور آپ کے نائبین و وارثین یعنی علما و اولیا سے حتیٰ کہ اپنے درجہ مین آپ کے لباس تک سے محبت ہو گی -

در منزلیکہ جانا روزے رسیدہ باشد
یا خاک آستانش دادیم مرحبائے

---

[1] جو اس مین صفحہ ۵۹ سے شروع ہے ۱۲

اور اس تعلق کو نہ جاننے سے کبھی اس میں افراط و تفریط ہو جاتی ہے۔
اس لیئے مدت سے خیال تھا کہ اس کے متعلق ضروری تحقیق لکھ دی جائے
تاکہ علماً و عملاً افراط و تفریط سے بچنا ممکن ہو۔"

اس تحقیق کے بعض اجزا کا تعلق تو خاص اس جبہ کے تاریخی ثبوت وغیرہ سے ہے اور بعض کا عام تبرکات سے، جو ملخصًا درج ذیل ہیں پہلا جزو یہ ہے کہ مقبولین کے آثار برکت کی چیزیں ہیں اور ان سے بطریق مشروع برکت حاصل کرنا جائز ہے۔

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ واٰل ھارون تحملہ الملائکۃ الآیۃ)
ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اس (طالوت کی) بادشاہت کی علامت تابوت کا آنا ہے، جس میں تمہارے رب کی جانب سے اطمینان کا اور موسیٰ و ہارون کے ترکہ کا بقیہ ہوگا۔ اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔
اس کی تفسیر (جلالین) میں ہے کہ وہ لوگ اس تابوت کے واسطہ سے اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت کی دعا کیا کرتے تھے اور جنگ میں اس کو سب سے آگے رکھتے تھے، اور اس کے سبب مطمئن رہتے تھے ..... اس بقیہ ترکہ میں موسیٰ علیہ السلام کی نعلین مبارک و عصا تھا اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ مبارک تھا۔

"حدیث میں عثمان بن عبداللہ بن وہب سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے گھر والوں نے ایک پیالہ پانی دے کر حضرت ام سلمہؓ کی خدمت

Marfat.com

مین بھیجا۔ بات یہ تھی کہ جب کسی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری ہوتی تو انکی خدمت مین ایک لگن بھیجا جاتا تھا۔ اس مین وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک جس کو انھون نے چاندی کی نلکی مین رکھ چھوڑا تھا پانی مین ڈال کر پلا دیتین۔

"اسی طرح اسما بنت ابی بکر کے پاس ایک جبہ تھا، جس کے متعلق انھون نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، جب ان کی وفات ہوئی تو مین نے اس کو لے لیا۔ ہم اس کو بیمارون کے لیئے دھو کر اس کے واسطہ سے شفا چاہتے ہین۔

ایک اور روایت مین ہے کہ حفصہؓ نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب کے غسل و تکفین کے وقت اپنا تہ بند پھینکا اور فرمایا کہ پہلے اس کو ان پر لپیٹ دو"۔ شیخ نے کہا کہ صالحین کے آثار و لباس سے حصول برکت کے لیئے یہ حدیث اصل ہے۔

اہل محبت کی تو تعظیم آثار کے معاملہ مین جملہ یہ ہے کہ احد بن فضلویہ جو تیر انداز مجاہدین مین ہین جب سے ان کو یہ معلوم ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کا استعمال فرمایا ہے، تو پھر بلا وضو کسی کمان کو ہاتھ نہین لگایا! حضرت عمرؓ کے متعلق روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ پر ہاتھ رکھ کر پھر اس کو (برکت و محبت کی راہ سے) اپنی پیشانی پر رکھا۔

بس اس قسم کے آثار و برکات سے برکت حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ "احکام کا ادب ضایع نہ ہو اور مسان کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف شرع نہ کیا جائے یعنی

Marfat.com

"ان کی عید نہ منائی جائے، جس میں میلوں کی طرح مجمع ہوتا ہے، تاریخ کی تعیین ہوتی ہے دور دور سے آدمی آتے ہیں، عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے، بلکہ نماز روزہ سے زیادہ اس کا اہتمام ہوتا ہے۔ لکھی ہوئی چیزیں قبر میں نہ رکھی جائیں، جیسے شجرہ یا عہدنامہ کہ میت کے پیپ لہو کے تلوث سے ان کا احترام باطل ہوتا ہے۔ ان کی نذر نہ مانی جائے، کیونکہ نذر عبادت ہے جو مخلوق کے لیے نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے کچھ وقف نہ کیا جائے کیونکہ وقف میں شرط ہے کہ مصرف قربت ہو اور یہ مصارف متعارفہ خود بدعت ہیں۔ البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ جو فقرا و مساکین اس کی زیارت کے لیے آویں ان پہ صرف کیا جائے۔ اور جو اس کے متولی ہوں وہ بھی بقدر حاجت لے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے۔

"نہ ان کی تعظیم میں غلو کیا جائے، جس سے شرک و بدعت تک نوبت پہونچے، نہ کسی قسم کی اہانت کی جائے کہ اس کی اہانت میں عرفاً اس کی اہانت ہے، جس کی طرف یہ منسوب ہے، جس سے بچنا واجب ہے ہر حال میں اعتدال ملحوظ رہے علماً بھی عملاً بھی۔ (ص۹۲) تبرکات کی زیارت پر معاوضہ لینا جائز نہیں ..... البتہ بلا شرط و بلا عرف و بلا جبر و بلا ذلت مضائقہ نہیں۔ البتہ پھول چڑھانا چونکہ شعار اہل بدعت کا ہو گیا ہے اچھا نہیں۔ اگر کسی مقتدا یا ذی اثر کی شرکت زیارت سے عوام کسی غلط فہمی میں پڑ جائیں تو وہ علانیہ ایسی شرکت سے احتراز کرے (ص۱۰۲ و ص۱۰۴)

Marfat.com

ان کے علاوہ اور بہت سی ہدایات ہین جو کثیر الوقوع نہین، اس لئے بخوف طوالت نقل نہین کی جاتین۔ اصل مدعا تمام ہدایات کا شرعی احکام کی حفاظت اور اعتدال کی رعایت ہے۔ اس اعتدال کی کیفیت کو واضح فرمانے کے لیے خود حضرت نے بطور نمونہ دو تحریرین نقل فرمائی ہین۔ ایک حرمین شریفین اور روضۂ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ کو بوسہ دینے اور آنکھون سے لگانے کے بارے مین حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوے ہے کہ "ان نقشون کو بوسہ دینا اور آنکھون سے لگانا ثابت نہین۔ اور اگر غایت شوق مین کسی سے ایسا ہو جائے تو اس پر عتاب و ملامت بھی درست نہین"۔ (صـ۹۳)

دوسری تحریر اس معاملہ مین مجددانہ تفصیل کے ساتھ خود حضرت علیہ الرحمۃ کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

بحث طلب دو باتین ہین۔

ایک یہ کہ فی نفسہ ایسے نقشے یا تمثال کو سر پہ رکھنا بوسہ دینا اس کے توسل سے دعا کرنے کا کیا حکم ہے، دوسرے یہ کہ عوام کے موجودہ و آیندہ مفاسد کے احتمالِ غالب کے اعتبار سے ان کا کیا حکم ہے۔

"امر اول کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دین و عبادت سمجھ کر ایسا کیا جائے تب تو بدعت ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہین۔ اور اگر طبعی ادب و شوق سے کیا جائے تو حرج نہین۔ ایسے امور طبعیہ کے جواز کے لیے جزئی دلیل کی ضرورت نہین۔ اتنا کافی ہے کہ مخالف دلیل نہ موجود ہو جیسے حضرت عثمان کا ارشاد کہ لامسست ذکری بیمینی من

Marfat.com

بابیت بجاسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ظاہر ہے کہ ایسا ادب و رعایت کوئی شرعی حکم نہیں، ورنہ نجس کپڑے کا بچوڑنا یا رگڑنا ذبیحہ ہاتھ سے جائز نہ ہوتا۔ بخلاف نہی عن مس الذکر فی الاستنجاء کہ وہ ایک تعبدی حکم ہے۔

"امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ جہاں مفاسد کا احتمال غالب ہو وہاں روکا جائے۔ اور عوام کی حالت اس وقت واقعی ایسی ہے کہ اس پر نظر کرکے احتیاط ہی مناسب ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب بھی اصلاح ضروری ہے مثلاً ایسے نقشوں کے ساتھ قصداً اہانت کی کوئی حرکت کرنا۔" (ص ۹۴)

مفاسد کے غالب احتمال کی تفصیل یہ ہے کہ

"یہ احتمال خواہ عوام کے فعل میں ہو خواہ خواص کے یعنی اگر کسی مقتدا کے ایسے فعل سے عوام کے غلو یا حدود سے نکل جانے کا اندیشہ ہے تو اس مقتدا کو روکنا ضروری ہے، چاہے وہ دینی مقتدا ہو یا دنیوی اثر کے سبب عوام اس کے قول و فعل کا اقتدا کرتے ہوں .... کیونکہ احکام کی حفاظت و حمایت تبرکات کی زیارت و رعایت سے زیادہ ضروری ہے۔ اور عوام کے دین کی حفاظت یہ بھی شرعی حکم ہے۔"

"دیکھئے سید العاشقین حضرت خواجہ اویس قرنیؓ باوجود اس کے کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ کا زمانہ پایا، مگر والدہ کی خدمت کے سبب کردہ شرعی حکم تھا کیونکہ وہ محتاج تھیں اور دوسرا کوئی خادم نہ

Marfat.com

تھا - عمر بھر آتش فراق مین جلتے رہے اور حضور کی زیارت نہ کی ... جب احکام زیارتِ ذات پر مقدم ہین تو زیارت تبرکات پر کیون مقدم نہ ہون گے - فقہا نے تو جس بات مین عوام کے مفسدہ کا وہم ہو خواص کے لیئے ترکِ مستحبات تک کا فتویٰ دیدیا ہے - (ص۹۰)

غرض محبوب کے حکم کی بجا آوری کو اس کے تبرکات کیا اس کی ذات کی زیارت پر بھی مقدم رکھنا سچا عشق ہے - کیونکہ احکام کی اتباع مین محبوب کی رضا و خوشنودی ہے اور اس کی ذات یا تبرکات کی زیارت مین اپنے جذبات عشق کی - اور کامل و صادق عشاق کا مسلک یہ ہے کہ

ترک کار خود گرفتم تا بہ آید کار دوست

الطریق المنصور اور السنۃ الجلیہ ان مستقل تالیفات کے علاوہ بھی تصوف یا صوفیا کی معتبر و مستند کتابون یا کلام مین اگر کہین کوئی خلاف شریعت اشکال نظر آیا یا کسی کی طرف سے پیش کیا گیا، تو اس کا بھی حسب موقع حل و ازالہ فرمایا گیا ہے مثلاً گلستان اور بوستان کے بعض اشعار کا حدیث کہ یوسف زلیخا کوئی تصوف کی کتاب نہین - لیکن ایک مسلم جلیل القدر صوفی مولانا جامیؒ کی تصنیف بہرحال ہے - کسی نے اس کے اشعار ذیل کو پیش کر کے سوال کر دیا کہ ایسی کتاب کا پڑھنا پڑھانا جائز ہے؟

دو بستان ہر یکے چو قبۂ نور — جا بے ساختہ از عین کافور
دو نارتازہ تر دستہ زیک شاخ — کف امید خان نا سود گستاخ

Marfat.com

شکم چون تختۂ قاقم کشیدہ — بنرمے دایہ نافے را بریدہ
سرینش کوہ اما سیم سادہ — چو کوہ کز کمر زیر او فتادہ

اگر کسی حاکم کی بی بی کی بھی ایسی تعریف کی جائے تو وہ کتنا خشمناک ہوگا نہ کہ یوسف علیہ السلام کی بی بی کی"

جواب مین ارشاد ہوا اور قرآن مجید کی سند کے ساتھ ارشاد ہوا کہ

"گو ایسی مدح خلاف احترام ہے، مگر ایسی حالت کے اعتبار سے ہے کہ اس وقت وہ (زلیخا) واجب الاحترام نہ تھین۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح مین آنے بلکہ اسلام لانے کے بھی قبل۔ جس حالت مین کہ خود حق تعالیٰ نے ان کا قصہ یا دم (خلاف) احترام ذکر فرمایا ہے کہ راودتہ التی ھو فی بیتھا الخ قالت ما جزاء الخ جو کذب وکید وغیرہ کو مستلزم ہے

"لہذا یہ سبب تو اس کے پڑھنے پڑھانے کا مانع ہو نہین سکتا۔ البتہ اگر ایسے مضامین سے قوائے شہویہ کے ہیجان کا احتمال ہو تو صرف یہ مضمون نہ پڑھایا جائے[1]

خیر یہ تو کوئی تصوف کی کتاب تھی نہ تصوف کی بات۔ البتہ مولانا جامی ہی کی فنِ تصوف کی مسلم و مستند کتاب لوائح کے بعض مقامات کے متعلق کسی نے اشکال پیش کیا مثلاً لائحہ ۲۵ مین ہے۔

"پس عالم ظاہر حق است و حق باطن عالم۔ عالم پیش از ظہور عین حق بود و حق بعد از ظہور عین عالم بلکہ فی الحقیقت یک حقیقت است۔ و ظہور

---

[1] بوادر النوادر ص۷۲ و ص۷۳ ۱۲

Marfat.com

وبطون واولیت وآخریت از نسبت واعتبارات دوینہ۔

دوسرے مقامات مین بھی ایسا ہی ہے، جیسے کہ لاکھ ۱۰ مین کہ

"پس نیست در خارج الا حقیقۃ واحدہ کہ بواسطہ تلبس وشیون وصفات متکثرہ متعددی نماید نسبت بآنان کہ در ضیق مراتب محبوس اند وباحکام واوہام مقید"

جواب اور حل ملاحظہ ہو کہ

"یہان ایک اصل ہے اور بعض اصطلاحات، جن کے پیش نظر رہنے سے ایک یہ عبارت کیا کہ تمام لاکھ حل ہو جائے گی وہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک خارج مین تحقق صرف ایک وجود واجب کا ہے۔ باقی دوسرے موجودات کو اس وجود حقیقی کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھنے کے سبب موجود کہا جاتا ہے۔

"اس تعلق کی کیفیت ان حضرات کے نزدیک ایسی ہے، جیسے متصف (موجود) بالعرض کا تعلق متصف (موجود) بالذات کے ساتھ۔ بس اس بنا پر موجود بالذات صرف ذات حق ہے، اور ممکنات موجود بالعرض۔ اور اس مرتبہ مین ممکنات کو غیر موجود بھی کہہ دیا جاتا ہے جیسے کشتی کے سوارون کو غیر متحرک بالذات کہا جاتا ہے

"اور چونکہ یہ موجودات بالعرض محسوس ومشاہد ہین اور موجود بالذات غیر مشاہد (یا غیر محسوس) اس لیئے عالم کو ظاہر حق اور حق کو باطن عالم کہدیا ظاہر وباطن کے وہ معنی نہین جس معنی کر کے روح کو باطن انسان اور

Marfat.com

جسد کو ظاہر انسان کہا جاتا ہے - بلکہ ظاہر کے معنیٰ مظہر کے ہین اور باطن کے ذی مظہر کے "

" اور چونکہ مابہ الاتصاف بالذات ومابہ الاتصاف بالعرض شے واحد ہے - تغایر محض اعتباری ہوتا ہے، اس لیئے دونون کو ایک دوسرے کا عین کہا جا سکتا ہے - اور اس مابہ الاتصاف (وجود) کے اعتبار سے دونون اتصاف کو اور پھر دونون اتصاف کے اعتبار سے دونون متصف کو بحثًا وتسامحًا عین کہنا صحیح ہو سکتا ہے اور درحقیقت عینیت کا حکم خود ان دونون حیثیتون مین ہے -

"پس اس بنا پر عالم اور حق کو عین کہدیا اور اس مین قبل ظہور وبعد ظہور کی دونون حالتین اصل مین متساوی ہین - مگر چونکہ قبل ظہور عالم مین خفا محض تھا، اس لیئے اس کو حق مین مندمج کہدیا اور بعد ظہور امر بالعکس ہوگیا - اس لیئے اس کے عکس کا حکم کر دیا بس یہ عینیت دو چیزون کے اتحاد کے ہم معنیٰ نہین - بلکہ شے واحد (ایک ہی شے) کی وحدت کے معنیٰ مین ہے"[1]

چونکہ لوائح کا بڑا مسئلہ یہی وحدۃ الوجود کی بحث ہے، جس مین بہتون کو خالق ومخلوق کی عینیت کا التباس ہو جاتا ہے، اس لیئے اس مین شک نہین کہ مذکورہ عبارتون کا حل دراصل ساری کتاب (لوائح) کا حل ہے - تاہم یہ حل اس مذاق کے اہل علم وتحقیق ہی کے لیئے ہے - دوسرون کو اس پھیر مین پڑنے کی ضرورت نہین - خود سائل بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مذاق کے نہ تھے، اس لیئے اُن کو آخر مین حضرت نے ہدایت

---

[1] نوادر النوادر صفحہ ۱۱۶ ۱۲

Marfat.com

فرمائی کہ "ایسی کتابین دیکھنا مضر ہے آیندہ نہ پوچھا جائے۔

عارف شیرازیؒ | ایک اور حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ ہین، جن کا حال و مقال سب اس لیئے مشتبہ ہوگیا کہ "ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو" مگر اُن سے "بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر" نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح بعضون نے تاریخ دانی کا فرض حضرت منصورؒ کو ملحد و زندیق قرار دے کر ادا کیا، اسی طرح بعضون نے سخن فہمی کی داد یہ دی کہ عارف شیراز کی مستی مین شراب انگور اور شراب معرفت کے فرق کو نہ سمجھ سکے۔ مدت تک خود یہ بے تمیز راقم بھی ایسی ہی خوش فہمی مین مبتلا رہا۔ اور بمبئی یونیورسٹی کے دکن کالج و گجرات کالج کے لیکچرون مین حضرت خواجہ کی روح کے بیئے سامان اذیت بنتا رہا (اللھم اغفرلی فانما انا بشر فایما مومن آذیتہ او شتمتہ فاجعلھا لہ صلوۃً وزکوۃً تقربہ بھا الیک)

حالانکہ ذرا آنکھین کھول کر پڑھا جائے تو "بادۂ و ساغر" محض "مشاہدۂ حق کی گفتگو" کا ایک باریک پردہ ہے۔ وہ بھی فن کی اصطلاحات نہ جاننے والون کے لیئے۔ مثلاً پہلی ہی غزل کے ان اشعار مین "عشق" و "پیر مغان" سے مجاز سوا بدمذاق کے کون مراد لے سکتا ہے۔

الا یا ایھا الساقی ادر کاسا و ناولھا — کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پھر غزلین کی غزلین ایسے اسرار معرفت اور مضامین حقیقت سے پُر ہین، جن کو مذہب دستی بھی مجاز کے معنی نہین پہنائے جا سکتے۔ مثلاً

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندران ظلمتِ شب آب حیاتم دادند

Marfat.com

بیخود از پرتو شعشعۂ ذاتم کردند　　بادہ از جام تجلی بصفاتم دادند

اسی طرح اس کے بعد ہی کی دوسری غزل

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند　　گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

ساکنان حرم سر عفاف ملکوت　　با من راہ نشین بادہ مستانہ زدند

دونوں مسلسل ۲۲ شعر کی غزلین تمام تر حقیقت و معرفت ہی کے معاملات و مقامات کی ترجمان ہین -

غرض **دیوان حافظ** اس مین **عرفانِ حافظ** ہے - حضرت نے اسی نام سے ایک مقدمہ حصہ کی مستقلاً شرح تحریر فرمادی ہے تاکہ اہل ہوس اس کے "مے و معشوق" کو اپنے جذبات ہوسناکی کی حقیقت کا آئینہ نہ بنائین ، اور دوسری طرف مذاق سخن سے ناآشنا بعض بظاہر خلاف شریعت شاعرانہ تعبیرات و عنوانات کی بنا پر اس کو اپنی رندی و آزادی کی حجت نہ ٹھہرائین - مثلاً اس طرح کے آزاد منش بارہا بے تکلف یہ شعر پڑھ کر اپنے نزدیک شریعت سے آزادی حاصل کر لیتے ہین کہ

مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن　　کہ در شریعت ما غیر ازین گناہے نیست

حالانکہ جس کو ذرا بھی مذاق سخن ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہین کہ دل آزاری کے سوا شریعت مین اور کوئی گناہ گناہ ہی نہین - اصل مین حقوق عباد کی اہمیت کو شاعرانہ مبالغہ سے واضح کرنا مقصود ہے - جس کو حضرت نے شرح مین ایک لفظ سے واضح فرما دیا کہ " غیر ازین گناہے نیست " سے مراد یہ ہے کہ برابر ازین گناہے نیست " اور

" مبالغۃً باین عنوان (کہ غیر ازین گناہے نیست) تعبیر نمودہ جس سے

Marfat.com

مقصد بالخصوص حقوق العباد کے بارے مین اہتمام تقویٰ کا امر فرمانا ہے، جو سالک کے لیئے سب سے بڑھ کر مضر ہے۔ کیونکہ اس کا تدارک (بارہا) اختیار مین نہین ہوتا۔ نیز سلوک مین قلب مین خشوع پیدا کرنا خصوصیت کے ساتھ مطمح نظر ہوتا ہے کہ وہ منبع ہے تمام اخلاق حسنہ کا اور آثار دنیا قساوت قلب کی علامت ہے، جو خشوع کے منافی ہے، اس لیئے بھی یہ اشد ہے۔[1]

اسی طرح ایک اور شعر رندفش جو از رندی مین پڑھ دیا کرتے ہین کہ

ترسم کہ حرفہ نبرد روز باز خواست　　نانِ حلال شیخ ز آبِ حرام ما

حالانکہ اس کے معنی جیسا کہ حضرت شارح رحمہ اللہ کا ارشاد ہے یہ ہین کہ

"گو ہم گنہگار ہین اور شیخ عابد اہل ظاہر متقی ہے۔ لیکن ہم مین چونکہ عجز و مسکنت اور اعتراف تقصیر ہے اور اس عابد مین ریا و دعویٰ و تکبر اور دوسرون کی تحقیر پائی جاتی ہے۔ اس لیئے اندیشہ ہے کہ شاید ایسے شیخ کا تقویٰ ہماری معصیت پر ذریعہ نجات ہونے مین غالب نہ آسکے، بلکہ مغلوب ہو جائے اور اس پر دار و گیر ہونے لگے اور ہماری تقصیرات سے درگذر ہو جائے۔ غرض مقصود پندار و تکبر سے منع کرنا ہے نہ کہ گناہ پر جرأت دلانا"[1]

مولانا رومیؒ نے "بادۂ و ساغر" کے مجاز کا پردہ بھی نہین رکھا ہے اور کھلی کھلی "مشاہدۂ حق کی گفتگو" ہے اس کے علاوہ مثنوی شریف تصوف کی کتاب

[1] عرفان حافظ صفحہ ۲۴ ۱۲

Marfat.com

نہین کتب خانہ ہے، اور اس کو عوام و خواص بلکہ غیرون تک مین جو قبول نصیب ہوا وہ کسی دوسری انسانی کتاب کو شاید ہی ہوا ہو۔ اپنے پرائے، عقل و نقل سنت و بدعت والے سب ہی اس پر سر دھنتے اور اس سے حجت پکڑتے ہین بڑون بڑون نے اس کے درس و تدریس کا شغل رکھا اور شرح و حواشی سے اس کے مطالب کو حل کیا ہے۔

لیکن حضرت علیہ الرحمہ کا جو خاص نقطۂ نظر تھا کہ تصوفِ اسلام اگر **تصوف اسلام** ہے تو پھر اس مین **تعلیم اسلام** کے خلاف کوئی بات کیسے ہو سکتی ہے اور کسی **مسلمان صوفی** خصوصاً مولانا رومؒ جیسے محقق و کامل کی زبان و قلم سے خلاف اسلام کوئی بات کیسے نکل سکتی ہے، اس اعتبار سے حضرت کی شرح **کلید مثنوی** واقعی مثنوی کے ایسے مشکلات کی پوری کلید ہے۔ اور حضرت نے اس کی چند سطری تمہید مین اسی خصوصیت کی خاص تصریح فرمائی ہے کہ دیگر حواشی و شروح اکثر یا طویل زیادہ ہین یا دقیق ہین اور بعضے اصل مطلب سے دور یا اصول شرعیہ سے گذرے ہوئے ہین.... اس لیے اسکی حاجت معلوم ہوئی کہ ایک مختصر شرح لکھ دی جائے جس مین اصل مطلب یا جس مسئلہ پر اصل مطلب موقوف ہو بلیس تقریر مین پورا آجائے اور **الحاد زندقہ** یا حشو و زوائد نہ آنے پائین"

کلید مثنوی | افسوس کہ بعض عذرات کی بنا پر حضرت سارے دفاتر کی شرح نہ فرما سکے تاہم اول و آخر یعنی پہلے اور چھٹے دفتر کی ایسی شافی و وافی شرح فرما دی ہے کہ دیگر دفاتر کی **کلید** بھی انھین سے ہاتھ آجاتی ہے۔ اولاً تو کلام مجید کی طرح مثنوی کے مضامین بھی متشابہ ہین، اس لئے جس طرح سورۂ بقر کی تفسیر پڑھ لینے سے باقی کے حل مین اعانت ہوتی ہے، اسی طرح "ایک دفتر کی شرح دوسرے دفاتر کے حل مین معین ہو سکتی ہے"

Marfat.com

پھر دیگر دفاتر مین دفتر ششم کی شرح کو خصوصًا اس وجہ سے اختیار فرمایا کہ

"حضرت سیدی و مرشدی (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) قدس سرہٗ سے سنا تھا کہ دفتر ششم مین اسرار و معانی زیادہ ہین اور خود دفتر مذکور کے شروع مین ایک شعر مین بھی اس طرف اشارہ ہے۔

بو کہ فیما بعد دستوری رسد رازہائے گفتنی گفتہ شود

اور بعض شارحین نے مولانا سے تصریحًا بھی اس کو نقل کیا ہے کہ ہر متاخر دفتر معانی کے اعتبار سے زیادہ جامع ہے بہ نسبت دفتر متقدم کے تو دفتر ششم کی شرح گویا تمام دفاتر سابقہ کی شرح ہو جائے گی"[1]

بہر حال جو حضرات مثنوی شریف کا مطالعہ اس حیثیت سے کرنا چاہتے ہین کہ وہ سب سے مشہور و مسلم **مسلمات صوفی** کی اور سب سے مشہور و مسلم **اسلامی تصوف** کی کتاب ہے، ان کو سب سے زیادہ اس مطالعہ و تحقیق مین مدد انشاء اللہ **کلید مثنوی** ہی سے ملے گی۔

مسائل مثنوی | اول و آخر کے دو دفترون کی مستقل شرح کے علاوہ ایک مستقل رسالہ **مسائل مثنوی** کے نام سے رقم فرمایا ہے[2] جس مین تصوف کے بہت سے خاص مسائل کی توجیہ و تفصیل مثنوی ہی کے اشعار سے فرمائی گئی ہے۔ اور بھی جابجا مختلف مواقع پر مثنوی کے متفرق مشکلات کا حل فرمایا گیا ہے۔ جن مین اس اہتمام کو بیش از بیش پیش نظر رکھا گیا ہے کہ کتاب و سنت یا شریعت کا کلمہ رشتہ طریقت کے ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ ذیل مین بعض انداز کے لیئے دو ایک مثالون پر قناعت کی جاتی ہے۔ بعض جگہ تو محض کسی لفظی غلطی پر متنبہ فرما کر سارا اشکال پا در ہوا فرما دیا ہے مثلاً

---

[1] تمہید دفتر ششم کلید مثنوی ۱۲ [2] جو بعد مین انکشف مین شامل فرما دیا گیا ہے ۱۲

Marfat.com

ایک لفظ سے اشکال دور | کور کورانہ مرد در کربلا تا نیفتی چون حسین اندر بلا

"اسمین اشکال کا منشا "تا" مترلفظِ تا ہے۔ توجیہ کرنیوالون نے اس کو عموماً تعلیل پر بمعنی تاکہ کے محمول کیا ہے اور اسطرح اس کو غایت پر بمعنی جب تک کہ محمول کرتا ہے"۔

اور فارسی مین جب "تا" دونون معنون کے لیئے آتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ وہ دوسرے ہی معنی نہ لیئے جائین جن سے اشکال سرے سے پیدا ہی نہین ہوتا۔ اور شعر کے معنی کیسے صاف ہو جاتے ہین کہ جب تک حضرت حسین علیہ السلام کی طرح مقام امتحان و ابتلا (بلا) کے لیئے کمر بستہ نہ ہو چکو اسوقت تک اندھون کی طرح کربلا کا رخ نہ کرو۔ اسی کو حضرت فرماتے ہین کہ

"جبتک امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی طرح مجاہدہ بلا و صبر و تحمل جفا مین فائق نہ ہو چکو اسوقت تک کربلا کے مقام عشق مین ناعاقبت اندیشی کے ساتھ قدم نہ دھرو۔ البتہ جس طرح امام علیہ السلام نے اول اپنی ہمت کو قوی کر لیا تھا اور سب بلاؤن کے برداشت کرنے کے لیئے مستعد ہو گئے تھے، اسوقت میدان کربلا مین تشریف لے گئے تھے۔

"اسی طرح اگر تم پہلے ریاضات و مجاہدات سے نفس مین قوت پیدا کر لو اسوقت طریق عشق مین آنا مبارک ہو۔ حاصل وصول الی اللہ کے طریقون مین سے طریق عشق کی شرائط کا بیان کرنا ہے۔ اور جو شخص ان شرائط پر قادر نہ ہو اس کے لئے دوسرا طریقہ ابرار کا جو عافیت کا ہے موجود ہے۔ اسی کو حضرت شیخ شیرازی نے دوسرے عنوان سے ذکر کیا ہے"۔

اگر مرد عشقی گم خویش گیر ورنہ رہ عافیت پیش گیر[1]

قصۂ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام سے غلط استدلال

بہتیرے کم علم و کم فہم حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصہ کی بنا پر اپنے نزدیک گویا قرآن مجید ہی سے علم باطن یا طریقت کے علم ظاہر یا شریعت سے افضل ہونے کو منصوص قرار دیتے ہین۔ مثنوی مین جہان اس قصہ کا

[1] کشف حصہ دوم ۱۲

Marfat.com

بیان ہے، اس سے بھی اس کا بظاہر وہم ہوتا اور استدلال کیا جاتا ہے۔

آن پسر را کش خضر ببرید حلق — سر آن را در نیابد عام خلق
گر خضر در بحر کشتی را شکست — صد درستی در شکست خضر ہست
وہم[1] موسیٰ با ہمہ نور و ہنر — شد ازان محجوب تو بے پر بپر

حالانکہ خضر علیہ السلام کے اس علم کا حاصل اس کے سوا اور اس سے زائد کیا تھا کہ بعض دور کے زمانی و مکانی تکوینی واقعات کا علم ان کے ظہور سے قبل ان کو ہو گیا تھا یا الہاماً عطا کیا گیا تھا جبلی و فطری الہام یا وحی اللہ تعالیٰ حیوانات بلکہ جمادات تک کو فرماتے ہیں۔ جیسا کہ خود کلام مجید سے ثابت ہے[2] اور یوں بھی آدمی علمی تجربات سے تکوینی واقعات قبل از وقوع جان لیتا ہے۔ مثلاً کسوف و خسوف، زلزلہ و طوفان باد و باران وغیرہ کا پہلے ہی سے علمی تجربات کے اندازوں اور علم ہیئت کے حسابوں سے ہو جاتا ہے۔ اور حضورؐ کی تو حدیث ہی موجود ہے کہ "دنیوی (یا تکوینی) باتوں کو تم زیادہ جانتے ہو[3]"

بخلاف اس کے حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصل فضل و کمال یہ ہے کہ ان کو کائنات و انسان کے مقصدِ تخلیق کا علم اور اس مقصد کی تکمیل کے احکام خود اس کے خالق کی طرف سے بے خطا وحی کے ذریعہ عطا ہوتے ہیں۔ جس سے آدمی کو اپنے خالق کی معرفت اس کے قرب و رضا اور "آخرت یا "خیر و ابقیٰ" زندگی کی فوز و فلاح کی راہ ملتی ہے۔ تکوینی کے مقابل میں اس کا نام تشریعی علم ہے۔ یہی "تشریعی علم" حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبوی "نور و ہنر" تھا، جس کے آگے ساری کائنات ارض و سموات کا تکوینی علم بھی گرد ہے۔ اب خود حضرت کی زبان سے سنیں کہ

"اس قصہ سے بعضوں کو شبہ ہو گیا کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے۔۔ نیز اس سے

---

[1] وہم کے لفظ سے وہم نہ کیا جائے اس سے مراد مطلق خیال ہے جیسا حضرت نے لکھا ۱۲ [2] کما قال اللہ تعالیٰ واوحی الی النحل۔ واوحی الی الارض۔ [3] انتم اعلم بامور دنیاکم ۱۲

مستنبط کیا ہے کہ اگر شیخ خلاف شرع کچھ حکم کرے تو مرید کو اس کا اتباع واجب ہے۔ سو خوب جان لو کہ یہ سب دعوے باطل ہین علم باطن کا علم شرع سے افضل ہونا ثابت نہین ہوتا۔ دو وجہ سے۔

"اول یہ کہ علم باطن خود ایک شعبہ علم شریعت ہی کا ہے۔ شریعت نام ہے اصلاح ظاہر و باطن کے طریقہ کے جاننے کا۔ اصلاح ظاہر یہ کہ اقوال و افعال درست کرے اور اصلاح باطن یہ کہ عقائد و اخلاق درست کرے ... سو جز کس طرح کل سے افضل ہو سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ اس واقعہ مین حضرت خضر علیہ السلام کو جو بعض امور بعیدہ و مخفیہ کی اطلاع ہوگئی یہ سرے سے وہ علم باطن ہی نہین جسمین گفتگو ہے۔ بلکہ چند واقعات جزئیہ و حالات کونیہ ہین، جن کا انکشاف اُن کو ہوگیا تھا جس کا حاصل اس قدر ہے کہ جو چیزین زمانًا یا مکانًا بعید تھین، وہ اُنکے علم مین قریب ہوگئین ..... سو دور کی چیز کا نزدیک معلوم ہونا علم باطن نہین۔

"بخلاف علم موسیٰ علیہ السلام کہ وہ علوم شرعیہ کلیہ و معارف الٰہیہ ہین کہ ظاہر و باطن سب اس کے شعبے ہین۔ غرض علم خضری کسی طرح علم موسیٰ سے فائق نہین[1]۔

اتباع شیخ کا درجہ رہا اتباع شیخ کا معاملہ تو اس کا فیصلہ مثنوی ہی کے اس شعر کے ذیل مین سنو کہ

گر امینم متہم نبود امین　　گر بگویم آسمان را من زمین

اس شعر مین اشارہ ہے کہ شیخ کامل (جیسا لفظ امین سے ظاہر ہے) جو جامع شریعت و طریقت و علم و عمل ہو اگر کوئی کام مرید کی فہم و قیاس سے خارج

[1] الکشف حصہ سوم صفحہ ۱۲

Marfat.com

کرے یا کوئی کلام اس سے ایسا صادر ہو تو بدگمانی نہ کرے بلکہ اپنی فہم کا قصور سمجھے کہ اس کی کنہ تک نہین پہونچی۔ البتہ مرید کو اگر کسی خلاف شرع کام کا حکم کرے تو جب تک اس کا موافق شرع ہونا سمجھ مین نہ آجائے عمل جائز نہین۔ حدیث مین ہے لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ لیکن اسکی خدمت مین انکار و گستاخی یا اعتراض سے پیش نہ آئے بلکہ باادب عذر کرے اور اس کی کنہ دریافت کرنے کے لئے عرض کرے۔ بعد اطمینان عمل کرے (ص۲۶)

باطن پیر ہر جگہ ہے | ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ بعض صوفیہ کا ایک مقولہ یہ ہے، کہ "باطن پیر ہر جگہ ہے"۔ اس پر مثنوی کے اس شعر کی تفہیم مین ارشاد ہے کہ

گفت جانم از محبان دور نیست لیک بیرون آمدن دستور نیست

"اس مین مولانا نے اشارہ کیا ہے کہ اگر پیر سے محبت کامل ہو تو ظاہری دوری مانع فیض نہین۔ حدیث المرء مع من احب اس کی مؤید ہے۔ یہی محبت معیت روحانی ہے۔ مگر اس شخص کے لیئے جس کو تعلیم کی حاجت ذہنی ہو صرف تقویت نسبت مین مشغول ہو، ورنہ بدون قرب جسمانی کام نہین چلتا البتہ ثواب و برکت ضرور ہے۔ اس مضمون کو بعض صوفیہ ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہین کہ باطن پیر ہر جگہ ہے۔ جس کے معنی نہ سمجھنے مین عوام الناس غلطی کرتے ہین کہ نعوذ باللہ پیر ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ سو یہ یقیناً غلط اور خلاف واقع ہے۔ گو بطور کرامت کسی کے ایسا واقع ہوا ہے۔ مگر یہ امر نہ مستمر ہے نہ ضروری کہ جب پیر کی شکل نظر آئے تو صحیح پیر ہی ہو بعض اوقات کوئی فرشتہ وغیرہ اس شکل مین نظر آجاتا ہے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ "باطن پیر ہر جگہ ہے" یہ ایک خاص اصطلاح بھی ہے، جس کی نسبت ارشاد ہے کہ

"باطن اصطلاح مین اُس اسم الٰہی کو کہتے ہین جس کا کسی مخلوق مین ظہور ہو۔ پس شیخ کامل مین اسم ہادی کے فیض کا ظہور ہوتا ہے۔ سو باطن شیخ سے مراد اسم ہادی ہوا۔ چونکہ وہ حق تعالیٰ کی صفت ہے، جو مکان و زمان سے منزہ ہے اور اس کا فیض عام و محیط ہے۔ اس اعتبار سے کہدیا جاتا ہے کہ باطن شیخ ہر جگہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ صفت ہادی کا فیض کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہین۔ اور چونکہ قابلیت اس فیض کے حاصل کرنے کی شیخ کی صحبت و تعلیم سے نصیب ہوتی ہے، اس لیئے باطن کو شیخ کی طرف بادنیٰ مناسبت مضاف کر دیتے ہین کذا اقال مرشدی[1]۔ (الحاج امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

ترجمہ کوئی عالم و محقق مسلمان صوفی شریعتِ اسلام یا قرآن و حدیث کے خلاف بات کو سرے سے علم (یعنی علم دین) کہہ ہی کیسے سکتا ہے۔ بلکہ عادت رومی دیکھ تو علم دین یا اہل کے تاریخ علوم کے علاوہ ہر نام نہاد علم "خبیث گری" ہے۔

دین فقہ است و قرآن و حدیث — ہر کہ خواند غیر ازین گردد خبیث

محمد ﷺ کہ اسلامی تصوف اور سچے مسلمان صوفیون پر جاہلون اور دوکاندارون ضالت و نفسانیت نے جو پردے ڈال رکھے تھے حق تعالیٰ نے اُن کو مجدد وقت

[1] کشف حصہ سوم صفحہ ۱۲

Marfat.com

کے ہاتھوں پارہ پارہ فرما کر حق کو کیسا ظاہر و بے غبار فرما دیا۔ فاحسن اللہ جزائہ و رزقنا اتباعہ۔

خود اس فضل و احسان اور نعمت عظمیٰ کا شکر ادا فرماتے ہیں کہ

"اللہ کا شکر ہے کہ بدتون کے بعد فن کی تجدید ہوئی اور طریق روز روشن کی طرح صاف و بے غبار ہو گیا۔ ہر چیز اپنے درجہ پر نظر آنے لگی۔ بڑی ہی گڑبڑ مچا رکھی تھی۔ حقیقت مستور ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے بعض کو درجہ غلو کا ہو گیا تھا اور بعض کو نفرت اور یہ افراط و تفریط محض دوکاندار جاہل صوفیون اور پیرون کی بدولت ہوتی تھی، جو بفضلہ تعالیٰ اب اعتدال و تحقیق سے مبدل ہو گئی۔"

(افاضات حصہ ششم ص۹)

Marfat.com